سلسلۂ آصفیہ

شعر العجم

۱۳۳۹ھ

یعنی

فارسی شاعری کی تاریخ جس مین شاعری کی ابتدا عہد بعہد کی ترقیون اور
اُن کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہی اور اسی کیساتھ
تمام مشہور شعرا کا مفصل تذکرہ اور اُنکی شاعری پر تقریظ اور تنقید ہے

مُصنّفہ

شبلی نعمانی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

معارف پریس واقع اعظم گڈھ مین طبع ہوئی

طبع سوم

شعر العجم

۱۳۳۹ھ

حصۂ اوّل

عباس مروزی سے نظامی تک

مادہ تاریخ آغاز تصنیف	مادہ تاریخ اختتام تصنیف
تاریخ عجم	**تذکرہ**
۱۳۲۴ھ	۱۳۲۵ھ

مصنفہٗ

شبلی نعمانی

مطبوعہ معارف پریس واقع اعظم گڈھ

طبع سوم

فہرست مضامین شعر العجم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تمہید اور سبب تصنیف	۱	رودکی کا عام انداز	۲۸
شعر العجم کے ماخذ	۴	رودکی کے انواع شاعری	۳۱
فارسی زبان کے ساتھ اہل یورپ کا اعتنا	۶	دقیقی	۴۳
شعر کی حقیقت	۸	شاہنامہ کا سنگ بنیاد	〃
شاعری کے متعلق ارسطو اور مل کی رائین		دقیقی کی شاعری کی نسبت فردوسی کی رائے	۴۶
اور اصل مسئلہ کی تحقیق،	۱۰	دقیقی کا انداز کلام	۴۷
فارسی شاعری کی ابتدا	۱۵	شہید بلخی، ابوشکور بلخی، خبازی، عمارہ مروزی	۵۱
فارسی شاعری ایک مدت تک کیون وجود		غزنویہ کا دور	۵۴
مین نہین آئی،	۱۶	سلطان محمود اور شعرا کی تربیت	۵۶
شاعری کے شروع ہونے کے اسباب	۱۸	عنصری	۵۸
متقدمین شعراء	〃	عنصری کی بدیہہ گوئی	۶۰
خاندان سامانیہ	۲۱	عنصری کی خصوصیات شاعری	۶۱
سامانی عہد کے شعراء	۲۴	فرخی	۷۱
رودکی	۲۶	فرخی کی شاعری	۷۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
زبان کی سلاست	۷۳	شاہنامہ کا تاریخی ماخذ	۱۱۰
صورت نگاری	۷۵	ایران کی قدیم تاریخین جو عربی مین ترجمہ ہوئین	۱۱۲
واقعہ نگاری	۷۸	شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق خود فردوسی کا	
مرثیہ گوئی	۸۲	بیان،	۱۱۷
تلمیح اور صنائع	۸۴	شاہنامہ کی وقعت تاریخ کی حیثیت سے	۱۲۱
فردوسی	۸۷	اس امر کے متعلق محققین یورپ کی رائے	۲۳
شاہ نامہ کی ابتدا	۸۸	اسلام کے قبل جو کتابین فارسی زبان مین	
غزنین مین شعرا سے معرکہ	۹۰	تصنیف ہوئین اُن سے شاہ نامہ کی	
سلطان محمود کے دربار مین پہونچنے کی تقریب	۹۲	مطابقت،	۱۲۶
شاہ نامہ کی تصنیف پر مامور ہونا	۹۳	**فردوسی کی شاعری**	۱۳۴
فردوسی کے ناکامی کے اسباب،	۹۵	شاہنامہ کی خصوصیات	۱۳۶
سلطان محمود کی ہجو	۹۹	پہلی خصوصیت	״
فردوسی کا غزنین سے نکلنا اور مختلف		دوسری خصوصیت	۱۴۰
مقامات مین جانا،	۱۰۰	تیسری خصوصیت	۱۴۴
فردوسی کی وفات، اور اُس کی اولاد	۱۰۵	چوتھی خصوصیت	۱۴۵
شاہنامہ کا زمانۂ تصنیف	۱۰۶	پانچوین خصوصیت	۱۵۱

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
چھٹی خصوصیت	۱۵۷	سراپانگاری	۱۹۵
ساتوین خصوصیت	۱۶۰	منوچہری کی مسمطات	۱۹۸
آٹھوین خصوصیت	۱۶۲	منوچہری کی تشبیہات	۲۰۱
فردوسی کی رزمیہ شاعری،	〃	شاعری کا چوتھا دور	۲۰۳
شاہ نامہ کا اثر	۱۶۷	اِس دور کی خصوصیات	۲۰۴
شاہ نامہ کی زبان دجواب متروک ہی	۱۶۹	حکیم سنائی	۲۱۲
اسدی طوسی	۱۷۷	حکیم سنائی کی خصوصیات شاعری	۲۱۶
اِس خیال کی غلطی کہ اسدی نے شاہنامہ		پہلی خصوصیت	〃
کی تکمیل کی،	۱۷۸	دوسری خصوصیت	۲۱۷
اسدی نے قصیدہ مین کیا جدّت کی	〃	تیسری خصوصیت	۲۱۸
اسدی کی شاعری۔	۱۷۹	چوتھی خصوصیت	〃
منوچہری دامغانی	۱۸۲	پانچوین خصوصیت	۲۲۱
منوچہری کے کلام کی خصوصیات	۱۸۴	عمر خیام	۲۲۵
پہلی خصوصیت عرب کی تقلید	〃	خیام کا فضل وکمال	۲۲۸
دوسری خصوصیت	۱۸۷	خیام کی تصنیفات اور عربی اشعار	۲۳۰
مناظر قدرت	۱۹۰	خیام کی رباعیان اور اُسکے محاسن	۲۳۲

مضمون	صفحہ
خیام کا فلسفہ	۲۴۵
خیام کا فلسفۂ اخلاق	۲۵۶
خیام اور یورپ	۲۶۰
انوری	۲۶۲
انوری کی شاعری	۲۶۳
انوری کی شاعری کے متعلق شعرا کی رائے	۲۶۴
انوری کی ترجیح کے وجوہ	۲۷۷
انوری اور ہجو	۲۸۱
انوری کے کلام مین عربیت	۲۸۳
انوری کی مضمون آفرینی	۲۸۵
انوری اور یورپ	۲۸۶
نظامی گنجوی	۲۸۸
مخزن اسرار کی تصنیف	۲۸۹
شیرین خسرو کی تصنیف	۲۹۰
لیلی مجنون	۲۹۳
سکندرنامہ،	۲۹۵

مضمون	صفحہ
نظامی کے قصائد اور غزل	۲۹۸
نظامی کی شاعری اور انکی خصوصیات	۳۰۱
تمام انواع شاعری پہ قدرت	۳۰۲
نظامی کی اولیات	″
زور کلام	۳۰۳
قوت تخیل	۳۰۹
استعارات اور تشبیہات	۳۱۱
تشبیہات کی لطافت	۳۱۴
فلسفیانہ شاعری	۳۲۰
جذبات انسانی کا اظہار	۳۲۳
مناظر قدرت	۳۲۶
عشقیہ شاعری	۳۲۸
رزمیہ شاعری	۳۳۶
نظامی اور فردوسی کا موازنہ تا آخر کتاب،	۳۴۲

نوٹ۔ چونکہ ص۲۷ کے بعد غلطی سے چار صفحے چھوٹ گئے تھے اسلیے انکو دوبارہ چھاپکر بڑے کے لحاظ سے ہندسے دیدیے گئے ہین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرم جویان درے رامی پرستند		فقیہان دفترے رامی پرستند	
برافگن پردہ تا معلوم گردد		کہ یاران دیگرے رامی پرستند	

والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن فیض بقدر استعداد پہنچا، جس خاک مین جس قدر زیادہ قابلیت تھی اُسی قدر زیادہ فیضیاب ہوئی، عرب ایران، افغانستان، ہند، ترکستان، تاتار، مصر، شام، روم، سب اِسکے حلقہ مین آگے لیکن قبول اثر مین سب یکسان نہ تھے، فرق مراتب تھا، اور فرق مراتب کی حیثیتین بھی مختلف تھین، جس قوم مین جس قسم کی قابلیت تھی، اسلام نے اسکو اور چمکایا، ترک شجاع تھے شجاع تر ہو گئے، ایرانی ہمیشہ سے تہذیب، معاشرت اور علوم وفنون مین ممتاز تھے اسلام نے

ان کو ممتاز تر کر دیا، بو علی سینا، غزالی، رازی، طوسی، امام بخاری، مسلم، سیبویہ، جوہری، سب ایران ہی کی خاک سے اُٹھے تھے، آج تمام اسلامی دُنیا مین ایران ہی کی تہذیب و معاشرت جاری ہے، ترکون نے بڑی بڑی پُر زور سلطنتین قائم کین، لیکن دفتر کی زبان، اور دربار کے دستور اور آئین سب فارسی ہی رہے۔

ایران کی خاک فنون لطیفہ کی قابلیت مین بھی سب سے ممتاز تھی، اور بالخصوص شاعری اِسکا خمیر تھا، اسلام نے اِس خاص جوہر کو زیادہ چمکایا اور اِس حد تک پہنچایا کہ تمام دنیا کی شاعری ایک طرف، اور صرف ایران کی شاعری ایک طرف، لیکن افسوس یہ ہے کہ آج تک کسی اسلامی زبان مین ایران کی شاعری کی کوئی ایسی تاریخ نہین لکھی گئی جس سے ظاہر ہوتا کہ شاعری کب شروع ہوئی؟ کن اسباب سے شروع ہوئی؟ کس طرح عہد بہ عہد بڑھی؟ کیا کیا انداز قائم ہوئے؟ کیا کیا صورتین بدلین، ملکی اور قومی حالتون نے اسپر کیا کیا اثر کئے، خود اُسنے ملک اور قوم پر کیا اثر ڈالا؟

شعراء کے تذکرے بہت ہین لیکن وہ درحقیقت بیاض اشعار ہین جن مین شعراء کے عمدہ اشعار انتخاب کر کے لکھدیے ہین، شعراء کے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہین، اور شاعری کے عہد بہ عہد کے انقلابات اور اُنکے اسباب کا تو مطلق ذکر نہین ہین اس کمی کو مدت سے محسوس کر رہا تھا، اور اکثر اس ادھیڑ بن مین رہتا تھا، مئی ۱۹۰۷ء مین میرے معزز دوست اور اُستاد مسٹر آرنلڈ نے مجھکو اطلاع دی کہ جرمن کے ایک پروفیسر جیمس ڈارمسٹیٹر نے اس موضوع پر فرنچ مین ایک کتاب لکھی ہے، مین اس زمانے مین فرنچ زبان سیکھ رہا تھا، بڑے شوق سے

کتاب منگوائی لیکن وہ ۸۰ صفحون کا ایک رسالہ تھا جس مین شعراء کے نہایت معمولی حالات تھے، ایک مدت کے بعد اس مصنف کی ایک اور ضخیم کتاب شائع ہوئی، جو تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز بھی لیکن وہ زبان کی تاریخ ہی جسمین ژند پہلوی وغیرہ زبانون پر نہایت محققانہ بحث کی ہے اور اسلام کے قبل کی تصنیفات کا سراغ لگایا ہے، شاعری کی تاریخ سے اُسکو لگاؤ نہین۔

اس اثنا مین مین سررشتہ علوم وفنون حیدرآباد کے تعلق سے **سلسلۂ کلامیہ** کی طرف متوجہ ہوا، اور چند کتابین لکھین جو چھپ کر شائع ہوئین، اس سلسلہ سے فی الجملہ فراغت ہوئی تو پچھلے سال پُرانا خیال پھر تازہ ہوا، اور ۶ مارچ ۱۹۰۶ء کو مین نے اس عمارت کا سنگ نبیاد رکھا، لیکن بیچ بیچ مین **موازنہ انیس** اور **الندوہ** سدراہ ہوتے رہے، جب موازنہ سے بالکل فارغ ہو کر ہمہ تن، اس کام مین مصروف ہوا اور **فردوسی** کے حال تک پہنچا تو ۷ امئی ۱۹۰۶ء کو صدمۂ پا کا واقعہ پیش آیا یعنی اتفاق سے میرے پاؤن مین گولی لگی اور پاؤن کاٹ ڈالا گیا، یہ بھی فردوسی کی کرامت تھی کہ واقعہ سے ذرا پہلے **شاہنامہ** کا یہ مصرع دریدو برید و شکست و ربست، قلم کی زبان پر تھا، اس حادثہ نے تین چار ہفتہ لکھنے سے معذور رکھا، پھر وہ سلسلہ شروع ہوا اور باوجود درد اور تکلیف کے کچھ نہ کچھ کام ہوتا گیا، یہانتک کہ ستمبر ۱۹۰۶ء کی چھٹی تاریخ کو دور اوّل کا پہلا حصّہ انجام پذیر ہوا۔

کتاب کی اجمالی ترتیب یہ ہے کہ قدماء، متوسطین، متاخرین کے تین دور ہین، پہلا دور **حنظلہ** سے شروع ہو کر **نظامی** پر تمام ہوتا ہے، دوسرا **کمال اسمٰعیل** سے **جامی** تک اور تیسرا **فغانی**

ؔ شبلی نامہ سیہ را بہ جزائے عملش | پا بُرید ند و صد اخاست کہ سر می بایست

سے ابوطالب کلیم تک، کلیم کے بعد شاعری، شاعری نہین رہی بلکہ چیستان گوئی بنگئی، اُن دورون کے
لحاظ سے کتاب تین حصون پر منقسم ہے، چوتھے حصہ مین شاعری پر عام ریویو ہے اور یہی حصہ،
گویا کتاب کی جان، اور اُسکی روح وروان ہے، اس کتاب کی ترتیب مین جن کتابون سے
مدد لیگئی ہے، اگرچہ بہت ہین، لیکن خاص طرح پر جو ذکر کے قابل ہین حسب ذیل ہین،

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
لب اللباب	عوفی یزدی	سب سے پہلا تذکرہ ہے، مصنف ساتوین صدی ہجری مین تھا اور اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہین، پروفیسر براؤن نے تصحیح وتحشیہ کرکے شائع کیا ہے۔
چہار مقالہ	نظامی عروضی سمرقندی	مصنف نظامی گنجوی کا ہمعصر تھا، گو مختصر سا رسالہ ہے لیکن نہایت مفید باتین لکھی ہین، خود بھی باکمال شاعر تھا۔
تذکرہ دولت شاہ سمرقندی		مشہور تذکرہ ہے، اور گو اکثر جگہ غلطیان کی ہین تاہم دلچسپ اور مفید ہے۔
تاریخ آل غزنین	بیہقی	مصنف مسعود بن سلطان محمد غزنوی کے

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		زمانہ مین تھا ضمناً شعرار عصر کا تذکرہ کیا ہے،
غرفات	اوحدی	عرفی وغیرہ کا ہم صحبت تھا، یہ تذکرہ ضخیم دو جلدون مین ہی، حالات بھی کسی قدر تفصیل سے لکھے ہین،
مے خانہ	عبدالنبی فخرالزمانی	جہانگیر کے زمانہ مین تھا، صرف اُن شعرار کا حال لکھا ہے جنھون نے ساقی نامے لکھے. تمام تذکرون کی نسبت زیادہ مفصل ہی، اور اپنے ہمعصرون کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے،
تذکرۃ الشعرار	میرزا طاہر نصیرآبادی	سنہ ۱۰۸۳ع کی تصنیف ہے،
مآثر رحیمی	عبدالباقی نہاوندی	مصنف خان خانان عبدالرحیم کا درباری تھا کتاب اصل مین خان خانان کی سوانح عمری ہے، ضمن مین تمام شعراے خان خانانی کے حالات بھی لکھے ہین اور تمام تذکرون کی نسبت زیادہ مفصل اور صحیح لکھے ہین۔
مرآۃ الخیال	شیر خان لودی	چھپ گیا ہے
ہفت اقلیم.	امین رازی	جہانگیر کے عہد مین لکھا گیا، مستند اور معتبر ہے

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
تذکرہ میر تقی کاشی		سنہ ۹۹۳ھ کی تصنیف ہے،
تذکرۂ سامی	سام میرزا صفوی	خاندان صفویہ کا شہزادہ اور جہانگیر کا معاصر تھا
حبیب السیر		معتبر کتاب ہے، مصنف جہانگیر کے عہد مین تھا
ریاض الشعرار	والہ داغستانی	
سروِ آزاد	مولوی غلام علی آزاد	شعراے عہد تیموریہ کا تذکرہ ہے،
یدِ بیضا	"	عام تذکرہ ہی۔
خزانۂ عامرہ	"	صرف اُن شعرار کا حال ہی جنکو مدح کے معاوضہ مین صلہ ملا۔
مجمع النفائس	خان آرزو	
مجمع الفصحا	ہدایت قلی خان	حال کی تصنیف ہی شعرار کا کلام نہایت کثرت سے جمع کیا ہی۔

شعرا کے کلیات اور دیوان جس قدر نظر سے گزرے ان کی فہرست اسقدر لمبی ہے کہ کئی ورق صرف ہونگے اس لیئے قلم انداز کرتا ہون۔

عجیب بات یہ ہے کہ یورپ نے فارسی زبان کے ساتھ مسلمانون سے زیادہ اعتنا کیا، مسلمانون کو اسلام سے قبل فارسی زبان کی ایک تصنیف کا بھی پتہ معلوم نہ تھا لیکن یورپ نے ان تصنیفات کا اسقدر سرمایہ جمع کرلیا کہ زردشت سے لیکر

نوشیروان کے عہد تک زبان کی پوری تاریخ مرتب ہو گئی۔

پروفیسر دارمسٹیٹر جرمنی نے فرنچ زبان مین ایک ضخیم کتاب لکھی جسمین کیومرث سے لیکر اسلام کے عہد تک چار دور قائم کئے اور ہر دور کی زبان کی نحو وصرف، لغات، الفاظ وتغیرات پر مفصل ریویو لکھا، یہ کتاب ہماری نظر سے گزری ہے، یورپ کے اور محققین نے خاص خاص زبانون پر مستقل تصنیفات لکھین، خصوصاً اوستا اور ژند کی زبان کے متعلق اسقدر کثرت سے معلومات مہیا کئے کہ نکتہ نکتہ حل ہو گیا۔ اکثر اساتذہ کے دیوان، جو نایاب تھے انگوٹری کوشش اور تلاش سے بہم پہنچا کر تصیح وتحشیہ کے ساتھ چھاپا۔ منوچہری کے قصائد ایران مین نہایت ناتمام اور غلط سلط چھپے تھے لیکن فرانس مین اس اہتمام سے چھاپا کہ دیکھ کر آنکھین روشن ہوتی ہین، اسکے ساتھ فرنچ مین اسکا ترجمہ بھی چھاپا، اور لغات واصطلاحات کی علیحدہ فرہنگ لکھی۔ اسی طرح روس کے پروفیسر والن ٹن ژوکوسکی نے انوری کے قصائد چھاپے، اور دیباچہ مین انوری کی سوانح اور کلام پر ریویو لکھا، پروفیسر نولدیکی نے خاص شاہنامہ کے تاریخی ماخذ ون پر ایک مستقل کتاب جرمنی زبان مین لکھی، شعرا کے بہت سے تذکرے لکھے گئے جنمین سے سرگور اوسلی کا تذکرہ عام طور پر مشہور ہے۔ سب سے زیادہ مکمل اور جامع کتاب پروفیسر براؤن نے لکھی جو کیمبرج کالج کے فارسی لکچرار ہین، اس کتاب[ل] کے دو حصے شایع ہو چکے ہین۔

ان کوششون کے علاوہ قدیم فارسی زبان کی اصل کتابین بہم پہنچائین اور چھاپ کر

[ل] اس کتاب کا نام لٹریری ہسٹری آف پرشیا ہے اور لندن مین سنہ ۱۹۰۲ء مین چھاپی گئی ہے۔

شائع کین۔ آج مسلمانون کے پاس پہلوی زبان کا ایک حرف موجود نہین لیکن یورپ نے پہلوی زبان کی بہت سی تصنیفات شائع کین جن مین سے ایک کتاب یات زریران حضرت عیسیٰ سے پانچسو برس قبل کی تصنیف ہی۔

ان تصنیفات مین سے بعض بعض میری نظر سے گزرین، اور جنسے فائدہ اُٹھا سکنا ممکن تھا مین نے فائدہ اُٹھایا، لیکن ان تمام باتون پر بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ کتاب کے لکھنے کا جو حق تھا پورا ہوا، قدیم واقعہ نگارون اور تذکرہ نویسون نے جو کمی کی وہ آج کیونکر پوری ہوسکتی ہی

گیرم کہ مرا طرز نوشتن نشد از یاد	پیداست کہ با این سروسامان چہ نویسم

شعر کی حقیقت

چونکہ ایک مدت سے علم کی کمی اور طبیعتون کی بدمذاقی نے شعر کی حقیقت پر پردہ ڈالدیا ہی، اسلیئے ضرور ہے کہ پہلے شعر کی حقیقت سے بحث کیجائے تاکہ ایک صحیح معیار قائم ہو جس سے ایران کی شاعری کا اندازہ کیا جائے[1]

شاعری کی حقیقت اور اُسکی ماہیت پر سب سے پہلے ارسطو نے بحث کی چنانچہ اسنے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی، جسکا نام بوطیقا (پوئیٹری) ہے، اس کتاب کا ترجمہ، عربی زبان مین ہوا اور ابن رشد نے اسکی تلخیص کی، اس تلخیص کے جستہ جستہ

[1] شاعری کی حقیقت پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے نہایت اجمالی لکھا ہی ارسکے متعلق اسقدر مواد موجود ہی کہ ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

حصے پروفیسر شیخو لویس نے اپنی کتاب علم الادب مین جو بیروت مین چھپ گئی ہے شامل کیے ہین،
افسوس ہے کہ چونکہ مسلمانون نے ارسطو کی ادبی تصنیفات کی طرف التفات نہین کیا اسلیئے شاعری کے
متعلق ارسطو کے جو خیالات تھے وہ مسلمانون مین بالکل پھیل نہ سکے۔

شعر کی عام تعریف

شعر صرف وزن وقافیہ کا نام نہین

کتب ادبیہ مین شاعری کی جو تعریف کی گئی ہے، اور وہی عام وخاص کی زبانون پر جاری ہے یہ ہے کہ "کلام موزون ہو، اور متکلم نے بہ ارادہ موزون کیا ہو" لیکن یہ تعریف درحقیقت عامیانہ تعریف ہی، آج تو یہ مسئلہ بالکل فیصل ہو چکا ہے، لیکن قدما کے کلام مین بھی اس کے اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہین کہ شاعری صرف وزن وقافیہ کا نام نہین، کتب ادبیہ مین مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابت کے صغیر السن بچے کو بھڑ نے کاٹ کھایا، وہ حسان کے سامنے روتا ہوا آیا کہ مجکو ایک جانور نے کاٹ کھایا ہے، حسان نے جانور کا نام پوچھا، وہ نام واقف نہ تھا، حسان نے کہا اچھا اُسکی صورت کیا تھی؟ بچے نے کہا "کانہ ملتف ببردی حبرۃ" یعنی "گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخطط چادرون مین لپٹا ہوا ہے" چونکہ بھڑ کے پرون پر رنگین دھاریان ہوتی ہین، اس لیے اُس نے مخطط چادر سے تشبیہ دی، حسان اچھل پڑے اور خوشی کے جوش مین کہا کہ "واللہ صار ابنی الشاعر" یعنی خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہو گیا" فقرہ موزون نہ تھا، لیکن چونکہ نہایت عمدہ تشبیہ تھی، حسان نے سمجھا کہ بچے مین شاعری کی قابلیت موجود ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک شعر کی اصلی حقیقت کیا تھی؟، ابن رشیق قیروانی نے عرب کی شعر وشاعری پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اسمین شعرا اور علماے ادب کے جو اقوال نقل کیے ہین انسے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے

شعراے فارس کے نزدیک بھی شاعری دراصل تخیل کا نام تھا، نظامی عروضی سمرقندی جو خود بہت بڑا شاعر اور نظامی گنجوی کا معاصر تھا اپنی کتاب چہار مقالہ مین لکھتا ہے۔

"شاعری صناعتے است کہ شاعر بدان صنعت اتساق مقدمات موہومہ کند والتیام قیاس نتیجہ برآن وجہ کہ معنی خورد را بزرگ کند، و بزرگ را خرد، نیکو را در لباس زشت و زشت را در حلیہ نیکو جلوہ دہد، و با ایہام قوت غضبانی و شہوانی برانگیزد تا بدان ایہام طبائع را انبساط و انقباضے بود و امور عظام را در نظام عالم سبب گردد"

اس تعریف کا ماحصل یہ ہے کہ شاعری اسکا نام ہے کہ مقدمات موہومہ کی ترتیب سے اچھی چیز بدنما اور بُری چیز خوش نما ثابت کیجاے جس سے محبت و غضب کی قوتین مشتعل ہو جائین۔

یہ قدما کے اقوال و خیالات تھے یورپ کے نکتہ سنجون نے اس مسئلہ پر نہایت دقیق بحثین کی ہین اور عجیب عجیب نکتے پیدا کئے ہین۔ مل نے اس پر ایک نہایت مفصل اور بسیط مضمون لکھا ہی۔ جسکا نہایت مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے۔

یورپ کے محققین کے نزدیک شعر کی ماہیت

"انسان کے مدرکات مین سے بعض ایسے ہین جسکو جذبات انسانی کو کچھ تعلق نہین مثلاً اگر ہم اقلیدس کا کوئی مسئلہ حل کرین تو اس سے ہم کو غصہ یا جوش یا رنج نہین پیدا ہوگا لیکن اگر ہمارے سامنے کسی شخص کی مصیبت کا حال، دردانگیز لفظون مین بیان کیا جاے تو اس واقعہ کے ادراک کے ساتھ ہم پر ایک اثر طاری ہوگا، اس قسم کے اثرون کا نام جذبات یا احساسات ہے اور جو چیز ان جذبات یا احساسات کو برانگیختہ کرسکتی ہی وہی

شاعری ہے اس تعریف کی بنا پر تصویر۔ تقریر۔ وعظ بھی شعر مین داخل ہو جاتے ہین کیونکہ یہ چیزین بھی جذبات انسانی کو برانگیختہ کر سکتی ہین۔ اسی بنا پر بعضون نے ان چیزون کو بھی شاعری مین داخل کر لیا ہے لیکن مل صاحب کے نزدیک یہ چیزین شاعری کے دائرہ سے باہر ہین، وہ کہتے ہین کہ "انسان جو کلام کرتا ہے اُسکی غرض کبھی تو دوسرن پر اثر ڈالنا ہوتا ہی مثلاً اسپیچ۔ لکچر وغیرہ کہ ان سب کا مقصد دوسرون کا متاثر کرنا ہوتا ہے، کبھی دوسرون سے مطلق غرض نہین ہوتی بلکہ انسان محض اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے اور اپنا آپ ہی مخاطب ہوتا ہی مثلاً اگر کسی شخص کا بیٹا مر جائے تو اس حالت مین اُسکی زبان سے جو الفاظ نکلین گے، اسکی غرض کسی شخص یا گروہ کو مخاطب کرنا نہو گا، بلکہ وہ اپنا آپ مخاطب ہوگا، فرض کرو وہان کوئی شخص موجود نہو تب بھی وہی الفاظ اُس کی زبان سے نکلین گے۔ شاعری اسی قسم کے کلام کا نام ہے" اس بنا پر شاعری کی تعریف منطقی طور پر کرنا چاہین تو یون کہین گے کہ "جو کلام اس اس قسم کا ہو کہ اُس سے جذبات انسانی برانگیختہ ہون، اور اسکا مخاطب حاضرین نہون بلکہ انسان خود اپنا آپ مخاطب ہو اُسکا نام شاعری ہے"۔

مل صاحب کی یہ تعریف اگرچہ نہایت باریک بینی پر مبنی ہے لیکن اس سے شاعری کا دائرہ نہایت تنگ ہو جاتا ہے اور اگر اسی کو معیار قرار دیا جائے تو فارسی اور اردو کا دفتر بے پایان بالکل بیکار ہو جائیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ شعر کا دائرہ نہ اس قدر تنگ ہے جیسا مل صاحب کرنا چاہتے ہین اور نہ اسقدر وسیع جتنا ہمارے علماے ادب نے کیا ہے۔

شعر کی اصلی حقیقت

شعر (جیسا کہ ارسطو کا مذہب ہے) ایک قسم کی مصوری یا نقالی ہی فرق یہ ہے کہ مصور صرف مادی اشیا کی تصویر کھینچ سکتا ہی بخلاف اسکے شاعر ہر قسم کے خیالات، جذبات اور احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہے ایک شخص کا عزیز دوست جدا ہو رہا ہے اس حالت میں جو اسپر صدمے گزرتے ہیں اور درد و غم خیالات کا جو طوفان اسکے دل مین اٹھتا ہے شاعر اس کی تصویر اس طرح کھینچ سکتا ہے کہ اگر رنج و غم مادی چیزین ہوتیں اور ان کی تصویر کھینچی جاتی، تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ کے ذریعہ سے کھینچی تھی۔

اس بنا پر کسی چیز کا بیان جب اس طرح کیا جائے کہ اس شے کی اصلی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے، تو اس پر شعر کی تعریف صادق آئے گی، دریا کی روانی، جنگل کا سناٹا، باغ کی شادابی سبزہ کی لہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی شدت، گرمی کی تپش، جاڑون کی ٹھنڈ صبح کی شگفتگی، شام کی دلاویزی، یا رنج۔ غم۔ غیظ۔ غضب۔ جوش۔ محبت۔ افسوس۔ حسرت، خوشی، ان اشیا کا اسطرح بیان کرنا کہ انکی صورت آنکھون مین پھر جائے یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے یہی شاعری ہی۔

ایک اور پیرایہ مین شاعری کی تعریف کیجا سکتی ہی۔

دنیا مین جسقدر قدرت کے مظاہر ہین، خواہ مادی ہون مثلاً پہاڑ، بیابان، باغ، دریا وغیرہ خواہ غیر مادی، مثلاً وصل، ہجر، تحسین، نفرین، ان سب سے دل پر اثر پڑتا ہے اور ہر شخص کے دل پر پڑتا ہے، لیکن اثر کے مراتب متفاوت ہین بعض اشخاص پر کم بعض پہ زیادہ اور بعض پر بہت زیادہ ہوتا ہے، جو شخص ان مظاہر قدرت سے عام لوگون کی نسبت زیادہ متاثر ہو اور

بعینہ اس اثر کو الفاظ سے ادا بھی کرسکتا ہو وہی شاعر ہے۔

شاعر کے جذبات اور احساسات، فطرتاً نہایت نازک، لطیف اور سریع الاشتعال ہوتے ہین، دوست کی جدائی ہر شخص کے دل پر اثر کرتی ہے لیکن شاعر اس موقع پر بالکل بیتاب ہو جاتا ہے، دریا کی روانی سے ہر شخص محظوظ ہوتا ہے لیکن شاعر پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، سبزہ کے دیکھنے سے ہر شخص کو فرحت ہوتی ہے لیکن شاعر جھومنے لگتا ہے، ممکن ہے کہ اس درجہ کی کیفیت دوسرون پر بھی طاری ہو لیکن وہ لوگ اس کیفیت کو الفاظ کے ذریعے اس طرح ادا نہین کرسکتے جس طرح شاعر کرسکتا ہے، حاصل یہ کہ جو شخص واقعات اور مظاہر قدرت سے اور لوگون کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہو اور اُس اثر کو الفاظ کے ذریعہ سے پورا پورا ظاہر کرسکتا ہو وہی شاعر ہے،

برادر عزیز مولوی حمید الدین نے جمہرۃ البلاغۃ فن بلاغت مین ایک نادر کتاب لکھی ہے اس مین شعر کی حقیقت نہایت نکتہ سنجی سے بیان کی ہے اسکا خلاصہ ذیل مین ہے۔

"شاعر کے لفظی معنی صاحب شعور کے ہین شعور اصل مین احساس (فیلنگ) کو کہتے ہین یعنی شاعر وہ شخص ہے جسکا احساس قوی ہو انسان پر خاص خاص حالتین طاری ہوتی ہین مثلاً رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا، یہ حالتین جب انسان پر غالب ہوتی ہین تو اُس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتی ہین، رونے کے وقت آنسو جاری ہو جاتے ہین، ہنسی کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہو جاتی ہے، انگڑائی مین اعضا تن جاتے ہین، اسی طرح شعر بھی ایک خاص حالت کا نام ہے شاعر کی طبیعت پر رنج، یا خوشی، یا غصہ، یا استعجاب کے طاری ہونے کے وقت ایک خاص اثر

پڑتا ہے۔ اور یہ اثر موزون الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کا نام شاعری ہے۔

حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو مختلف قسم کی آوازون کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً شیر کی گونج، طاؤس کی جھنکار، کویل کی کوک، بلبل کا ترانہ، اسی طرح انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جس طرح حیوانات کی جذبات کبھی حرکات کی صورت مین ظاہر ہوتے ہین مثلاً طاؤس ناچنے لگتا ہے، سانپ جھومتا اور لہراتا ہے، اسیطرح انسان کو چونکہ نطق کے ساتھ، نغمہ کا ملکہ بھی عطا ہوا ہے اسلیے موزون الفاظ منھ سے نکلتے ہین، اور ساتھ ہی انسان غنغنانے بھی لگتا ہے، اور جب یہ جذبہ زیادہ تیز ہوجاتا ہے تو انسان ناچنے لگتا ہے، یہ سب باتین جمع ہوجائین تو یہی اصلی شعر ہے، اس بیان سے ظاہر ہوگا کہ شعر الفاظ، وزن، نغمہ، اور رقص کے مجموعے کا نام ہے۔

لیکن چونکہ یہ تمام چیزین، جذبات کی کمال شدت کے وقت پیدا ہوتی ہین اسلیے ہر شعر مین ان تمام چیزون کا پایا جانا ضرور نہین تاہم کوئی شعر راگ سے خالی نہین ہوسکتا، وزن جو شعر کا ایک ضروری جزو ہے۔ راگ کی ایک قسم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ اشعار کو گاکر پڑھتے تھے، شعر کے پڑھنے کو جو اہل عرب انشاد کہتے ہین، اس کی یہی وجہ ہے کیونکہ انشاد کے اصلی معنی گانے کے ہین۔

ارسطو نے اس بحث مین سخت غلطی کی ہے وہ کہتا ہے کہ شاعری کے جذبے کے وقت انسان جو گانے یا ناچنے لگتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نغمہ اور رقص، ایک قسم کی مصوری ہے یعنی انسان کے دل مین جو جذبات پیدا ہوتے ہین، آواز اور حرکات کے ذریعہ سے انکی تصویر

کھینچتا ہے۔ چنانچہ رقاص جو کچھ گاتے ہین، حرکات رقص کے ذریعہ سے اسکو بتاتے جاتے ہین۔

لیکن ارسطو کا یہ خیال غلط ہے اصل یہ ہے کہ جذبات انسانی مثلاً رنج خوشی وغیرہ انسان کے دل مین نہایت پُر زور حرکت پیدا کر دیتے ہین یہی حرکت آواز، یا راگ یا رقص یا تڑپ بنجاتی ہے مثلاً انسان کو جب ہنسی آتی ہے تو دل مین ایک حرکت پیدا ہوتی ہے اور یہی حرکت ہنسی بنجاتی ہے، اور چونکہ یہ آثار، حرکات نفسانی کے مشابہ ہوتے ہین اسلیئے وہ حرکات نفسانی پر اسیطرح دلالت کرتے ہین، جس طرح الفاظ، معانی پر دلالت کرتے ہین، غرض جس طرح نطق، ایک فطری چیز ہے، اسی طرح یہ اشارات و حرکات بھی خود بخود سرزد ہوتے ہین، وہ نقالی اور محاکات کی غرض سے نہین کیئے جاتے، گو یہ ممکن ہو کہ محاکات کا مقصد اس سے حاصل ہو جائے۔

اِن تمام خیالات سے تمکو شاعری کی حقیقت کا کچھ اندازہ ہوا ہوگا، اور معلوم ہوگا کہ آج کل جس چیز کا نام شاعری ہے اُسکو شاعری سے کچھ تعلق نہین۔

فارسی شاعری کی ابتدا

اسقدر عموماً مسلم ہے کہ اسلامی دور مین، شاعری تیسری صدی سے شروع ہوتی ہے ابو العباس مروزی کے اشعار جنکا ذکر آگے چلکر کہین آئیگا اگر روایتاً ثابت بھی ہون تو وہ ایک اتفاقیہ تفریح خاطر تھی، جو سلسلۂ تاریخی کی کوئی کڑی نہین بن سکتی۔

شروع اسلام سے کئی سو برس تک فارسی شاعری کیون وجود مین نہین آئی؟

یہان سوال پیدا ہوتا ہے، کہ دو سو برس تک، شاعری کی زبان کیون بند رہی، فارسی

تذکرہ نویسون نے اسکے اسباب یہ بتائے ہین "ظاہر است کہ اشعار قدیم شعرائے عجم بسبب غلبۂ عرب از میان رفتہ، چنانکہ مشہور است کہ تمام کتب و تواریخ عجمیان را عرب سوختند۔ از کتب قدیمہ چیزے بر جا نگذاشتند الا قلیلے کہ پنہان داشتند، چون مردم را قدغن بلیغ نمودند قاعدہ سخن فارسی و شعر متروک شد، تا مدتے گذشت و اوضاع نبوع دیگر گشت"

یہ مجمع الفصحار کی عبارت تھی جو زمانہ حال کا سب سے بڑا مستند تذکرہ ہے، اور ناصر الدین قاچار مغفور کے عہد مین ۱۲۸۴ھ مین تصنیف ہوا ہے، یہ خیال اصل مین دولت شاہ کے تذکرے سے ماخوذ ہے، اُسنے یہ روایت نقل کی ہے کہ "عبداللہ بن طاہر نے حکم دیا تھا کہ ایران کی تمام کتابین برباد کر دیجائین اس بنا پر آل سامان کے زمانے تک فارسی شاعری ظہور نہین کیا"

ان بزرگون کی تاریخ دانی کی داد دینے کا یہ موقع نہین، اسکے لیے ہمارے مضمون تراجم کو دیکھنا چاہیے جو رسائل شبلی کے ساتھ چھپکر شایع ہوا ہے، لیکن استدلال کس قدر لطیف ہے یعنی چونکہ ایران کی قدیم کتابین برباد کر دی گئین، اس لیے اہل عجم فارسی مین شعر بھی نہ کہہ سکے"، اسلام نے ملکی زبان سے کبھی کچھ تعرض نہین کیا، حضرت عمرؓ کے عہد سے حجاج بن یوسف کے زمانہ تک تمام دفاتر فارسی زبان مین تھے، حجاج کے زمانے سے عربی مین ہو گئے، لیکن ملک کی اصلی زبان وہی رہی، رفتہ رفتہ فارسی عربی مخلوط ہو کر اردو کی طرح ایک جدید زبان پیدا ہو گئی، اور وہ گویا خاص اسلامی زبان تھی، جب خود فارسی زبان سے کسی قسم کے تعصب کا اظہار نہین کیا گیا، تو فارسی شاعری نے کیا گناہ کیا تھا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام جس قوم مین پھیلتا تھا، اُسکو مذہبی اثر سے اسقدر

لبریز کردیتا تھا کہ اُسکو سواے مذہب کے دنیا کی کسی چیز سے سروکار نہین رہتا تھا، خود عرب کو دیکھو، وہ ملک جسکے درودیوار سے شاعری کی آواز آتی تھی، اسلام کے آتے ہی دفعۃً چارون طرف سناٹا سا چھاگیا، **ولید** کے زمانے سے جب شاہانہ دربار قائم ہوا تو لوازم سلطنت کی حیثیت سے شاعری نے دوبارہ جنم لیا لیکن تخت کی زبان عربی تھی، اس لیئے شاعری بھی عربی ہی رہی، شعرا جو مدحیہ قصائد کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے فارسی مین شاعری کرتے تو ممدوح انکی زبان کیونکر سمجھتا، اور نہ سمجھتا تو اُن کی داد کیا دے سکتا، اتنے سے سہارے سے کہ مامون الرشید ایک مدت تک خراسان مین رہا تھا، اور غالبًا فارسی سے حرف آشنا ہوگیا تھا، عباس مروزی نے ایک قصیدہ فارسی مین لکھا، اور مامون الرشید نے اُس کے صلے مین ہزار دینار سالانہ مقرر کردیے، ارباب تذکرہ لکھتے ہین، کہ اسلامی عہد مین فارسی شاعری کا یہ پہلا حرف تہجی تھا، اس سے پہلے اگر اسے نام کچھ پتہ چلتا ہے تو ابو حفص حکیم سغدی کا شعر ہے جو پہلی صدی ہجری مین موجود تھا، شعر یہ ہے،

آہوے کوہی در دشت چگونہ دودا		زندارو یار، بے یار چگونہ بودا	

ایک اور بڑا سبب یہ ہوا، کہ چند ہی روز مین اسلام نے اپنے خاص علوم وفنون ادب وانشا کا سرمایہ اسقدر وسیع کرلیا تھا، اور ہر شاخ مین وہ اختراعات اور جدتین پیدا کی تھین کہ اسکے سامنے تمام قومون کو اپنا قدیم لٹریچر، ہیچ اور بے وقعت نظر آتا تھا دوسری تیسری صدی ہجری مین اسلام کی جہان جہان حکومتین قائم ہوئین، یعنی ایران، مصر، شام، اندلس، ان تمام ممالک مین اسلامی علوم وفنون نے مفتوحہ قومون کے علوم وفنون کو بالکل ماند کردیا، اس لیے عرب کی شاعری کے آگے، دوسری قومون کو اپنی زبان مین شاعری

کرتے شرم آتی تھی، خراسان، مصر، وشام، وغیرہ مین سیکڑون ہزارون شعرا پیدا ہو گئے تھے لیکن جو کچھ کہتے تھے عربی ہی مین کہتے تھے، چنانچہ ثعلبی نے یتیمۃ الدہر مین ان عجمی شعرا کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

تیسری صدی ہجری مین دولت عباسیہ کا آفتاب اقبال ڈھلنا شروع ہوا اور بڑے بڑے صوبے خود مختار ہو کر نئی نئی حکومتین قائم ہونے لگین، اس قسم کی سب سے پہلی سلطنت جو قائم ہوئی وہ خاندان طاہریہ تھا، جو مامون الرشید کے مشہور سپہ سالار طاہر ذوالیمینین کی طرف منسوب ہی، یہ خاندان ۵۴ برس حکمران رہا اور ۲۵۹ھ مین اسکا خاتمہ ہوگیا، اگرچہ خود مختاری کا مدعی نہ تھا، لیکن خراسان مین اسکا اس قدر زور اور اقتدار ہو گیا تھا کہ خود مختاری کے تمام سروسامان پائے جاتے تھے، دربار مین شعرا کا ہونا بھی ضرور تھا، اس لیے باوجود اسکے کہ یہ خاندان فارسی زبان سے بہت کم آشنا تھا تاہم بہت سے شعرا پیدا ہو گئے، منوچہری دامغانی نے ایک قصیدے مین متقدمین شعرا کا ذکر کیا ہی۔

شاعری کے پیدا ہونیکے اسباب

بوالعلاو بوالعباس وبوسلیک وبوالمثل	آنکہ آمد از نواحی آن کہ آمد از ہری
از حکیمان خراسان کو شہید و رودکی	بوشکور بلخی و بوالفتح بستی ہکذی

ان شعرون مین جن شعرا کے نام آے ہین، ان مین طاہریہ شعرا بھی ہین یعنی خنظلہ بادغیسی، محمود وراق، فیروز مشرقی،

خنظلہ بادغیسی، یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے باقاعدہ شاعری اختیار کی سنہ ۲۱۹ھ مین انتقال کیا، عروضی سمرقندی کی تصریح[1] سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صاحب

[1] چہار مقالہ صفحہ ۲۷

دیوان تھا، چند اشعار یہ ہین،

یارم سپند گرچہ بر آتش ہمی فگند	از بہر چشم تا نرسد مرور اگز ند
اورا سپند و مجمرہ ناید ہمی بکار	با روی ہمچو آتش و با خال چون سپند

یعنی میرا معشوق نظر بد سے بچنے کے لیے آگ پر سپند جلاتا ہے، لیکن اسکو اس کی کیا حاجت ہے، اسکا چہرہ خود آگ، اور اُسکا تل خود سپند ہے۔ حنظلہ نے ۲۱۹ھ مین وفات پائی۔

محمود وراق، محمد بن طاہر جو خاندانِ طاہر کا سب سے اخیر فرمانروا تھا یہ اُسکے زمانے مین تھا، مجمع الفصحا مین اسکے یہ دو شعر نقل کئے ہین ؎

نگارینا بنقد جانت ندہم	گرانی در بہا، ارزانت ندہم
گرفستم بہ جان، دامانِ وصلت	نہم جان از کف و دامانت ندہم

فیروز مشرقی، اصل مین یمن کا رہنے والا تھا، ۲۸۳ھ مین وفات پائی۔ اسکے چند اشعار یہ ہین ؎

مرغی است خدنگ او عجب دیدی	مرغے کہ شکار او ہمہ جانا
دادہ پر خویش کرگسش ہدیہ	تا بچہ اش را برد بہ مہمانا

خاندانِ طاہریہ کے اخیر فرمانروا محمد بن طاہر کو ۲۵۹ھ مین یعقوب صفار نے گرفتار کرلیا اور اِس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

[1] یہ تمام حالات اور اشعار مجمع الفصحا سے ماخوذ ہین۔

یعقوب صفار، ذات کا ٹھیرا تھا لیکن شاہانہ دل و دماغ رکھتا تھا، یہانتک کہ خلافت عباسیہ کے زمانے مین اسنے علم بغاوت بلند کیا، اور خراسان و فارس پر قابض ہو گیا ۲۶۵ھ مین وفات پائی اسکے بعد اسکا بھائی عمرو بن لیث اور اس کے بعد اسکا پوتا طاہر بن محمد چند روز حکمران رہ کر ۲۹۰ھ مین گرفتار ہوا اور اس سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا اس چند روزہ خاندان نے بھی متعدد شعرا پیدا کیے جنمین سے ابو سلیک گرگانی زیادہ ممتاز ہو منوچہری دامغانی نے اسکو قدما شعرا مین شمار کیا ہے، مجمع الفصحا مین اس کے یہ اشعار نقل کیئے ہین ؎

	اے بلب تقاضی و بہ مژگان دزد		بہ مژہ دل زمن بہ زدیدی	
	اے تنگفتا کہ دیدہ دزدی و فرد		مزد خواہی کہ دل زمن بُردی	

شاعری کے متعلق اس خاندان کا بڑا احسان یہ ہے کہ رباعی کی ایجاد اسی زمانے مین ہوئی، یعقوب صفار کا ایک کمسن بچہ ایک دن اخروٹون سے کھیل رہا تھا، ایک اخروٹ لُڑھکتے لُڑھکتے ایک گڑھے مین جا کر گرا، بچہ کی زبان سے بیساختہ یہ مصرع نکلا ع

غلطان غلطان ہمی رود تا لب گو، یعقوب بھی موجود تھا، اسکو بچہ کی زبان سے یہ موزون کلام بہت پسند آیا، لیکن چونکہ اسوقت تک اس بحر مین اشعار نہین کہے جاتے تھے، شعرا کو بلا کر کہا کہ یہ کیا بحر ہے اُنھون نے کہا ہزج ہے، پھر تین مصرع اور لگا کر رباعی کر دیا، اور دوبیتی نام رکھا، مدت تک یہی نام رہا، پھر دوبیتی کے بجائے رباعی کہنے لگے[۱]

[۱] تذکرہ دولت شاہی سمرقندی۔

لیکن یہ تعجب ہے کہ عربی زبان مین آج بھی دوبیتی کہتے ہین جس سے اہل عرب کی دوبیات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خاندان سامانیہ

اسوقت تک جوکچھ ہوا وہ شاعری کی ابجد تھی لیکن خاندان سامانیہ نے دفعۃً اس زمین کو آسمان بنادیا، رودکی جو فارسی شاعری کا ابوالآبا سمجھا جاتا ہے اسی دربار کا دست پرور تھا **شاہنامہ** جو عجم کا صحیفہ آسمانی ہے اُسکا عنصر اسی عہد مین تیار ہوا اس خاندان کا سلسلہ نسب بہرام چوبین تک پہنچتا ہے اس لیئے اس خاندان مین حکومت کا آنا جم وکسریٰ کا دوبارہ عالم وجود مین آنا تھا، عدل وانصاف، جاہ وجلال، شان وشوکت تربیت علم وفن، کسی بات مین وہ اپنے اسلاف سے کم نہ تھا۔

اس سلسلہ کے قائم ہونے کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ مامون الرشید کی جہان اور شاہانہ فیاضیان تھین، ان مین ایک یہ بھی تھی کہ وہ قدیم خاندانون کی تربیت کا خیال رکھتا تھا، جس زمانے مین وہ مرو مین تھا، اس سلسلہ کا مورث اول اسد بن سامان، دربار مین پہنچا، اور مامون نے اسکو پایا قرب مین جگہ دی، جب مرو سے بغداد روانہ ہوا تو وہان کے گورنر کو تاکید کرتا آیا کہ اسد کی اولاد کو معزز عہدے دیے جائین اسد کے چار فرزند تھے، نوح، احمد یحییٰ، الیاس، چنانچہ وہ سمرقند، فرغانہ، شناس، ہرات کے گورنر مقرر کیئے گئے، نوح کی وفات کے بعد اسکا بیٹا احمد سمرقند کا حاکم مقرر ہوا،

لیکن چند روز کے بعد اپنے بیٹے نصر کو اپنا قائم مقام کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا، ۲۶۱؁ھ مین خلیفہ معتضد باللہ نے نصر کو ماورا النہر کی حکومت دی، اسنے اپنی طرف سے اسمٰعیل کو بخارا کا حاکم مقرر کیا، چند روز کے بعد دراندازون نے دونون بھائیون کو باہم لڑا دیا، یہانتک کہ نصر میدان جنگ مین گرفتار ہو کر اسمٰعیل کے دربار مین آیا، لیکن اسمٰعیل نے حوصلۂ شاہانہ سے کام لیا اور بھائی کو قید سے آزاد کر کے تخت پر بٹھایا آپ دست بستہ اُسکے سامنے کھڑے ہو کر آداب و دست بوسی کی رسمین ادا کین اور عرض کیا کہ مین وہی آپکے ماتحت صوبہ دار ہون، نصر نے ۲۷۹؁ھ مین انتقال کیا، اور سمرقند کا صوبہ بھی اسمٰعیل کے ہات آگیا،

سلسلہ سامانیہ کی مستقل حکومت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا فرمان روا یہی اسمٰعیل تھا، یہ خاندان ایکسوتیس برس تک قائم رہا، اسمٰعیل نے ۲۹۵؁ھ مین وفات پائی، اسمٰعیل کے بعد احمد بن اسمٰعیل اور اِسکے بعد نصر بن احمد تخت نشین ہوا اور یہی وہ تاجدار ہے جس کے دربار کا ملک الشعرا رودکی تھا، جو فارسی شاعری کا بانی اول کہا جاتا ہے، وہ نہایت فیاض عادل اور قدردان علم و فن تھا، تیئس برس کی حکمرانی کے بعد ۳۳۱؁ھ مین وفات پائی، اسکے بعد اسکا بیٹا نوح فرمان روا ہوا، وہ بھی باپ کی طرح مربی علم و فن تھا، فلسفہ و حکمت اور دیگر علوم و فنون کا جو کتب خانہ اس نے مرتب کیا تھا، اُس کی نسبت علامہ ابن خلکان نے بو علی سینا کے حالات کے ذیل مین لکھا ہے۔

کانت[1] عدیم المثل فیہا من کل فن من الکتب المشہورۃ بایدی الناس وغیرہم مالا یوجد فی سواہا ولا سمع باسمہ فضلا عن معرفتہ	یہ کتب خانہ بے نظیر تھا، اسمین متداول اور مشہور کتابون کے علاوہ وہ کتابین تھین جو اِس کتاب خانہ کے سوا، اور کہین نصیب نہین ہو سکتی تھین، اور جنکا جانبا تو در کنار کسی نے انکا نام بھی نہین سنا تھا،

فلسفہ یونان کی بے شمار تصنیفات خلفاے عباسیہ کی بدولت عربی مین ترجمہ ہو چکی تھین لیکن اکثر ترجمے نامفہوم اور مشتبہ تھے، اور جن کتابون کے متعدد ترجمے ہوئے تھے وہ باہم مختلف تھے نوح بن نصر نے حکیم ابو نصر فارابی کو بلا کر فرمائش کی کہ ان تمام تراجم کو سامنے رکھ کر ایک صحیح اور جامع ترجمہ تیار کر دے، چنانچہ **فارابی** نے اس فرمائش کی تعمیل کی اور اِس کتاب کا نام تعلیم الثانی رکھا، اِس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیے کہ حکماے اسلام مین فارابی نے معلم ثانی کا جو لقب حاصل کیا ہے وہ اسی کتاب کی بدولت تھا، افسوس ہی کہ یہ کتب خانہ جل گیا، اور چونکہ اس کتاب کا اصل مسودہ فارابی کے ہاتھ کا ضایع ہو گیا، اس لیے آج یہ بے نظیر کتاب ناپید ہے[2]

[1] اس کتب خانہ کا حال خود بو علی سینا کی زبانی طبقات الاطبا مین نقل کیا ہی جسکا ماحصل یہ ہے کہ یہ بہت بڑا کتب خانہ تھا، ہر علم و فن کے لیے الگ الگ مکان تھے، اور اسمین صرف اسی فن کی کتابین تھین کتابین اوپر تلے بہ ترتیب صندوقون مین رکھی ہوئی تھین، بو علی سینا کا بیان ہی کہ مین نے قدما کی کتابونکی فہرست دیکھی، اور اپنی پسند کے موافق کتابین نکلوا کر دیکھین، اُن مین اکثر ایسی کتابین تھین جنکے نام بھی کسی کو معلوم نہ تھے اور خود مین نے بھی کبھی اُن کو نہین دیکھا تھا۔ [2] یہ واقعہ اکثر کتابون مین ہے کشف الظنون (باب الحکمۃ) مین اس تمام واقعہ کو منصور بن نوح کے عہد سے منسوب کیا ہی، اور مورخون کو بھی یہ دھوکا ہوا ہی لیکن یہ صریح غلطی ہی اسلیے کہ فارابی نے ۳۳۹ھ مین انتقال کیا ہی اور منصور ۳۵۰ھ مین تخت نشین ہوا ہے۔

نوح نے ۳۴۳ھ مین وفات پائی، اِسکے بعد عبد الملک اور عبد الملک کے بعد منصور بن نوح تخت نشین ہوا، اِسکے دربار کا وزیر، ابو علی بن محمد تھا، جسنے تاریخ طبری کا عربی زبان سے فارسی مین ترجمہ کیا، منصور نے ۳۶۵ھ مین وفات پائی، اِسکے بعد نوح بن منصور ثانی فرمانروا ہوا، دقیقی مشہور شاعر اسی کے دربار کا شاعر تھا، نوح کے بعد منصور بن نوح، اسکے بعد عبد الملک اور اِسکے بعد اسمٰعیل بن عبد الملک تخت نشین ہوا اور اسی پر اس خاندان کا خاتمہ ہوا جس کی تاریخ ۳۹۵ھ ہے۔

شعراے سامانیہ

سلسلہ سامانیہ سے پہلے جو خاندان گزرے وہ طاہریہ اور صفاریہ تھے، طاہریہ عربی النسل خاندان تھا اس لیے فارسی شاعری کو اُسکے زمانے مین عروج نہین ہوسکتا تھا، صفاریہ نو دولت اور کم اصل تھے اور انکی حیثیت ایک فتنہ جو باغی سے بڑھکر نہ تھی لیکن سامانی خاندان نسل کیان کا یادگار تھا، ان کی سلطنت نے ایکسو دس برس کی عمر پائی، قدردان علم و فن ہونے کے ساتھ وہ خود بھی صاحب کمال اور سخن سنج تھے وہ دیکھتے تھے کہ اہل عجم اپنے لٹریچر اور ملکی خصوصیات سے بالکل الگ ہوتے جاتے ہین یہانتک کہ اُن کی شاعرانہ قوتین بالکل ایک غیر زبان (عربی) پر صرف ہو رہی ہین، خراسان و بخارا مین سیکڑون ہزارون شعرا موجود ہین جو نسلاً عجم ہین لیکن دار الخلافہ بغداد کے اثر سے جو کچھ کہتے ہین عربی مین کہتے ہین، ان اسباب سے اس خاندان نے اپنی قومی اور ملکی زبان کی ترقی پر شاہانہ توجہ کی شعرا کی بخشش قرار تنخواہین مقرر کین، خاص خاص مضامین پر اشعار لکھوائے، کلیلہ دمنہ

سنسکرت سے اولاً فارسی مین ترجمہ کی گئی تھی لیکن جب عبداللہ بن المقفع نے اِس ترجمہ کو عربی مین منتقل کیا تو فارسی نسخہ بالکل گمنام ہوگیا، نصر بن احمد سامانی نے رودکی کو حکم دیا کہ اسکو فارسی مین نظم کرے، عجم کی تاریخ ابتک نامرتب اور پریشان تھی، اس لیے دقیقی کو اس کام پر مامور کیا چنانچہ اُس نے ہزار شعر لکھے اور یہ شاہنامہ کا پہلا سنگ بنیاد تھا، تفصیل ان واقعات کی آگے آتی ہے۔

خاندان سامانیہ شعراء

شعراے سامانیہ کی تعداد اگرچہ سیکڑون تک پہنچتی ہے لیکن عروضی سمرقندی وغیرہ نے جن لوگون کا نام خصوصیت سے لیا ہو وہ یہ ہین، ابوالعباس، ابوالمثل، ابواسحاق جوئباری، ابوالحسن، خبازی نیشاپوری، ابوالحسن کسائی، شہید بلخی، ابوالموئید ابوعبداللہ فرالاوی رودکی، دقیقی، رابعہ فرداری، ابوذر، معمر جرجانی، ابوالمظفر نصر بن محمد نیشاپوری، عمارہ مروزی، طخاری، مرادی،

یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ اِس دور کا پہلا شاعر کون ہی؟ لیکن جہانتک قرائن سے پتہ چلتا ہے، ابوعبداللہ فرالاوی، مرادی، شہید، ابوشکور بلخی اس قافلہ کے پیشرو ہین، رودکی کا ایک شعر ہے[۱]

شاعر شہید و شہرہ فرالاوی	وین دیگران بہ جملہ ہمہ راوی

یعنی شاعر اصل مین شہید ہے لیکن فرالاوی مشہور زیادہ ہوگیا ہے، باقی اور شعرا انھین دونون کے رُواۃ ہین، رودکی نے شہید کا مرثیہ بھی لکھا ہے، چنانچہ کہتا ہی۔

[۱] مجمع الفصحا تذکرۂ ابوعبداللہ فرالاوی۔

کاردانِ شہید رفت از پیش از شمار دو چشم یک تن کم	وان مارفتہ گیرو می اندیش وز شمار خرد ہزاران بیش

رابعہ

اس دور کی یہ خصوصیت یادگار ہے کہ شعر و شاعری کا مذاق عورتون مین بھی پھیل گیا تھا۔ رابعہ قرداری بلخی جو رودکی کی ہمعصر تھی، اعلیٰ درجہ کی شاعر تھی، اسکا باپ کعب اعراب مین سے تھا لیکن رابعہ عجم مین پیدا ہوئی اور اس وجہ سے عربی فارسی دونون زبانون مین شعر کہتی تھی، نہایت حسین اور صاحب فضل و کمال تھی، بکتاش نام ایک غلام سے اُسکو عشق تھا لیکن پھر مجازی سے گزر کر عشق حقیقی کی نوبت پہنچی چنانچہ اسکا شمار صوفیہ مین کیا جاتا ہے۔ تاہم چونکہ عورت کا کسی اجنبی مرد سے محبت کرنا اسلامی جماعت مین معیوب تھا اسلئے لوگون نے اُسکو قتل کرڈالا، مجمع الفصحا مین اِسکے بہت سے شعر نقل کئے ہین جنمین سے چند یہ ہین۔

دعوتِ من بر تو آن شد کایزدت عاشق کناد تا بدانی درد عشق و داغ ہجر و غم کشی	بر یکے سنگین دلے نامہربان چون خویشتن چون بہ ہجر اندر بہ پیچی پس بدانی قدر من

رُودکی

اِس دور کا مشہور شاعر ہی، تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان مین دیوان مرتب کیا وہ رودکی تھا۔

سامانیون کے دور مین سیکڑون شعرا تھے جنمین سے بعض کا تذکرہ آگے آئے گا، لیکن

آج تک سامانیون کا نام جس کی بدولت زندہ ہے وہ رودکی ہی، شریف گرگانی نے سچ کہا

ازان چندین نعیم جاودانی	کہ ماند از آل ساسان وآل سامان
ثنائے رودکی ماندست ومدحش	نوائے باربد ماندست دستان

رودکی کا اصلی نام محمد یا جعفر ہی، رودک، نخشب، کے ضلع مین جسکو نسف بھی کہتے ہین ایک گاؤن کا نام ہے، رودکی اسی گاؤن کی طرف منسوب ہے، بعضون کا بیان ہے کہ رودکی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ رود (ایک باجے کا نام ہے) اچھا بجاتا تھا۔

یورپ اور ایشیا کا یہ عجیب اتفاقی توافق ہے کہ رودکی بھی ہومر کی طرح مادر زاد اندھا تھا، آٹھ برس کی عمر مین قرآن مجید حفظ کیا[1] پھر علم قرأت کی تکمیل کی، اسی سن مین شعر کہنا شروع کردیا، شاعری کے مشغلہ کے ساتھ تمام متداول علوم وفنون حاصل کیئے، خوش قسمتی سے نہایت خوش آواز اور طبیعت بذلہ سنج واقع ہوئی تھی، سلاطین وامراء کے دربار مین ایک بڑی خدمت ندیمی کی تھی، تقرب واثر کے لحاظ سے ندیم کا رتبہ وزراء سے بھی بالاتر ہوتا تھا اس عہدہ کے لیے بذلہ سنجی، لطیف الطبعی، حاضرجوابی ظرافت، وسعت معلومات ضروری شرطین تھین، رودکی مین یہ سب شرطین جمع تھین، اس بناپر نصر بن احمد سامانی کے دربار مین اسکو رسائی حاصل ہوئی، نصر نے اس کی تربیت پر خاص توجہ مبذول کی، تمام ارباب تذکرہ کا بیان ہے کہ رودکی کو اس قدر جاہ ودولت حاصل ہوئی کہ دربار کے بڑے بڑے امراء کو بھی نصیب نہوئی، جب اسکی سواری نکلتی تو دو۲ سو زرین کمر غلام رکاب کے ساتھ ساتھ

[1] بہارستان جامی۔

چلتے، سفر مین اسکا اسباب چار سو اونٹون پر بار کیا جاتا تھا۔

یہ عموماً مسلم ہے کہ فارسی شاعری عربی کے نمونے پر قائم ہوئی تھی لیکن اس زمانہ مین عربی شاعری واقعیت اور حقیقت سے دور ہوکر، ستایشگری اور مداحی کے سوا اور کسی کام کی نہین رہی تھی، متنبی، ابوتمام، بحتری، جو اس دور کے پیغمبران سخن ہین، انکا تمامتر کارنامہ یہی خوشامد اور ثنا گستری تھا، خلفا، اور امرا، شاعری کو صرف تفریح طبع کا ایک مشغلہ سمجھتے تھے، لیکن خاندان سامانیہ نے شاعری سے اصلی کام لیے، چنانچہ رودکی کو کلیلہ دمنہ کے نظم کی خدمت دی، اور اسکے صلے مین چالیس ہزار درہم عطا کئے، عنصری ایک قصیدہ مین کہتا ہے۔

چہل ہزار درم رودکی زمہتر خویش		عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور	

رودکی کی شاعری کا عام انداز

رودکی کی شاعری کا عام انداز واقعہ گوئی، پند و موعظت اور حسن تاثیر ہے۔ عرب جاہلیت کی شاعری کا اصلی جوہر یہ تھا کہ اس سے بڑے بڑے قومی اور ملکی انقلابات پیدا کر دیتے تھے، فارسی شاعری تفریح طبع کے سوا اور کسی کام کی نہ تھی، یعنی اس سے کبھی کوئی تاریخی واقعہ وجود مین نہین آیا لیکن رودکی اس عام اعتراض سے مستثنے ہے۔

نصر بن سامانی نے ایک دفعہ ہرات کا سفر کیا، اور بادغیس مین جو ہرات کا مشہور نزہت گاہ ہے، پڑاؤ ڈالا، بہار کے دن تھے، اور تمام دشت و صحرا چمن زار بنگیا تھا، نصر ان دلفریبیون مین ایسا محو ہوا کہ ساری بہار یہین گذر گئی، جاڑے آئے تو میوون کی بہتات ہوئی، ان اطراف مین اکیس بیس قسم کے انگور ہوتے ہین جنین ترنیان، اور کلنجری نہایت خوش مزہ

شاداب، اور نرم ہوتے ہین، نصر صحرا سے اُٹھ کر آبادی مین آیا اور درماز مین جو ایک مشہور مقام ہے قیام کیا، یہ مقامات نہایت آباد اور معمور تھے، ہر طرف عالیشان قصر و ایوان اور ہر ایوان کے ساتھ خانہ باغ اور پائین باغ ہوتا تھا، اسی زمانے مین سیستان اور مازندران کے میوہ جات کی آمد ہوئی، نصر نے جاڑے بھی یہین گزارے، ہر دفعہ قصد کرتا تھا کہ اب کی بہار گزرنے پر روانہ ہو جاؤنگا لیکن جب ایک موسم گزر جاتا تھا تو دوسرا زنجیر پا بن جاتا تھا اسی طرح پورے چار برس گزر گئے، امرا اور فوج کے لوگ تنگ آ گئے تاہم بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرات نہین کر سکتے تھے، آخر رودکی کے پاس گئے اور پانچ ہزار اشرفیان اس شرط پر دینی منظور کین کہ بادشاہ یہان سے بخارا کو واپس جائے۔ اگلے دن رودکی دربار مین گیا، نصر شراب پی رہا تھا، رودکی نے ساز کے ساتھ عشاق کی دُھن مین یہ اشعار گائے۔

بوے جوے مولیان آید ہمے
ریگ آموی و درشتیہاے اُو
(یعنی دریاے جیحون)
آب جیحون باہمہ پہنا وری
اے بخارا شاد باش و شاد زی
شاہ سرو است و بخارا بوستان
شاہ ماہ است و بخارا آسمان

یاد یار مہربان آید ہمے
زیر پایم پرنیان آید ہمے
خنگ مارا تا میان آید ہمے
شاہ سویت میہمان آید ہمے
سرو سوے بوستان آید ہمے
ماہ سوے آسمان آید ہمے

نصر کا یہ حال ہوا کہ پاؤن مین موزے تک نہ پہنے اور اُسی وقت سوار ہو کر بگٹٹ

دوڑاتا چلا اور پوری ایک منزل پر جا کر دم لیا، سمرقندی نے یہ واقعہ لکھ کر حیرت ظاہر کی ہی کہ یہ ایک سیدھی سادھی نظم ہے، نہ کوئی صنعت ہے نہ مضمون بندی ہے اسکا اسقدر اثر کیونکر ہو سکتا تھا، دولت شاہ کے زمانے مین شاعری کی اصلی اور فطری حالت بدل چکی تھی، اس لیے لوگون کو واقعیت اور اظہار فطرت مین مزہ نہین آتا تھا لیکن جب تک قوم مین صحیح مذاق باقی رہا شعرا ان اشعار پر سر دھنتے تھے، عروضی سمرقندی خود بہت بڑا شاعر تھا چہار مقالہ مین لکھتا ہے

"ہنوز این قصیدہ را کسے جواب نگفتہ است کہ مجال آن ندیدہ اند کہ ازین مضائق بیرون روند"

سلطان سنجر کے ملک الشعرا امیر معزی سے فرمائش کی گئی تھی کہ اس قصیدے کا جواب لکھے، چنانچہ اُسنے جو قصیدہ لکھا اُسکا مطلع یہ ہے۔

رستم از مازندران آید ہمے[1]		زین ملک از اصفہان آید ہمے (ممدوح کا نام)	

امیر معزی مشہور اور کامل الفن شعرا مین سے ہی لیکن رودکی کے کلام کے سامنے اسکے شعر کا جو رتبہ ہی محتاج اظہار نہین، رودکی نہایت پُرگو تھا، رشیدی سمرقندی[2] نے اسکے اشعار کی

---

[1] جس زمانے مین مین علی گڑھ کالج مین پروفیسر تھا، آسمان جاہ (وزیر ریاست حیدرآباد دکن) علی گڑھ مین آئے سرسید مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ سپاسنامہ کے بجائے کالج کی طرف سے قصیدہ پیش کیا جائے گا، وہ تم لکھدو مینے ایک خاص مناسبت سے، اسی قصیدہ کو پیش نظر رکھا، ابتدا مین یہ تمہید تھی کہ لوگون مین آسمان جاہ کی آمد کا چرچا ہے، پھر یہ اشعار تھے۔

ہمچنان باشیم گرم گفتگو	قاصد از درناگہان آید ہمے
انگند شور مبارکباد و پس	این حدیثش بر زبان آید ہمے
آسمان جاہ از سوئے ملک دکن	جانب ہندوستان آید ہمے

[2] مجمع الفصحا ذکر رعدی۔

تعداد ایک لاکھ بتائی ہی، چنانچہ کہتا ہی۔

شعرِ او را بر شمر دم سیزدہ رہ صد ہزار	ہم فزون تر آید ار چونان کہ بایدبشمری
مینے اُسکے اشعار تیرہ دفعہ گنے تو ایک لاکھ ٹھہرے	اور اچھی طرح گنے جایئن تو اس سی بھی زیادہ نکلین گے

اقسام سخن مین رودکی کے ہان، قصیدہ، رباعی، قطعہ، غزل، مرثیہ، سب کچھ موجود ہے؛ مثنوی کا کوئی نمونہ موجود نہین لیکن یہ ظاہر ہے کہ کلیلہ دمنہ جو اُس نے لکھی ہے مثنوی ہی ہوگی، کیونکہ مسلسل واقعات مثنوی کے سوا اور کسی طرح ادا نہین ہو سکتے،

رودکی شاعری کی وسعت

مضامین کے لحاظ سے بھی اس کی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہے یعنی واقعہ نگاری، خیال بندی، موعظت و نصیحت، عشق و محبت، مدح و ثنا، صنائع و بدائع، سب چیزین پائی جاتی ہین، اور درجۂ کمال پہ پائی جاتی ہین، ہم مختصرًا ہر ایک کا نمونہ پیش کرتے ہین۔

اخلاق و موعظت اخلاق و موعظت مین حُسنِ ادا کے ساتھ، اِسنے دقیق نکتے بھی بیان کئے ہین، مثلاً اسکو یہ کہنا ہے کہ تم کو اورون کی خوشحالی پر رشک اور حسد نہین کرنا چاہیے اسکو وہ اِس طرح دلنشین کرتا ہی۔

زمانہ پندے آزادہ وار، داد مرا	زمانہ را چو نکو بنگری ہمہ پند است
بروزِ نیک کسان گفت غم مخور زنہار	بسا کسا کہ بروزِ تو آرزومند است

یعنی جس طرح تم اورون کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہو اسی طرح دنیا مین ایسے لوگ بھی ہین جو تمھاری حالت پر رشک کرتے ہین، اسلیے تم کو شکایت کا کوئی موقع نہین، اکثر آدمی لوگون کی نجالت کی شکایت کرتے ہین، لیکن انکو یہ خیال نہین آتا کہ کسی

شخص کی بخالت اور سخاوت پر توجہ کرنا گدا طبعی اور طامعی کی دلیل ہے رودکی اس نکتہ کو یون ادا کرتا ہے۔

تا کے گوئی کہ اہل گیتی | در ہستی و نیستی لئیمند
چون تو طمع از جہان بریدی | دانی کہ ہمہ جہان کریمند

زمانہ کی بے ثباتی کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

زندگانی چہ کوتہ و چہ دراز | نہ بہ آخر بمرد باید باز
ہم بہ چنبر گزار خواہد بود | این رسن را اگرچہ ہست دراز
خواہی اندر عنا و محنت زی | خواہی اندر نشاط و نعمت و ناز
خواہی اندک تر از جہان بپذیر | خواہی از رے بگیر تا بحجاز
این ہمہ بود و باد تو خواب است | خواب را حکم نے مگر بہ مجاز
این ہمہ روز مرگ اگر بینی | نشناسی زیکدگر شان باز

اپیکورس اور عمر خیام کے فلسفہ کو غالباً فارسی مین اوّل اسی نے روشناس کیا ہے چنانچہ کہتا ہے۔

شاد زی با سیاہ چشمان شاد | کہ جہان نیست جز فسانہ و باد
ز آمدہ شادمان نباید بود | وز گذشتہ نکرد باید یاد
نیک بخت آن کسے کہ داد و بخورد | شور بخت آن کہ او نخورد و نداد
باد و ابر است این جہان افسوس | بادہ پیش آر ہرچہ بادا باد

خواجہ حافظ رح کا سارا دیوان اسی متن کی شرح ہے۔

روی بہ محراب نہادن چہ سود	دل بہ بخارا و بتان طراز
ایزد تا وسوسہ عاشقی	از تو پذیرد، نہ پذیرد نماز

واقعہ نگاری یعنی کسی واقعہ یا حالت کی تصویر کھینچنا شاعری کا ایک عنصر ہے رودکی کے کلام میں یہ عنصر ہر جگہ نظر آتا ہے۔ ایک قصیدہ مین اسنے جوانی اور بڑھاپے کی کیفیت بیان کی ہے، اسکے چند اشعار یہ ہین۔

مرا بسود و فرو ریخت ہر چہ دندان بود	نبود دندان، لابل، چراغ خندان بود
کسے نماند کنون، بل ہمہ بسود و بریخت	چہ نحس بود ہمانا کہ نحس کیوان بود
نہ نحس کیوان بود، و نہ روزگار دراز	چہ بود؟ راست بگویم، قضاے یزدان بود
ہمی مدانی اے ماہروے غالیہ موے	کہ حال بندہ ازین پیش بر چہ سامان بود
بہ زلف چوگان نازش ہمیکنی تو بدہ	ندیدی اورا آنگہ کہ زلف چوگان بود
شد آن زمانہ کہ رویش بسان دیبا بود	شد آن زمانہ کہ مویش بسان قطران بود
شد آن زمانہ کہ او شاد بود و خرم بود	نشاط او بہ فزون بود و غم بہ نقصان بود
ہمیشہ دستش زی زلفگان خوشبو بود	ہمیشہ گوشش زی مردم سخندان بود
ہمیشہ شاد ندانستمے کہ غم چہ بود	دلم نشاط طرب را فراخ میدان بود
عیال نہ، زن و فرزند نہ، مؤونت نہ	ازین ہمہ تنم آسودہ بود و آسان بود
ہمی خرید و ہمی ریخت بیشمار درم	بہ شہر ہر چہ ہمی ترک نار پستان بود[1]

[1] غنیمت ہے کہ ایرانی شاعر ہو کر مرد کے بجاے عورت کا نام لیتا ہے۔

ابا کنیزک نیکو که میل داشت بدو	بشب زیارت او نزداد بہ پنہان بود
شد آن زمانہ کہ شعرورا جہان بنوشت	شد آن زمانہ کہ او شاعر خراسان بود
تورودکی را اے ماہرو کنون بینی	بدان زمانہ ندیدی کہ در خراسان بود
بدان زمانہ ندیدی کہ در چمن رفتے	سرودگویان گوئی ہزاردستان بود
کرا بزرگی و نعمت، ازاین و آن بودے	ورا بزرگی و نعمت زآل سامان بود
بداد میر خراسانش چہل ہزار درم	ازو فزونی یک پنج، میر ماکان بود
کنون زمانہ دگر گشت، و من دگر گشتم	عصابیار کہ وقتِ عصا و انبان بود

مدحیہ مدحیہ شاعری کے جو نمونے پائے جاتے ہین، اعلیٰ درجہ کے ہین، اور اُن مین خیال آفرینی بھی پائی جاتی ہے۔

شاہے کہ بروز رزم از رادی	زرین نہد بہ تیر در پیکان
تا کشتۂ او ازان کفن سازد	تا خستۂ او، ازان کند درمان

یعنی "بادشاہ اس درجہ کا سخی ہے کہ لڑائی مین تیر جو استعمال کرتا ہے اُنکی پیکان سونے کی ہوتی ہین، جس سے یہ مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو تو پیکان کو بیچکر اپنا علاج کرسکے، اور مرجائے تو تجہیز و تکفین کے کام آئے"۔

مرثیہ مرثیے متعدد ہین، اور سب مین مرثیہ کی خالص شان پائی جاتی ہے، ایک مرثیہ مین جو وزیر اعظم کے بیٹے کی وفات پر لکھا ہے، حکیمانہ انداز مین وزیر کو صبر کی تلقین کی ہے۔

اے آنکہ غمگینی و سزاداری	واندر نہان سرشک ہمی باری
اے وہ کہ غمزدہ ہے، اور غمزدہ ہونا زیبا بھی ہے	اے وہ کہ چپکے چپکے آنسو بہاتا ہے
رفت آنکہ رفت، آمد آنکہ آمد	بود انچہ بود، خیرہ چہ غم داری
جو گیا، گیا، جو آیا، آیا	جو ہونا تھا ہوا، اب فضول کیون غم کرتے ہو
ہموار کرد خواہی گیتی را؟	گیتی است کے پذیرد ہمواری
کیا تم زمانہ کو ہموار کرنا چاہتے ہو	یہ زمانہ ہے، بھلا وہ کب ہموار ہوسکتا ہے
مستی مکن، نشنود او مستی	زاری مکن، کہ نشنود او زاری
جوش ظاہر نہ کرو، وہ جوش کا لحاظ نہین کرتا	فریاد نہ کرو، وہ فریاد نہین سنتا
شو تا قیامت زاری کن	کے رفتہ را بہ زاری باز آری
اچھا جاؤ قیامت تک روتے رہو	لیکن جو شخص چلا گیا، کیا وہ رونیسے واپس آجائیگا

شہید بلخی، اور مرادی، جو اسکے زمانہ کے مشہور شاعر تھے، اُنکا مرثیہ بھی لکھا ہے، جو مجمع الفصحا، وغیرہ مین منقول ہے،

غزل غزل نے اسوقت تک مستقل حیثیت اختیار نہین کی تھی، قصائد کی ابتدا مین جو تشبیب کرتے تھے یہی اُس زمانہ کی غزل تھی، اُسکا نمونہ یہ ہے۔

اے جان من از آرزوی تو پژمان	بنماے یکے روے بہ بخشاے برین جان
دشوار نمائی رخ و دشوار دہی بوس	آسان بربائی دل و آسان ببری جان
نزدیک من آسانی تو باشد دشوار	نزدیک تو دشواری من باشد آسان

مشوش است دلم از کرشمۂ سلمیٰ	چنان کہ خاطر مجنون ز طرۂ لیلیٰ
بگلشکر دہیم، درد دل شود تسکین	چو ترش روئے شوی وا رہانی از صفرا
ببر وہ نرگس تو آب جادوئے بابل	کشادہ غنچۂ تو باب معجز عیسیٰ

والہ داغستانی نے رودکی کی ایک غزل کی نقل کی ہو جسکا مطلع یہ ہے۔

زہے فزودہ جمال تو زیب آرا را	شکستہ سنبل زلفِ تو مشکِ سارا را

لیکن اس زمانہ کا یہ انداز نہین ہے، اسکے علاوہ اس غزل کے مقطع مین تخلص بھی مذکور ہے حالانکہ اس زمانہ تک غزلون مین تخلص نہین لاتے تھے۔

رودکی کے ان اشعار کا جو رتبہ ہے ظاہر ہے تاہم عنصری کہتا ہی،

غزل رودکی وار نیکو بود	غزل ہائے من رودکی وار نیست

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنصری، رودکی کو غزل گوئی مین اُستاد مانتا تھا، اسلیے یا تو ماننا چاہیے کہ رودکی کی عمدہ غزلین جاتی رہین، یا یہ کہ عنصری غزل گوئی مین رودکی سے بھی کم تھا،

قصیدہ قصیدہ کا جو طریقہ رودکی نے قائم کیا، آج تک قائم ہے، یعنی ابتدا مین تشبیب، یا بہاریہ وغیرہ پھر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز، جود و سخا، عدل و انصاف، شجاعت و دلیری کا ذکر، پھر دعائیہ، صنائع شاعری مین ایک صنعت ہے جسکو ترصیع کہتے ہین، یعنی دونون مصرعون مین ہم وزن الفاظ لاتے ہین، مثلاً

عرفی	رہا در اثر رہ قہر او کند خسخون	جما در اثر لطف او کند شمشاد

یہ صفت رودکی کے تمام قصیدون مین پائی جاتی ہے، اور چھٹی صدی تک تمام شعرا کا یہ عام انداز رہا.

قصیدہ مین اگرچہ صرف مداحی ہی ہوتی ہے، لیکن رودکی نے جابجا نیچرل سین بھی دکھلائے ہین۔

بہار

از بنفشہ مرزہا گسترده دیبا ہا بہ چین — وز شگوفہ شاخہا بربستہ در شاہوار

با ہوائے اوست گفتی ہرچہ گفتی در نسیم — بر زمین اوست گفتی ہرچہ در عالم بہار

از میان جوے آن آب روان ہمچو گلاب — شاخہاے گل شگفتہ بر کنار جویبار

بود ہر جا بہر نزہت گاہ بار، ونقل و مل — گلستان در گلستان و میوہ اندر میوہ زار

خزان

کوہ دیگر گوہ سیمین گشت و زرین شد چمن — آب دیگر بارہ روشن گشت و تیرہ شد ہوا

گشت خامش فاختہ تا شد چمن پر داختہ — گشت بلبل بے نوا تا بوستان شد بے نوا

نار چون برحقۂ زرین نگین ہاے عقیق — سیب چون بر چہرۂ سیمین نشانہائے بکا

باد سرد آمد چو آہ عاشقان ہنگام صبح — بانگ زاغ آمد چو از معشوق پیغام جفا

معرکۂ جنگ

بدانگہے کہ دو لشکر بروے یکدیگر — گران کنند رکاب و سبک کنند عنان

زگرد اسپان تیرہ شود رخ خورشید — زبانگ مردان خیرہ شود دل کیوان

یکے کشیدہ سنان و یکے کشادہ حسام — یکے کشادہ کمند و یکے کشیدہ کمان

قصیدہ کے حسن کا بڑا معیار گریز ہے، یعنی تشبیب، کہتے کہتے ممدوح کا ذکر اس طرح چھڑ جائے جس طرح بات مین سے بات پیدا ہو جاتی ہے، یہ بالکل نہ معلوم ہو کہ بہ قصد و

ارادہ ممدوح کی مدح شروع کی ہے، رودکی کی اکثر گریزین اسی قسم کی ہین مثلاً ایک قصیدہ مین خزان کا حال لکھتے لکھتے کہتا ہے۔

بادخوار زمی کنار باغ پُر دنیار کرد		چون کنار زائران راکرد دوست بادشا

یا مثلاً باغ کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہے۔

یار من گفتا بہشت است لے تشگفت !! این باغ نیست

گفتم این باغیست خرم چون بہشت کردگار

آن بہشت ناپدید است، این بہشت استے عیان

این بہ نقد است آن بہ نسیہ آن نہان این آشکار

آن مکافات نماز است، این مکافات مدیح

آن عطاے کردگار است، این عطاے شہریار

یعنی معشوق نے باغ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو بہشت ہے، مین نے کہا بہشت نہین، باغ ہی لیکن خدا کی بہشت کے ہم پلہ ہے، فرق یہ ہے کہ خدا کی بہشت کا پتا نہین، اور یہ علانیہ موجود ہے، یہ نقد ہے وہ ادھار، یہ ظاہر ہے، وہ مخفی، وہ نماز پڑھنے سے ہات آتی ہے اور یہ مدح کرنے سے، وہ خدا کا عطیہ ہے، اور یہ بادشاہ کا،

بعض بعض قصیدون مین ایسی باتون کا التزام کیا ہے جسکی تقلید کسی نے نہین کی، مثلاً ایک قصیدہ تینتیس ۳۳ شعرون کا کہا ہے جسمین صرف مطلع ہی ہین پہلا مطلع یہ ہی۔

ندانی ور دہجر اے بت امرا زان نسازگردانی		دگر زارم نگردانی بہ داغ ہجر گردانی

ہجو یا شکایت ہجو فارسی شاعری کے چہرہ کا نہایت بدنما داغ ہے، لیکن رودکی کی ہجو مین بھی متانت اور واقعیت پائی جاتی ہے،

رہی سوار و جوان، و توانگر از رہ دور	بخدمت آید نیکو سگال نیک اندیش
پسند آید مر خواجہ را یس از دہ سال	کہ باز گردد پیر و پیادہ و دل ریش

ممدوح سے کہتا ہے کہ کیا یہ مناسب ہی کہ جو لوگ آپ کے دربار مین جوان، دولتمند اور سواریون پر آئین، وہ اسقدر آپ کے ہان امیدواری مین پڑے جھولا کرین، کہ جب واپس جانے لگین تو دولتمند غریب، اور سوار پیادہ، اور جوان بوڑھا ہو کر جائے۔

جدت مضامین عام قاعدہ یہ ہے کہ ابتدائے شاعری مین مضمون بندی بالکل نہیں ہوتی، لیکن یہ حیرت انگیز بات ہے کہ رودکی نے کثرت سے نئے نئے مضامین پیدا کئے مثلاً۔

گھوڑے کی تعریف	آفتا بیکہ ز چابک قدمی	بر سرِ ذرہ نماید جولان
شراب کی تعریف	رودکی چنگ بر گرفت و نواخت	بادہ انداز، کو سرود انداخت
	آن عقیقین مے کہ ہر کہ بدید	از عقیق گداختہ نشناخت
تشبیہ	ہر دو یک گوہرند، لیک بطبع	این بفسرد، و آن دگر بگداخت
	نابسودہ دو دست رنگین کرد	ناچشیدہ بہ تارک اندر تاخت

یعنی شراب، اور عقیق، دونون ایک ہی چیز ہین، فرق یہ ہے کہ ایک سیال عقیق ہے، اور دوسری منجمد، شراب کے رنگ، اور نشہ کی یہ کیفیت ہے کہ بے چھوئے

ہوئے ہات رنگین ہوجاتے ہین، اور بے چکھے ہوئے دماغ مین دوڑ جاتی ہی،

بنفشہاے طرب خیل خیل سر بر کرد	چو آتشے کہ بگوگرد بر دوید کبود
بیار دہان بدہ آن آفتاب کش نجوری	زلب فرو شود و از دہان بر آرد دود

یعنی بنفشہ دستہ دستہ اُگ رہا ہے، جس طرح گندہک سے جلانیکے وقت، رنگ کا شعلہ اُٹھتا ہے، اب وہ آفتاب لاؤ (یعنی شراب) کہ ادھر ہونٹون سے اُترے اور اُدھر مُنھ سے دھوان اُٹھنے لگے۔

تیر او مانندہ روزی کہ زی مردم رسد	تیر دشمن باز گردد سوے دشمن چون صدا

یعنی ممدوح کا تیر، اس طرح نشانے پر لگتا ہے جس طرح انسان کا مُقدّر، اور دشمن کا تیر اس طرح دشمن ہی کی طرف پلٹ جاتا ہے جس طرح آواز،

موسم بہار

ہر انچہ بست میان ارم بہم شداد	ہر انچہ کرد بزیر زمین نہان قارون
سرشک ابر پراگندہ کرد در بستان	نسیم باد پدیدار کرد در ہامون

یعنی باغ ارم مین شدّاد نے جو چیزین فراہم کی تھین، بادل کے آنسوؤن نے وہ سب باغ مین پھیلادین، اور **قارون** نے زمین کے اندر جو چیزین چھپا رکھی تھین نسیم نے وہ سب میدان مین کھولکر دکھادین۔

مہ نیسان شبیخون کرد، اکنون بر مہ کانون

کہ گردون گشت از و پر گرد، وصحرا گشت ازو پر خون

اگر خواہی نشان خون، نگہ کن لالہ بر صحرا اگر خواہی نشان گرد بنگر ابر بر گردون

یعنی بہار کے مہینے نے خزان کے مہینے پر شبخون مارا جس کی وجہ سے صحرا پُر خون ہو گیا، اور آسمان مین گرد بھر گئی، صحرا مین جو لالہ نظر آتا ہے، یہ وہی خون ہی،

نگارینا شنیدستم کہ گاہِ محنتِ و راحت		سہ پیراہن سلب بودہ است یوسف را بہ عمر اندر
یکے از کید شد پُر خون، دوم شد چاک از تہمت		سُوم یعقوب را از بوے روشن کرد چشم تر
رخم ماند بدان اوّل، دلم ماند بدان دوم		نصیب من شود در وصل آن پیراہن دیگر

یعنی اے معشوق! مین نے سنا ہے کہ حضرت یوسف کے تین پیراہن تھے، ایک خون سے رنگین ہوا، دوسرا زلیخا نے چاک کیا، تیسرے نے حضرت یعقوبؑ کی آنکھین روشن کین، میرا چہرہ پہلے پیرہن کے مشابہ ہے، اور میرا دل دوسرا پیرہن ہے باقی تیسرا، وہ خدا وصل مین نصیب کرے۔

زلف ترا جیم کہ کرد، آن کہ او		خال ترا نقطۂ آن جیم کرد	
از دہنِ تنگ تو گویا کسے		دانۂ نار بدو نیم کرد	

یعنی تیرا دہن ایسا چھوٹا ہے کہ معلوم ہوتا ہی کہ کسی نے انار کے دانہ کے دو حصے کر دیے ہین۔

رباعیان	رباعیان معمولی ہین، مجمع الفصحا مین ایک رباعی نقل کی ہی۔

چون کار دلم ز زلف او ماند گرہ		در ہر رگِ جان صد آرزو ماند گرہ	
امید ز گریہ بود، افسوس افسوس		کانہم شب وصل در گلو ماند گرہ	

لیکن یہ ہرگز رودکی کے زمانہ کا کلام نہین ہو سکتا،

قبولیت عام اور اعتراف شعرا | رودکی کے کمال شاعری کو تمام شعرا نے تسلیم کیا ہی،

خود اسکا معاصر اور ہم فن اور ہمپایہ شہید کہتا ہے۔

بسخن ماند شعر شعرا را	رودکی را سخنش تلو نیا است
شاعران راخہ و احسنت، مدیح	رودکی راخہ و احسنت ہجاست

یعنی خوب ۱۲

عنصری کہتا ہے۔

غزل رودکی وار، نیکو بود	غزل ہاے من رودکی وار نیست
اگرچہ بکوشم بہ باریک وہم	درین پردہ اندر مرا بار نیست

معروف بلخی کہتا ہے،

از رودکی شنیدم سلطان شاعران

دقیقی کہتا ہے۔

کرا رودکی گفتہ باشد مدیح	امام فنون وسخنور بود
دقیقی مدیح آورد نزد او	چو خرما بسوے ہجیور بود

نظامی سمرقندی کے زمانہ مین کسی نے رودکی کی شاعری پر اعتراض کیا تھا نظامی نے اُسکے جواب مین لکھا ہے۔

اے آنکہ طعن کردی در شعر رودکی	این طعن کردنِ تو از جہل و کودکی است
کانکس کہ شعر داند، داند کہ در جہان	صاحب قران شاعری، اُستاد رودکی است

رودکی نے ۳۰۴ھ مین وفات پائی۔ اسکا دیوان ایران مین چھپ گیا ہے۔

دقیقی

سلسلۂ سامانیہ کے ہر فرمانروا کا عہد، اگرچہ بام ترقی کا ایک نیا پایہ ہی، لیکن نوح بن منصور کا زمانہ آخر المنازل ہی، یہ فخر اسی دور کو حاصل ہے کہ عجم کا سرمایۂ فخر و ناز یعنی "شاہنامہ" جسکو ابن الاثیر، قرآن العجم کہتا ہے، اسکا ابتدائی خاکہ اسی عہد مین قائم ہوا، اور اگر ایک اتفاقی واقعہ نہ پیش آجاتا، تو سلطان محمود کے کارنامون کی فہرست شاہنامہ کے نام سے خالی رہ جاتی۔

سامانی خاندان، ابتدا سے اس بات کا خواہشمند تھا کہ انکے اسلاف کی داستان نثر سے نظم ہوکر، عام زبانون پر چڑھ جائے، لیکن ابھی شاعری نے اسقدر ترقی نہین کی تھی کہ ایک عظیم الشان تاریخی سلسلہ، شعر کے قالب مین آجائے، نوح بن منصور جب ۳۶۵ھ مین تخت نشین ہوا، تو پایۂ تخت یعنی بخارا مین بڑے بڑے شعرا موجود تھے، ان مین دقیقی خاص پایۂ تخت کا رہنے والا تھا، اسکا اصلی نام منصور بن احمد ہی ابتدائی تربیت امرار چغانیہ یعنی ابو المظفر نے کی تھی، لیکن جب اسکا کمال مشہور ہوا تو نوح نے دربار مین بلاکر، شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت[1] سپرد کی، دقیقی اپنے زورِ بازو کا اندازہ کر چکا تھا، اسنے یہ خدمت قبول کی، اور کم و بیش بیس ہزار شعر لکھے، بعضون کا بیان ہی، کہ صرف ایک ہزار شعر تھے جو آج شاہنامہ مین شامل ہین، فردوسی نے شاہنامہ کی تاریخ کے بیان مین ان واقعات کو اس طرح اجمالاً لکھا ہی۔

شاہنامہ کی ابتدا

[1] تذکرۂ ہفت اقلیم مجمع الفصحا، روایت اخیر۔

جوانے بیامد کشادہ زبان	سخنگوی وخوش طبع وروشن روان
بہ شعر آرم این نامہ راگفت من	ازو شادمان شد دلِ انجمن
زگشتاسپ و ارجاسپ بیتے ہزار	بگفت وسرآمد ورا روزگار

کیا عجیب بات ہے، کہ استنے بڑے کامل الفن کا دامنِ عزت، ایک اخلاقی دھبے سے داغدار ہے، دقیقی کا ایک خوشرو غلام تھا جس سے اسکو عاشقانہ محبت تھی لیکن افسوس ہے کہ اس محبت مین ہوس کا شائبہ تھا، غلام نہایت غیور تھا، اس نے ننگ کو گوارا نہ کیا اور دقیقی کا خاتمہ کردیا، **فردوسی** نے اس ناگوار واقعہ کو ابہام کے پردہ مین ادا کیا ہے،

جوانیش را خوے بدیار بود	ابا بد ہمیشہ بہ پیکار بود
بیکایک ازو بخت برگشتہ شد	بدستِ یکے بندہ کشتہ شد

فردوسی نے فیاض دلی سے اسکے اشعار شاہنامہ مین شامل کر لیے جسکی بدولت، آج اسکا نام زندہ رہگیا، چنانچہ خود کہتا ہے،

کنون راز ہا باز جویم ترا	حدیث دقیقی بگویم ترا
چنان دید گوینده یک شب بخواب	کہ یک جام می داشتے چون گلاب
دقیقی زجاے پدید آمدے	بدان جام مے داستانہا زدے
بہ **فردوسی** آوازہ دادے کہ مے	مخور جز بہ آئین کاؤس کے
کہ شاہے گزیدے زگیتی کہ تخت	بنازد بدو تاج وشمشیر وبخت

شہنشاہ محمود گیرندہ شہر / زشادی بہر کس رسانندہ بہر

بدین نامہ گر چند بشتافتے / کنون ہر چہ جستی ہمہ یافتے

از اندازہ من بیش گفتم سخن / اگر باز یابی بخیلی مکن

زگشتاسپ و ارجاسپ بیتے ہزار / بگفتم، سر آمد مرا روزگار

گر آن مایہ نزد شہنشہ رسد / روان من از خاک برمہ رسد

بداند کہ پیش از تو آخر کسے / درین داستان رنج بُردش بسے

پذیرفتم و داشتم زو سپاس / مرا در دل آمد زہر سو ہراس

کہ روزے مرا ہم بباید گزشت / زگفتار او در نشاید گزشت

زگفتار او بشنو، اکنون سخن / کہ گفت است این داستانِ کہن

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن مین نے خواب مین دیکھا کہ میرے ہات مین جام شراب ہے، دقیقی کہین سے آنکلا اور اُسنے کہا کہ شراب، کیانی طریقہ سے پیو، تمکو ایسا بادشاہ ہات آگیا ہے جسپر سلطنت کو ناز ہے، تمنے **شاہنامہ** کے لیے بہت تگ و دو کی، جو تم چاہتے تھے وہ تمکو ملگیا، مینے بھی گشتاسپ دارجاسپ کے واقعہ مین ہزار شعر لکھے تھے تم کو اگر یہ اشعار ملجائین تو اپنی کتاب مین شامل کردینا کہ بادشاہ تک پہنچ جائین، اور لوگون کو یہ معلوم ہو کہ اور بھی کسی نے کچھ محنت اُٹھائی تھی،

یہ سنکر میرا دل کانپ اُٹھا کہ مجھکو بھی ایک دن مرنا ہے، اسلیے اُسکی خواہش پوری کرنی چاہیئے، اب تم اسکے اشعار سنو،

فردوسی نے دقیقی کے ساتھ جس ہمدردی اور مُردہ پرستی کا اظہار کیا ہے، قدر کے قابل ہے لیکن داستان کے ختم ہوتے ہوتے نیت بدل جاتی ہے، دقیقی کے اشعار کے بعد کہتا ہے،

نگہ کردم این نظم سُست آمدم	ہمہ بیتہا نادرست آمدم
من این زان نوشتم کہ تا شہریار	بداند سخن گفتن نابکار
دہان گر بماند ز خوردن تہی	ازان بہ کہ ناساز خوانی نہی
دو گوہر نمودم بہ گوہر فروش	کنون شاہ دارد بہ گفتار گوش
سخن چون بدینگونہ بایدت گفت	مگوی ومکن رنج با طبع جفت
چو طبعت نباشد چو آبِ روان	مبر دست ازین نامۂ خسروان

یعنی جب مین نے دقیقی کی یہ نظم دیکھی تو تمام اشعار مجکو سُست اور غلط نظر آئے، مین نے یہ اشعار اس لیے نقل کر دیے کہ بادشاہ ان اشعار کی لغویت سے واقف ہو جائے، اگر آدمی کو کھانا نہ دیا جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اسکے سامنے بدمزہ کھانے لاے جائین، مین نے گوہر فروش کے سامنے دو موتی رکھدیے ہین، اب بادشاہ خود تمیز کرلے جب تمکو اسی طرح کا شعر کہنا آتا ہے تو اس سے تو نہ کہنا ہی اچھا ہے، جب تمہاری طبیعت مین روانی نہین ہے، تو سلاطین کی تاریخ پر کیون ہات ڈالتے ہو،

اگر دقیقی کا کلام نقل کرنے سے اپنے اشعار کا چمکانا مقصود تھا، تو اُس غریب پر احسان رکھنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ سلطان محمود کی ہجو

دقیقی کا انداز کلام

مین کس حد تک واقعیت کا پہلو ہوگا۔

فردوسی خداے سخن ہے، اِسکے آگے بندون کو زبان کھولنے کی کیا جرأت ہوسکتی ہے؛ لیکن ع انصاف شیوہ ایست کہ بالای طاعت است، ہم سرسری طور پر یہان دقیقی کے چند اشعار بغیر کسی انتخاب کے نقل کرتے ہین جس سے دقیقی کے رتبۂ کلام کا اندازہ ہوسکے گا، وہ معرکہ آرائی کا سمان اس طرح کھینچتا ہے۔

ز بس بانگ اسپان و جوش و خروش — ہمی نالۂ کوس نشنیدہ گوش
درفشان بسیار افراشتہ (علم ۱۲) — سرِ نیزہا ز ابر بگزاشتہ
چو رستہ درخت از بر کوہسار — چو بیشہ نیستان بوقتِ بہار
ز تاریکی گرد و بانگ سپاہ — کسے روز روشن نمی دید راہ
بگردند یک تیر باران نخست — بسان تگرگِ بہاران درست
بپوشیدہ شد چشمۂ آفتاب — ز پیکانہاے درخشان چو آب
تو گفتی ہوا ابر آرد ہمے — وزان ابر الماس بارد ہمے
ہوا از زمین جہان بود قیرگون شدہ — زمین سربسر پاک در خون شدہ
در و دشتہا شد ہمہ لالہ گون — بہ دشت و بیابان ہمی ریخت خون
چنان شد ز بس کشتہ آن رزمگاہ — کہ بر وے نتانست (نتوانست ۱۲) رفتن نگاہ

فردوسی کے کلام کا جو اصلی جوہر ہے یہی ہے کہ جس واقعہ کو بیان کرتا ہے، اسکی تصویر کھینچ دیتا ہے، انصاف سے کہو، کیا ان اشعار مین یہ بات نہین ہے؟ بے شبہ

فردوسی نے اس وصف کو کمال تک پہنچا دیا، لیکن یہ صاف نظر آتا ہے کہ وہی شراب، جو دوبارہ کھنچکر تیز ہو گئی ہے۔ **دقیقی** کے زمانہ تک فارسی زبان مین عربی الفاظ اس طرح مخلوط تھے کہ دونون سے ملکر گویا ایک نئی زبان پیدا ہو گئی تھی، عباس مروزی کے کل چار شعر ہین، لیکن عربی الفاظ، فارسی سے زیادہ ہین، رودکی و شہید بلخی وغیرہ کا کلام بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان کو اس آمیزش سے پاک کرکے مستقل زبان کی حیثیت قائم کی ہے، وہ **دقیقی** ہی ہے، اسکے سیکڑون شعر پڑھتے چلے جاؤ، عربی کا ایک لفظ نہین آتا۔ **دقیقی** کی بدقسمتی دیکھو کہ اس فخر کا تاج، شہرت کے ہاتون نے اس سے چھین کر فردوسی کے سر پر رکھ دیا، دقیقی نے زبان کو جس طرح صاف کیا اُس کا نمونہ یہ ہے۔

دقیقی کے ہان عربی الفاظ بہت کم ہین

چو گشتاسپ را داد لہراسپ تخت	فرود آمد از تخت و بربست رخت
بہ بلخ گزین شد بدان نوبہار	ق کہ یزدان پرستان آن روزگار
مرآن خانہ را داشتندے چنان	کہ مر مکہ را تازیان (اہل عرب ۱۲) این زمان
بدان خانہ شد شاہ یزدان پرست	فرود آمد آن جا و ہیکل ببست
بہ بست آن در آفرین خانہ (عبادتگاہ ۱۲) را	دران خانہ نگزاشت بیگانہ را
بپوشید جامۂ پرستش، پلاس (تنگ اضافت) (گزی)	خدا را چنین داشت باید سپاس
بیفگند یارہ (کنگن)، فرو ہشت موے	سوے روشن دادگر کرد روے
نیایش ہمی کرد خورشید را	چنان بردہ بُد راہ جمشید را

چو گشتاسپ بر شد بہ تخت پدر — کہ فرِّ پدر داشت بخت پدر

بسر بر نہاد آن پدر دادہ تاج — کہ زیبندہ باشد بر آزادہ تاج

منم گفت یزدان پرستندہ شاہ — مرا ایزد پاک داد این کلاہ

بدان داد مارا کلاہِ بزرگ — کہ بیرون کنم از رمہ میش گرگ

سوے راہ ورزان نیاریم چنگ — بر آزادہ گیتی نداریم تنگ مسافر ۱۲

پس از دفتر نامور قیصرا — کہ ناھید بُد نام آن دخترا

کتایونش خواندی گرانمایہ شاہ — دو فرزندش آمد چو خورشید و ماہ

یکے نامور فرخ اسفندیار — شہے کارزاری، نبردہ سوار

پشوتن دگر گُرد شمشیر زن — شہے (سپاہی) نامبردار لشکر شکن

چو یک چند گاہے بر آمد برین — درختے پدید آمد اندر زمین

از ایوان گشتاسپ بمیان کاخ — درختے گشن برگ، و بسیار شاخ

ہمہ برگ او پند، بارش خرد — کسے کو چنو بر خورد کے مُرد

خجستہ پئے نام او زردہشت — کہ اہرمن بدکنش را بکشت

ان اشعار میں جابجا فکِ اضافت اور الف اشباع ہی جو آج کل متروک و معیوب ہے، لیکن قدما کے ہاں اسکا عام رواج تھا، فردوسی بے تکلف ان چیزوں کو برتتا ہے،

دقیقی نے مثنوی کے ساتھ، قصیدہ اور غزل کو بھی ترقی دی، یہ دو شعر جو نا معلوم

طور پر لوگون کی زبانون پر جاری ہین، اسی کی غزل کے ہین.

گویند صبر کن کہ ترا صبر بر دہد	آرے دہد ولیک بہ عمر دگر دہد
من عمر خویشتن بہ صبوری گزاشتم	عمر دگر بباید تا صبر بر دہد

اسنے بعض غزلین مسلسل لکھی ہین، اور یہ اُس زمانہ کے لحاظ سے بالکل نئی بات ہے اسکی شاعری کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ رزم و بزم، اور عشق و عاشقی کے دائرہ مین محدود نہین، آج جس چیز کو لوگ نیچرل شاعری کہتے ہین فارسی مین غالباً سب سے پہلے اسی نے اسکی بنیاد قائم کی، ایک قصیدہ مین بہار کا سمان دکھایا ہے، اس مین خوشرنگ اور رنگ برنگ پھولون کی تصویر اس طرح کھینچا ہے. نیچرل شاعری

سحر گاہان کہ باد نرم جنبد	بجنباند درخت سرخ و اصفر
تو پنداری کہ از گردون ستارہ	ہمے بارید بر دیبائے اخضر
نگار اند زنگاری لون در لون	ہزاران در شدہ پیکر بپیکر

ایک مسلسل غزل بہار کی رنگینی اور روے معشوق پر لکھی ہے، غزل مسلسل

در افگند اے صنم ابر بہشتی	زمین را خلعت اُردی بہشتی
زمین بر سان خون آلودہ دیبا	ہوا بر سان مشک اندودہ وشتی
بدان ماند کہ گوئی از مے و مشک	مثال دوست بر صحرا نوشتی
بتے رخسار او ہمرنگ یاقوت	مے برگونہ رخ جامہ کنشتی
جہان طاوس گونہ گشت گوئی	بجاے نرمی و جاے درشتی

زگل بوے گلاب آید بدانسان
که پنداری گل اندر گل سرشتی

دقیقی چار خصلت برگزیدست
بگیتی از ہمہ خوبی و زشتی

لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ
مئے خون رنگ و کیش زردہشتی[1]

شہید بلخی

زمانہ کی ناقدروانی کی شکایت

اس دور کا مشہور شاعر ہے، مختصر تذکرہ اسکا اوپر گذر چکا، اشعار کا نمونہ یہ ہے

دانش و خواستہ است نرگس و گل
کہ بیکجاے نشگفند بہم

ہر کرا دانش است خواستہ نیست
ہر کرا خواستہ است دانش کم

اگر غم را چو آتش دود بودے
جہان تاریک بودے جاودانہ

درین گیتی سراسر گر بگردی
خردمندے نیابی شادمانہ

بر فلک ہر دو شخص پیشہ ورند
این یکے درزنی، ان دگر جولاہ

این نہ دوزد مگر کلاہ ملوک
وان نہ بافد مگر پلاس سیاہ

تشبیہات

ابر ہمی گرید چون عاشقان
باغ ہمی خندد معشوق وار

رعد ہمی نالد مانند من
چون کہ بنالم بہ سحرگاہ زار

چون حلیپاے روم زان شدہ باغ
کاب ریزے است باغ را زحلی

ابر چون چشم ہند بن عتبہ است
برق مانند ذوالفقار علی

[1] یعنی زردشتی، کیونکہ زردشت کے مذہب مین شراب حلال ہی۔

موعظت و نصیحت

عیب باشد به کارِ نیک درنگ	گر شتاب آید اے رفیق ملام
عاقبت راہم از نخستین بین	تا بہ غفلت گلو نہ گیر ددام

ابو شکور بلخی

۳۳۶ھ مین تھا، اسکا کلام بہت کم ملتا ہے لیکن جسقدر موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعری کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے، سقراط سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کو اسقدر تحقیقات و تدقیقات کے بعد کیا معلوم ہوا؟ اسنے کہا یہ معلوم ہوا کہ کچھ نہین معلوم ہوا،، اس فلسفیانہ خیال کو کسقدر عمدہ اور شاعرانہ انداز مین ادا کیا ہے۔

تا بہ آنجا رسیدہ دانش من	کہ بدانم ہمے کہ نادانم

یعنی میرا علم اس حد تک ترقی کر گیا کہ مین نے اب جان لیا کہ مین کچھ نہین جانتا۔ اسکی مثنوی کے چند اشعار جو منقول ہین انہین صاف شاہنامہ کا رنگ نظر آتا ہے۔

بہ دشمن برت مہربانی مباد	کہ دشمن درختے است تلخ از نہاد
درختے کہ تلخش بود گوہرا	اگر چرب و شیرین دہد مر ورا
ہمان میوہ تلخت آرد پدید	از و چرب و شیرین نخواہی مزید

اسی مضمون کو فردوسی نے زیادہ بلند کر دیا ہے۔

درختے کہ تلخ است ویرا سرشت	گرش بر نشانی بہ باغ بہشت
ور از جوے خلدش بہنگام آب	بریخ انگبین ریزی و شہد ناب
سرانجام گوہر بہ کار آورد	ہمان میوۂ تلخ بار آورد

خبازی نیشاپوری

دولت سامانیہ کا نامور شاعر ہے ۳۴۲ھ مین وفات پائی، اسکا کلام بالکل نایاب ہے، ایک قصیدہ کی گریز کے دو شعر مشہور ہین جنمین متاخرین کی جدت مضمون کے ساتھ، نیچرل رنگ بھی موجود ہے۔

می بینی آن دو زلف کہ بادش ہمی برد	گوئی کہ عاشقی است کہ ہیچش قرار نیست
یا نہ کہ دست حاجب سالار لشکر است	کز دور می نماید کامروز بار نیست

یعنی معشوق کی زلف جو ہوا سے ہل رہی ہی، گویا ایک بیچین عاشق ہی یا شاہی نقیب کا ہات ہے جو دور سے اشارہ کر رہا ہے کہ آج دربار نہ ہوگا۔

عمارۂ مروزی

مرو کا رہنے والا تھا، ۳۶۵ھ مین انتقال کیا، کلام کا نمونہ یہ ہے۔

آتش اگر ندیدی با آب ممتزج	اینک نگاہ کن تو بدین جام واین شراب
جام بلور و لعل مے صاف اندرو	گوئیکہ آتشے ست بر آمیختہ بہ آب

ان شعرا کے علاوہ اس دور مین اور بہت سے خوشگو اور خوش فکر تھے، مثلاً
اعجمی، طخاری، ابو العباس زنجی، جوئباری، ابو المثل بخاری، طلحہ، وغیرہ لیکن چونکہ اُنکے
حالات اور اشعار بہت کم ملتے ہین اس لیے ہم ان کے نام قلم انداز کرتے ہین۔

غزنویہ

شاعری اگرچہ ابتداے ظہور سے روز افزون ترقی کرتی جاتی تھی لیکن غزنویہ دور مین
انتہاے کمال تک پہنچگئی، فردوسی، اسدی طوسی، عنصری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری
دامغانی، جن مین ہر شخص اقلیم سخن کا صاحب تاج و تخت ہی، اسی عہد کی یادگار ہین۔

سلسلہ غزنویہ، حقیقت مین سامانی حکومت کی ایک شاخ ہی، عبد الملک بن نوح
سامانی المتوفی ۳۵۰ھ کے زمانہ مین الپتگین جو اسی خاندان کا غلام تھا، ترقی کر کے امارت کے
درجہ تک پہنچگیا، عبد الملک نے اسکو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا، عبد الملک کے بعد جب
اُس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا تو الپتگین، خراسان چھوڑ کر غزنین چلا گیا اور یہان ۱۶ برس تک
حکومت کر کے وفات پائی، اسکے بعد اسکا بیٹا ابو اسحٰق قائم مقام ہوا لیکن چند روز کے بعد
مرگیا، الپتگین کا ایک غلام سبکتگین تھا، اسنے الپتگین کے عہد مین ایسی قابلیت کے جوہر
دکھاے کہ ابو اسحٰق کے بعد، لوگون نے ۳۶۵ھ مین اُسی کو غزنین کا حاکم مقرر کر دیا، یہی
غلام (ور غلام) سلطنت غزنویہ کا بانی ول ہی اور سلطان محمود فاتح ہندوستان اسی
نامور کا فرزند ہے سبکتگین پہلا شخص ہی جس نے ہندوستان کو تسخیر کی نگاہ سے دیکھا،

وی خاندان کا
انی تذکرہ۔

اور جیپال کو بار بار سخت شکستین دین، سامانی دربار سے اسکو ناصر الدین کا خطاب ملا ۳۸۷ھ مین وفات پائی، اس کے بعد اسکا بیٹا اسمٰعیل جو الپتگین کی دختر کے بطن سے تھا، بلخ مین تخت نشین محمود، غزنین مین تھا، اسنے بھائی کو لکھا، کہ آپ بلخ مین حکومت کیجیے، لیکن غزنین میرے قبضہ مین رہنے دیجیے، اُس نے نہ مانا، اسپر جنگ ہوئی اور اسمٰعیل نے شکست کھائی، محمود، باپ کی زندگی ہی مین نوح سامانی کے دربار سے سیف الدولہ کا خطاب حاصل کر چکا تھا، تخت نشینی کے بعد اسکو بغداد کے دربار سے یمین الدولہ کا لقب ملا،

محمود کی شاہانہ فتوحات اور معرکہ آرائیان ایک دلچسپ داستان ہی، جسکی آواز بازگشت آج بھی ہندوستان کے در و دیوار سے آرہی ہے، لیکن شعر العجم کی زبان سے اسکے ملکی فتوحات کے بجاے، علمی فتوحات کا ترانہ زیادہ موزون ہوگا۔

سلطان محمود کے علمی کارنامے

محمود جس طرح فاتح و کشورستان تھا اسی طرح علم و فضل مین بھی کمال رکھتا تھا جواہر مضیئہ جو فقہاے حنفیہ کے حالات مین ایک نہایت مستند کتاب ہے اس مین اسکو فقہا مین شمار کیا ہی، فقہ مین خود اسکی ایک مبسوط تصنیف موجود ہے، غزنین مین اسنے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جسکے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی تھا جسمین تمام دنیا کے نوادر موجود تھے[۱] ملک مین جو بڑے بڑے مشاہیر فن تھے اکثرون کو بلاکر دربار مین جگہ دی تھی، ان مین سے ایک ابوریحان بیرونی بھی تھا جو متعدد فنون مین

[۱] تاریخ فرشتہ

بوعلی سینا کا ہمپایہ وہمسر تھا بوعلی کو بھی اِسنے خوانِ کرم پر دعوت دی تھی، لیکن اسکو کچھ وہم پیدا ہوا اور نہ آیا۔

شعرا کی تربیت اور فیاضی

شاعری پر اسنے حوصلۂ شاہانہ سے توجہ کی، ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دیکر اسکا افسر مقرر کیا، تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ محمود کے خوانِ کرم سے چارسو شاعر بہرہ یاب تھے، جنکو حکم تھا کہ جو کچھ کہین پہلے عنصری کو دکھلا کر پھر دربار مین لائین، ایک موقع پر جب شہزادہ مسعود خراسان سے غزنین مین آیا، اور شعرا نے دربارِ عام مین قصائد پیش کیے تو ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار اور زینتی اور عنصری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کیے[1]، عضاری کو دو شعرون پر دو توڑے دیے چنانچہ عضاری خود کہتا ہے۔

مرا دو بیت بفرمود شہر یار جہان،	بران صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد و دو ہزار درم	برغم حاسد و تیار بہ سگال نکال

عنصری کو ایک رباعی پر حکم دیا کہ اُسکا مُنہ جواہرات سے بھر دیا جاے،

ان واقعات کو ایک نکتہ چین محمود کے فضائل کے بجاے، اسکے معائب کے دفتر مین لکھے گا، اور واقعی، مدّاحون اور خوشامد گویون کی ایک فوج کثیر بہم پہنچانا اور انپر زر و جواہر کا مینھ برسانا، فیاضی نہین، بلکہ اسراف اور سبک سری ہے، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ محمود کی یہ فیاضیان، مدح پسندی کی غرض سے نہین، بلکہ فن ادب و تاریخ

[1] مجمع الفصحا، تذکرۂ زینتی۔

کی ترقی کی غرض سے تھین، اس نے فردوسی سے شاہنامہ لکھوا کر عجم پر یہ احسان کیا، کہ عجم کو خود مٹ کیا لیکن اُس کے کارنامے آج تک نہ مٹ سکے، اسلامی فتوحات، مسلمانون کے مذہبی ترانے ہین، لیکن مسلمان، خالد، وضرار، کے بجائے، رستم، وسہراب کے نام سے زیادہ آشنا ہین، عبدالملک، ولید، مقتدر، معتضد، معتصم، مستعصم کو کتنے آدمی جانتے ہین؟ لیکن جم و کیخسرو، کیکاؤس و فریدون، افراسیاب و اسفندیار کو بچہ بچہ جانتا ہے۔

عنصری نے ۳۰ ہزار شعرون کا قصیدہ لکھا جسمین محمود کی تمام لڑائیان نہایت تفصیل سے بیان کین، بدایعی بلخی نے نوشیروان کا نصیحت نامہ نظم کیا، اسدی طوسی نے لغات فارسی کی تدوین کی اور بدایع وصنایع فارسی پر ایک کتاب لکھی، تاریخ واخلاق کے علاوہ محمودی شعرانے اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل کر دیا کہ جس قسم کے مطالب چاہین ادا کر سکین، واقعہ نگاری، معاملہ بندی، اظہار جذبات، قدرتی مناظر کی تصویر، غرض شاعری کے جتنے انواع ہین، سب انکے ہان پائے جاتے ہین، **غزل** البتہ رہ گئی لیکن ابھی اسلام کی ترقی کا شباب تھا، ابھی سے اس فتنۂ خوابیدہ کے جگانے کی کیا ضرورت تھی۔

محمودی شعرا اگرچہ بیشمار ہین، لیکن جن نامورون کو محمود نے ندما مین داخل کر لیا تھا اور جو آسمان سخن کے سبعہ سیارہ تھے یہ ہین عنصری، فردوسی، اسدی، عسجدی، غضاری، فرخی، منوچہری،

(۱) تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی۔

عنصری

حسن بن احمد نام، ابوالقاسم کنیت، عنصری تخلص، بلخ کا رہنے والا تھا، آغاز شباب مین والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، چونکہ آبائی پیشہ تجارت تھا، خود بھی تجارت شروع کی، ایک دفعہ اسی ضرورت سے سفر کو نکلا، راہ مین ڈاکہ پڑا اور جو کچھ کائنات تھی سب جاتی رہی؛

عنصری نے تجارت کا خیال چھوڑ کر علم کی طرف توجہ کی، اس زمانہ مین تحصیل علم کے لیے فیس وغیرہ کا کچھ جھگڑا نہ تھا، ہر جگہ، ہر طرف بڑی بڑی درسگاہین کھُلی ہوئی تھین، اور جو شخص جس آزادی سے پڑھنا چاہتا تھا، پڑھ سکتا تھا، عنصری نے تمام متداول علوم وفنون حاصل کیے، لیکن طبیعت کو قدرتی لگاؤ شاعری سے تھا، اسلیئے شاعری کو اپنا فن قرار دیا اور اسی ذریعہ سے، سلطان محمود کے چھوٹے بھائی نصر بن سبکتگین کے دربار مین پہنچا،

نصر نے جوہر قابل دیکھ کر محمود کے دربار مین تقریب کی، رفتہ رفتہ **ملک الشعرا** کا خطاب ملا، سلطان محمود نے حکم دیا کہ دربار کے تمام شعرا جن کی تعداد چار سو تھی، اپنا کلام عنصری کو اصلاح کی غرض سے دکھائین اور جسکا کلام پیش ہو عنصری کی اصلاح کے بعد پیش ہو، بڑے بڑے نامور شعرا عنصری کی مدح مین قصائد لکھ کر پیش کرتے تھے اور گران بہا صلے پاتے تھے، (ملک الشعرائی کا خطاب)

محمود کی شاہانہ فیاضیون نے عنصری کو دولت ومال سے اسقدر مالامال کر دیا کہ چار سو زرین کمر غلام، رکاب مین ساتھ چلتے تھے، اور جب سفر کرتا تو اسکا ساز وسامان جو عموماً طلائی ونقرئی ہوتا تھا چار سو اونٹون پر بار کیا جاتا تھا، (عنصری کی دولت و ثروت)

انتہا یہ کہ دیگین بھی طلائی اور نقرئی ہوتی تھین[1]۔ اکثر شعرا نے عنصری کی دولتمندی کا ذکر حسرت و رشک کے ساتھ کیا ہے، خاقانی کہتا ہے۔

شنیدم کہ از نقرہ زد دیگدان	ز زر ساخت آلات خوان عنصری

محمود کے دربار مین چار سو شعرا تھے جن مین فرخی، عسجدی، عضاری، منوچہری جیسے قادر الکلام بھی شامل ہین لیکن یہ بات اسی کو حاصل ہوئی کہ سلطان محمود کا بقائے نام اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ نظامی سمرقندی کہتا ہے۔

بسا کاخا کہ محمودش بنا کرد	کہ از رفعت ہمی با مہ مرا کرد
نہ بینی ز ان ہمہ یک خشت بر پاے	مدیح عنصری ماندست بر جاے

عنصری نے سلطان محمود کی وفات کے تقریبًا دس برس بعد ۴۳۱ھ مین وفات پائی، اسکے اشعار کی تعداد ۳۰ ہزار بیان کیجاتی ہے جن مین اب صرف تین ہزار موجود ہین قصائد کے سوا متعدد مثنویان بھی لکھی تھین مثلاً وامق و عذرا، سرخ بت و خنگ بت، شاد بہر و عین الحیات لیکن آج بالکل ناپید ہین، اس زمانہ تک شاعری کا بڑا لازمہ قدیمی یعنی فن مجلس تھا، جو شاعر جسقدر زیادہ اس فن مین کمال رکھتا تھا، اسی قدر زیادہ کامیاب ہوتا تھا، اسکے لیے سب سے مقدم چیز بدیہہ گوئی تھی، عنصری اس وصف مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا، وہ نہایت پر گو تھا اور برجستہ کہتا تھا، آتشکدہ مین لکھا ہے کہ ایک موقع پر رات بھر مین ہزار شعر کہہ ڈالے۔ اس کی بدیہہ گوئی کے واقعات

---

[1] عنصری کے حالات زیادہ تر مجمع الفصحا و تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی سے لیے گئے ہین۔

تذکرون مین کثرت سے ملتے ہین۔

عنصری کی بدیہہ گوئی

سلطان محمود کو ایاز سے جو محبت تھی اگرچہ حد سے متجاوز تھی لیکن ہوس کا شائبہ نہ تھا، ایک دن بزم عیش مین بادہ و جام کا دور تھا محمود خلاف عادت معمول سے زیادہ بیکر بدمست ہو گیا، اسی حالت مین ایاز پر نظر پڑی، اُس کی شکن در شکن زلفین چہرہ پر بکھری ہوئی تھین، محمود نے بے اختیار اِسکے گلے مین ہات ڈالدیے لیکن فوراً سنبھل گیا اور جوش تقوی مین آکر ایاز کو حکم دیا کہ زلفین کاٹ کر رکھدے، ایاز نے فوراً حکم کی تعمیل کی، صبح کو جب محمود سوکر اٹھا تو ایاز کی صورت دیکھ کر سخت ملدر رہوا، بار بار اُٹھ اُٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، ندما اور مقربین دم بخود تھے، آخر علی قریب نے جو حاجب خاص تھا، عنصری کو بلا کر صورت واقعہ بیان کی، عنصری نے محمود کے سامنے جاکر یہ رباعی پڑھی۔

گر عیب سر زلف بت از کاستن است	نہ جاے بہ غم نشستن و خاستن است
وقت طرب و نشاط، و می خواستن است	کار استن سرو ز پیراستن است

یعنی اگر معشوق کی زلفین ترش گئین تو یہ رنج و غم کی کیا بات ہے، یہ تو اور خوشی کا موقع ہے اسلئے کہ سرو جب چھانٹ دیا جاتا ہے تو اور زیادہ وہ موزون ہو جاتا ہے، محمود نے حکم دیا کہ عنصری کا منھ جواہرات سے بھر دیا جاے، چنانچہ تین دفعہ ایسا کیا گیا، چہار مقالہ مین لکھا ہے کہ منھ کے بجاے دامن بھر اگیا تھا، فیاضی کے مبالغہ کے لحاظ سے شاید یہی روایت صحیح ہو لیکن موتھ بھرنے مین جو بات ہے وہ دامن مین نہین،

لہ شعرا نے اس واقعہ سے مضامین پیدا کئے، مرزا صائب کہتے ہین، پا از گلیم خویش نباید دراز کرد تیغ ستم بہ بین چہ بزلف ایاز کرد

ایک دفعہ سلطان نے فصد لی، عنصری نے برجستہ کہا۔

آمد آن رگ زنِ مسیح پرست	نیش الماس گون گرفتہ بدست
طشتِ زرین دآبدستان خواست	بازوے شہریار را بربست
نیش بگرفت دگفت عز علیک	این چنین دست راکہ یارد خست
سرفرو برد وبوسہ برداد	وز سمن شاخ ارغوان برجست

پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اوج ترقی کے زمانہ مین بھی جراحی وفصادی کا کام عیسائی کرتے تھے ایکدفعہ محمود، چوگان کھیلنے مین گھوڑے سے گر پڑا خفیف سا زخم آیا، عنصری نے فی البدیہہ کہا۔

شاہا! ادبے کن فلک بدخو را	کا سیب رسانید رخ نیکو را
گر گوی خطا رفت بچوگانش زن	ور اسپ غلط کرد بمن بخش او را

اخیر مصرع دو پہلو رکھتا ہی، ایک یہ کہ گھوڑے نے اگر غلطی کی تو میری خاطر اُسکو بخشد یجئے، دوسرے یہ کہ گھوڑا اگر غلط رو ہے تو مجھے دے ڈالیے۔ محمود نے اس حسن طلب کے صلہ مین گھوڑا **عنصری** کو دیدیا، عنصری نے ایک اور رباعی گھوڑے کیطرف سے معذرت مین لکھی،

رفتم بر اسپ تا ز ارش بکشم	گفتا کہ نخست بشنو این عذر خوشم
نے گاو زمینم کہ جہان برگیرم	نے چرخ چہارمم کہ خورشید کشم

یعنی مین نے گھوڑے کو سزا دینے کا قصد کیا، گھوڑے نے کہا، پہلے میرا عذر تو سن

لیجیے، کچھ مین گاوزمین تو نہین ہون کہ عالم کا بار اُٹھالون، نہ چوتھا آسمان ہون کہ آفتاب کو لیے پھرون،

شاعری کے متعلق، عنصری نے جو کام کیے اُن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) قصیدہ مین تخلص اور گریز سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز سمجھی جاتی ہی یعنی غزلیہ مضامین کہتے کہتے بادشاہ کی مدح کی طرف کیونکر رجوع کرین، متاخرین کو ناز ہے کہ یہ نکتہ آفرینیان اُنھین کے ساتھ مخصوص ہین، لیکن انصاف یہ ہے کہ عنصری کے تخالص بھی متاخرین سے کم نہین، ایک قصیدہ مین ابتدا سے انتہا تک دو دو چیزون کا مقابلہ کیا ہے، اُسمین لکھتا ہے۔

عنصری کی شاعری کی خصوصیات

غنودستند آن ماہ منوّر	خط، و زلفین آن، مہ روے دلبر
یکے را سنبل نورستہ بالین	یکے را لالۂ خودروے بستر
بہ روی و موی او بنگر کہ بینی	بلے آگہ ر، ہر دو آن را نعل آذر
یکے بے دود سال و ماہ تیرہ	یکے بے نور روز و شب منوّر
مرا بہرہ دو چیز آمد زگیتی	دل پاک و زبان مدح گستر
یکے بر مہر جانان وقف کردم	یکے بر مدح شاہنشاہ کشور

ایک اور قصیدہ ہے۔

گہ آن آراستہ زلفش گرہ گردد، گہے چنبر	گہ آن پیراستہ جعدش ببارد مشک و، گہ عنبر
شگفتہ لالہ رخسارہ۔ حجاب لالہ چرا رہ (زلف ۱۲)	بر از عاج و دل از خارہ تن از شیر و لب از شکر

سمن بوے، شبہ مہے، بلا جوے، جفا گوے، | پریناوے، پری زدے، پری چہرے، پری پیکر
بپرداز ای دل از روے، کہ گاہ آمد کہ حق جوے | غزل چندین چرا گوئی ز عشقِ آن بتِ دلبر
ثنا جوے از غزل با سُخ، رکت این ہر دو بود فرخ | غزل بر ماہِ زیبا رخ ثنا بر شاہ نیک اختر

ایک قصیدہ سوال و جواب سے شروع کیا ہی اور اخیر تک یہ انداز قائم رکھا ہے اُس مین نہایت خوبی سے مدح کی طرف رجوع کی ہی۔

ہر سوالے کز ان گل سیراب | دوش کردم مرا بداد جواب
گفتم آتش بران رخت کہ فروخت | گفت آن کہ دلِ تو کرد کباب
گفتم اندر عذابِ عشق توام | گفت عاشق نکو بود بہ عذاب
گفتم از جلیت روے راحتِ من | گفت ہر دم، ز زردی خسرو خضاب
گفتم آن میر نصر ناصر دین | گفت آن مالکِ قلوب و رقاب
گفتم اندر جہان چو او دیدی | گفت نے و نخواندہ ام بکتاب
گفتم اعداے او دروغ زن اند | گفت ہمچون مسیلمہ کذاب
گفتم از مدح او نیا سایم | گفت زنیسان کنند اولوا الالباب
گفتم او را چہ خواہم از ایزد | گفت عمر دراز و دولت شاب

ایک قصیدہ کو تشبیب سے شروع کیا ہی، معشوق کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہی۔

از دمن ہر دو ہمی نازیم، و نازمن بہ است | کو بحسن خویش نازد من بہ مدح شہر یار

ایک قصیدہ زلف کی تعریف سے شروع کیا ہے۔

ای شکستہ زلفِ یار، از بسکہ تو دستان کنی		دست، دستِ تست، گر با ساحران یکسان کنی
ہم زرہ پوشی دہم چوگان زنی بر ارغوان		خویشتن را گہ زرہ سازی و گہ چوگان کنی
نیستی دیوانہ، بر آتش چرا غلطی ہمی؟		نیستی پروانہ، گرد شمع چون جولان کنی؟

زلف سے خطاب کرتے کرتے، اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے۔

دل نگہدار ای تن از درد شکن دل پذیرا		تا تمنای کد خدای کشور ایران کنی

(۲) **قصیدہ** اگرچہ مدّاحی اور رٹنے کے لیے مخصوص ہوگیا تھا، اسی بنا پر عرفی نے کہا ہی؛

قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

اگر نگویم قصیدہ باکے نیست		من خوشامدنمی توانم گفت	

لیکن **عنصری** نے اکثر قصائد سے واقعہ نگاری کا کام لیا ہی، اسنے اکثر قصیدونمین محمود کی لڑائیان اور فتوحات نظم کی ہین، ایک قصیدہ مین جو ۷۲ اشعر ون کا ہے محمود کے تمام معرکے اجمالاً لکھے ہین[1]۔ اِسکے چند اشعار یہ ہین۔

شنیدۂ خبر شاہِ ہندوان جیپال		کہ بر سپہر بلندش ہمی بسود انسر
بدان صفت سپہ چون شب سیاہ بزرگ		بدست ایشان شمشیر ہا سے ہچو سحر
چو دود تیرہ، درو آتشے زبانہ زنان		تو گفتئی کہ پراگندہ شد بدشت سقر
خدائگان خراسان بدشتِ **پیشاور**		بہ حملۂ بپراگند آن ہمہ لشکر

[1] تذکرۂ دولتشاہ مین لکھا ہی کہ اِس قصیدہ مین ۱۸۰ اشعر ہین، لیکن دیوان مروجہ مین اس سے کم ہین۔

حکایت سفر مولتان ہمے دانی | وگر ندانی تاج الفتوح پیش آور
اگر ز دجلہ فریدون گزشت بکشتی | بہ شاہنامہ بر آن بر حکایت است سمر
ازان سپس کہ در و دہم راند پایاب | وزان سپس کہ بران بادرانہ بود عبر
بہ مولتان (ملتان ۱۲) شد و در رہ دویست قلعہ کشاد | کہ ہر یکے را صد بندہ بود چون خیبر
بلاد و بتکدہ شان کشاد و سوخت ہمہ | ببُرد باد ہمہ تودہ ہاے خاکستر
چو باز گشت بہ یک تاختن بہ میمنہ شد | ازان کہ بود خراسان زر بجا مضطر

خوارزم کی فتح مین لکھا ہے۔

بوقت آن کہ زمین تفتہ بُد ز بادِ سموم | ہوا چو آتش و گرد اندرو بجاے شرار
فرو گذشت بآمویہ (دریاے جیحون ۱۲) شہریار جہان | بہ فال اختر نیک و بہ نصرتِ دادار
ہمہ زمین شدہ از روے بندگان کشمیر | ہمہ ہوا شدہ از عکس چاؤشان فرخار
در آب در ہمہ غرقہ شدند چون فرعون | چو برگزشت بہ آن آب شاہ موسیٰ وار
فراخ جیحون چون کوہ شد زبسکہ درو | کلاہ قرکش و زین بود و جامہ و دستار
کسے کہ زندہ بماند است ازان نہیب یلان | اگرچہ تنش درست است ہست چون بیمار
بہ مغزش اندر، تیغ است، اگر بود خفتہ | بہ چشمش اندر تیر است اگر بود بیدار
اگر بجنبد، بند قباے او از باد | گمان کند کہ ہمی بر جگر خورد مسمار
اگر سوال کند، گوید اے سوار مزن | وگر جواب دہد، گوید، اے ملک زنہار

اخیر شعرون مین شکست یافتہ فوجون کی بدحواسی اور خوف زدگی کی تصویر

کس خوبی سے کھینچی ہے، کہتا ہے کہ جب یہ سوتے ہین تو خواب مین ان کو ہر طرف تلوارین نظر آتی ہین، اور آنکھ کھلتی ہے تو تیر ہی تیر دکھائی دیتے ہین، قبا کا بند اگر ہوا سے جنبش کرتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ کوئی شخص کلیجے مین کیل ٹھوک رہا ہے۔ اگر کچھ درخواست کرتا ہے تو یہ کہ میان سوار! اب نہ مارنا، اور کچھ جواب دیتا ہے تو یہ کہ اے بادشاہ۔ پناہ دیجئے

(۳) مناظر قدرت، اور خاص خاص چیزون کے اوصاف بھی اسنے نہایت خوبی سے لکھے ہین۔

بہار — ابر نوروزی، ہمی دُربار دوبت گر شود	تا ز صنعش ہر درختے لعبتے دیگر شود
باغ ہمچون کلبۂ بزاز پر دیبا شود	باد ہمچون طبلۂ عطار پُر عنبر شود
روے بندۂ ہر زمینے حُلۂ چینی شود	گوشوارِ ہر درختے رشتۂ گوہر شود
زمین کا ہر تختہ چینی کپڑے کی نقاب پہن لیتا ہے	درخت کا نون مین سونے کے بُندے ڈال لیتے ہین
چون حجابی لعبتان خورشید را بینی کہ باز	گہ برون آید ز میغ، وگہ بہ میغ اندر شود
آفتاب، بجان متی کی پُتلی بن گیا ہے	کہ کبھی بادل سے نکل آتا ہے اور کبھی بادل مین گھس جاتا ہے
افسرِ سیمین فرو گیرد، ز سر کوہ بلند	باز، مینا چشم، و دیبا روے و مشکین سر شود
پہاڑ نے چاندی کا تاج (برف) سر سے اُتار کر رکھ دیا	اور اسکی آنکھین سبز، چہرہ پُر نگار، اور سر مشکین ہو گیا

مقصد یہ کہ پہاڑ پر سبزہ، نبفشہ، اور طرح طرح کے پھول پیدا ہو گئے

تاریخ کی تعریف — درخت نارنج، از خامہ گوئیا تشنگرف	برخیت است کسے مُشت مُشت در زنگار

لے نقاب کو کہتے ہین۔

نہر کی تعریف

ز برگ و بار ہمہ طوطیانِ پرّ انند	کہ برگ شان ہمہ پرّ است و بارِ شان منقار
مجرّہ وار یکے جوے اندرو گزرد (کہکشان)	بر آب خضر بستہ کردہ، آب او بازار (آب حیات)
اگر بجنبد گوئی ہمے بجنبد جان	وگر بہ پیچد گوئی ہمے بہ پیچد مار
بسان قارون گاہے فرو شود بزمین	گہے شود بہ ہوا بر چو جعفرِ طیّار

ہاتھی کی تعریف

نہ چرخ اند، لیکن ہمہ چرخ گردش	نہ کوہ ہند، لیکن ہمہ کوہ پیکر
چو اندر ہوا، کوہ بر قوم موسے ۱۲	چو بر قوم عاد آیتِ بادِ صرصر
چنان گردد، از عرض شان دشت گوئی	بہ موج اندر آید، ہمی بحرِ اخضر
تگ راہ گیرند۔ بر آب و آتش (سبک ۱۲)	بہ دندان بدّرند پولاد و مرمر
زمین کوہ باشد چو آیند پیدا	چو اندر گزشتند، چاہ مقعّر

صنائع و بدائع | یہ بدعت عنصری سے پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن خال خال تھی، اور اسقدر نمایان نہ تھی کہ لوگون کا خیال اُس طرف رجوع ہوتا، عنصری نے اکثر صنعتین مثلاً لف و نشر، ترصیع، تقسیم، سوال و جواب، کثرت سے برتین، اور چونکہ بعض صنعتین نہایت خوبی سے استعمال کین، اور شعرا نے بھی تقلید کی، اور ایک عام شاہراہ پیدا ہو گئی، چنانچہ ترصیع یعنی دونون مصرعون مین تمام الفاظ کا باہم مساوی الوزن ہونا یا ہم قافیہ ہونا، اسقدر عام ہوا کہ قدما کے اخیر دور یعنی ساتوین صدی تک تمام قصائد اسی انداز پر لکھے جاتے تھے اور فیصدی ۸۰ شعرون مین یہ صنعت پائی جاتی تھی۔ لف و نشر، تقسیم، سیاقۃ الاعداد، کو بھی رواج ہوا، لیکن نہ اسقدر کہ قصائد کے گلے کا ہار بنجائین،

عنصری نے جس طرح ان صنعتون کو برتا، اُنکی مثالین درج ذیل ہین۔

ترصیع
تحراب

درختے است گویا بہ مینا منقش — پرندے ست گویا بہ لولو مشجر
رونده است و رفتنش در مغز شیران — خورنده است و خوردنش از مغز کافر
نہ وہم است و گشتنش چون وہم بر دل — نہ مغز است و بودنش چون مغز در سر

گر آن آستہ زلفش گرہ گردد گہے چنبر — گہ آن پیراستہ جعدش بیار و مشک گے عنبر
رخ چون نو شگفتہ گل، ہمہ گلبن برنگ مل — ہمہ شمشاد، پر سنبل، ہمہ سجابہ پر شکر
بر رُواز نیکوے معنی، بہ غمزہ از جادوی دعوے — بہ چہرہ حجتِ مانی، بہ خوبی حاجبِ آذر
سمن بوے، شبہ موے، بلا جوے، جفا گوے — پری زادے، پری رشے، پری چہرے، پری پیکر
دل آرامی، دل آرامی، غم انجامی، غم افزاے — نکو روے، نکو راے، بہ حسن اندر جہان سرور

تمام قصیده اسی صنعت مین ہے، اور اسقدر مقبول ہوا کہ تمام شعراے مابعد نے التزام
سکے تتبع مین قصائد لکھے، سلمان ساوجی، امیر خسرو، اور قاآنی نے بعض اور خوبیان
سمین اضافہ کین، اور زیادہ حسن پیدا کر دیا، مثلاً قاآنی کہتا ہے۔

کنون کز سنبلید و ارغوان یاسمن دارد — چمن ترزئین، و من تمکین زمین آئین، زبان تربور
بہ صحن باغ، و طرفِ راغ، و زیر سرو، و پاے جو — بزن گام، و بجو کام، و بدہ جام، و بکش ساغر

لف و نشر اور تقسیم کو اگرچہ عنصری نے بہت کم برتا ہے، لیکن نہایت خوبی اور
سادگی سے برتا ہے۔

یا بہ بندد، یا کشاید، یا ستاند یا دہد — تا جہان باشد ہمی مر شاہ را این یادگار

انچه بستاند ولایت، انچه بدهد خواسته	انچه بندد دست دشمن، انچه بکشاید حصار

مبالغہ اس مین بھی، عنصری نے کچھ کمی نہین کی، لیکن اسوقت تک، تکلف اور بناوٹ کو اسقدر ترقی نہین ہوئی تھی اِسلیے متاخرین کے مقابلہ مین اِسکے مبالغے پھیکے معلوم ہوتے ہین مثلاً وہ گھوڑے کی تعریف مین کہتا ہے۔

شگفت آید از مرکب تو خرد را	کش از باد طبع ست و از خاک منظر
بہ گام سپیں برود گر برانے	بہ تقریبش از باختر تا بہ خاور
بہ جستن کند کم ز دریا بہ دریا	نہ منزل کند کم ز کشور بہ کشور
بہ نور و ظلمت ماند زمین و ابر ہمی	بہ دُرّ و مینا ماند سرشک ابر و گیا
فریفتہ است زمین ابر تیرہ را کہ ازو	ہمی ستاند دُرّ و ہمی دہد مینا

مضمون آفرینی

یعنی زمین اور بادل نور و ظلمت کے مشابہ ہین، اور قطرۂ باران، اور گھاس، گویا موتی اور سبز نگینے ہین، معلوم ہوتا ہے کہ بادل، زمین کے فریب مین آگئے ہین، کیونکہ زمین سبز شیشہ دیکر اِسکے عوض بادلون سے موتی لیتی ہے۔

گھاس ۱۲ — قطرۂ باران ۱۲

ہمانا کہ خورشید رنگ رخش را	بدزدد کہ بخشد بہ یاقوت احمر

عام خیال یہ ہے کہ آفتاب جب کسی پتھر پر چالیس برس تک متصل طلوع ہوتا رہتا ہے تو وہ یاقوت بنجاتا ہے، عنصری کہتا ہے، کہ آفتاب دراصل معشوق کے چہرے کا رنگ چُراتا ہے، اور یاقوت کو دے دیتا ہے۔

زبانِ گزشتہ است کش در نیابی	چو بگزشت از پیش چشم تو دیگر

گھوڑے کی تعریف

	بہ رجعت بر آن گو نہ باشد کہ گوی		ہمے باز گردد زمانہ مکرر	

یعنی جب یہ گھوڑا، سامنے سے نکل جاتا ہے تو گویا گزرا ہوا زمانہ ہے جسکو تم پا نہیں سکتے، اور جب چکر لگا کر آجاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نے پلٹا لیا؛

فرخی

علی نام ابو الحسن کنیت فرخی تخلص سیستان وطن، باپ کا نام قلوغ تھا، جو امیر خلف بن احمد حاکم سیستان کے دربار مین ملازم تھا، بچپن مین ادب اور موسیقی کی تعلیم پائی، چنانچہ چنگ بجانے مین کمال پیدا کیا، معاش کی یہ صورت تھی کہ ایک زمیندار کی ملازمت کرتا تھا جسکے معاوضہ مین سالانہ دوسو کیل غلہ اور سو درہم مقرر تھے، یہ مختصر سی آمدنی اسکی سادہ زندگی کے لیے کافی تھی، لیکن چند روز کے بعد اسنے امیر خلف کی ایک لونڈی سے شادی کی جس کی وجہ سے خرچ بڑھ گیا، آقا سے تحریری درخواست کی کہ تنخواہ مین ۵۰ درم کا اضافہ کرے، اور غلہ کی مقدار دوسو کیل کے بجاے تین سو کردیجاے، آقا نے عرضی کی پشت پر لکھدیا کہ اس قدر حاضر ہے اور اس سے زیادہ کا مجھکو مقدور نہین فرخی کو شعر و شاعری کا بچپن سے ذوق تھا اور اب اسنے اس فن مین کافی ترقی کر لی تھی، شاعری کی قدردانی کے قصے ہر جگہ مشہور تھے اسلیے اسکو خیال ہوا کہ اس ذریعہ سے یہ مشکل حل ہوگی، چنانچہ لوگون سے پوچھتا رہتا تھا کہ اس فن کا کون بڑا قدردان ہی،

ابو المظفر چغانی اس زمانہ مین سلطان محمود کی طرف سے بلخ کا گورنر تھا، اور نہایت فیاض طبع، اور قدردان سخن تھا، فرخی اسکی فیاضی اور قدردانی کا شہرہ سُنکر چغان مین آیا، چنانچہ ایک قصیدہ کی ابتدا اس واقعہ سے کی ہی،

با کاروان حلہ برفتم زسیستان		باحلۂ تنیدہ زدل بافتہ زجان	

ابو المظفر کو گھوڑونسے بہت شوق تھا، اور بڑے اہتمام سے انکی پرداخت و تربیت

کرتا تھا، اٹھارہ ہزار گھوڑیان اور بچھیرے ہمیشہ چراگاہ مین رہتے تھے، سال مین ایک دفعہ اِن بچھیرون کا جائزہ لیتا تھا اور اُن کو داغ کرتا تھا، فرخی جب بلخ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابوالمظفر داغ گاہ مین گیا ہی، لیکن خوش قسمتی سے عمید اسعد جو ابوالمظفر کا مختار کل تھا، موجود تھا، فرخی اسکی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کی کہ شاعر ہون، عمید نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو فرخی کے چہرہ مہرہ، ہیئت، وضع قطع، کسی چیز کو شاعری سے مناسبت نہ تھی، بھدا ڈیل ڈول، ڈھیلا ڈھالا کرتا جسکے دونون طرف چاک، سر پر بڑا سا پگڑ، سخت متعجب ہوا، تاہم حُسن اخلاق کے لحاظ سے کہا کہ مین تم کو امیر کے دربار مین لیچلونگا، لیکن پہلے داغ گاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ لکھ لاؤ، اسکے ساتھ، داغ گاہ کی صورت کا نقشہ کھینچکر دکھایا کہ کوسون تک سبزہ زار ہوتا ہے، جا بجا چشمے بہتے ہین، بے تکلف احباب مل بیٹھتے ہین، گاتے بجاتے ہین، شراب پیتے جاتے ہین، بادشاہ ایک ہات مین پیالہ دوسرے مین کمند لیکر بیٹھتا ہے، شراب پیتا جاتا ہے، اور لوگون کو گھوڑے انعام دیتا جاتا ہی،

فرخی نے رات بھر مین قصیدہ طیار کرکے صبح کو عمید کے سامنے پڑھا۔

چون پرند نیلگون، بر روے پوشد مرغزار	پرنیان ہفت رنگ، اندر سر آرد کوہسار
خاک را چون نافِ آہو مشک زاید بیقیاس	بید را چون پرِ طوطی برگ روید بیشمار
دوش وقت نیمشب بوے بہار آورد باد	حبذا باد شمال و فرخا بوے بہار
باد گوئی مشک سودہ دارد اندر آستین	باغ گوئی لعبتان جلوہ دارد در کنار
نسترن لولوے بیضا دارد اندر مرسلہ	ارغوان لعل بدخشان دارد، اندر گوشوار

باغ بوقلمون لباس، شاخ بوقلمون نماے — آب مروارید گون، ابر مروارید بار

داغہاے شہریارا کنون چنان خرم شود — کاندرو از خرمی خیرہ بماند روزگار

سبزہ اندر سبزہ بینی۔ چون سپہر اندر سپہر — خیمہ اندر خیمہ بینی۔ چون حصار اندر حصار

ہر کجا خیمہ است، خفتہ عاشقے با دوست مست، — ہر کجا سبزہ است، شادان یارے از دیدار یار

سبزہا بر بانگ چنگ مطربان چرب دست — خیمہا بر بانگ نوش ساقیانِ میگسار

عاشقان بوس و کنار، و نیکوان ناز و عتاب — مطربان رود و سرود و خفتگان خواب و خمار

بر درِ پردہ سرائے خسرو پیروز بخت — از پئے داغ آتشے افروختہ خورشید وار

داغہا چون شاخہاے بسد (مرجان) یاقوت رنگ — ہر یکے چون ناردانہ گشتہ اندر زیر نار

ریدکان (غلام) خوابِ نادیدہ مصاف اندر مصاف — مرکبانِ داغ ناکردہ قطار اندر قطار

روے ہامون سبزہ چون گردون ناپیدا کران — روے صحرا سادہ چون دریاے ناپیدا کنار

اندر ان دریا سماری، وان سماری جانور — اندرین گردون ستارہ، وان ستارہ بیدار

خسروِ فرخ سیر، بر بارہ، دریا گزر — با کمند اندر میانِ دشت چون اسفندیار

گردنِ ہر مرکبے چون گردنِ قمری بطوق — از کمندِ شہریارِ شہرگیر شہردار

ہر کرا اندر کمند شصت بازی، در فگند — گشت نامش بر سرین و شانہ و رویش نگار

روز یک نیمہ، کمند و مرکبان تیز تگ — نیم دیگر، مطربان و بادۂ نوشین گوار

عمید نے فرخی کو ساتھ لیا، اور ابو المظفر کے پاس جا کر اس تقریب سے پیش کیا کہ دقیقی کے بعد، آج تک اِس پایہ کا شاعر نہین پیدا ہوا، یہ کہہ کر سارا واقعہ

بیان کیا، ابوالمظفر نے فرخی کو دربار مین مناسب موقع پر جگہ دی، شراب کا دور چل رہا تھا، دو تین دور ہو چکے تو فرخی اُٹھا اور درد آمیز لہجہ مین یہ قصیدہ پڑھا ع باکاروانِ حلّہ برفتم زسیستان، ابوالمظفر خود شاعر تھا، حد سے زیادہ مسرور ہوا، اور فرخی سے کہا کہ ہزار کمیت بچھیرے سامنے ہین جسقدر تم سے پکڑے جا سکین سب تمھارے ہین، فرخی شراب سے بدمست تھا، فوراً اُٹھا دستار سر سے پھینک بچھیرون کی قطار مین گھس گیا، وہ بھاگ کر اِدھر اُدھر پھیل گئے، فرخی ہر طرف پیچھے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا، تھک کر چور ہو گیا، اور وہین زمین پر پڑ کر سو رہا، صبح کو دن چڑھے اُٹھا، ابوالمظفر نے صبح کی نماز سے فارغ ہو کر، فرخی کو دربار مین طلب کیا، اور اسپ خاصہ، ایک خیمہ، تین شتر، پانچ غلام، اور پہننے کے کپڑے انعام دیے، دریافت سے معلوم ہوا کہ فرخی نے جس گلّہ پر ہات ڈالا تھا، اس مین بیالیس بچھیرے تھے، ابوالمظفر نے وہ بھی انعام مین دیدیے، چند روز کے بعد فرخی بڑے سروسامان سے سلطان محمود کے دربار مین پہونچا، سلطان نے نہایت قدردانی کی اور شعراے خاص مین داخل کیا، ایک موقع پر اسپ خاصہ عنایت کیا تو فرخی نے یہ اشعار شکرگزاری مین لکھے۔

اسپے کہ چنان شاہ دہد اسپ نباشد		تاجے بود آراستہ از لوے شہوار

ؔ یہ تمام واقعہ اگرچہ تمام تذکرون مین منقول ہے لیکن سب سے زیادہ تفصیل چار مقالہ مین ہے، اور ہم نے گویا اُسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔

دشمن کہ برین ابلق رہوار مرا دید	بے صبر شد و کرد غمِ خویش پدیدار

اسوقت تک باوجود تقرب اور منصب ندامت کے فرخی کو دربار مین کمر بند باندھنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ یہ لباس اُمراے فوج کے ساتھ مخصوص تھا، فرخی نے نہایت خوبی سے اِس قصیدہ مین اِس عہدہ کی آرزو کی ہے،

گفتا کہ بہ میران دہ و سرہنگان مانی	امروز کلاہ و کمرت باید ناچار
گفتم کہ چہ دانی کہ شبِ تیرہ چہ زاید	بشکیب و صبوری کن تاشب بہ نہد یار
من تنگدلی پیشہ نگیرم کہ بزرگان	کس را بہ بزرگی نرسانند بیک بار

یعنی دشمن نے مجھ سے کہا کہ اب تو تمہارا ٹھاٹھ امرا کا سا ہے، اب کمربند و کلاہ بھی ملنا چاہیے' مینے کہا تجھکو کیا خبر ہے کہ کل کیا ہوگا؟ جسنے مجکو اسپ خاصہ کے قابل سمجھا، وہ اِسکا مستحق بھی سمجھیگا، مین دل گرفتہ نہین ہوتا کیونکہ سلاطین کا یہ دستور نہین کہ کسی کو ایک دم سے بڑے رتبہ پر پہنچا دین، بالآخر فرخی کی دولت وجاہ کی یہ نوبت پہونچی کہ جب اسکی سواری نکلتی تھی تو بیس زرین کمر غلام رکاب مین چلتے تھے۔

ایاز جو سلطان محمود کا محبوب خاص تھا، فرخی کا نہایت قدردان تھا اور اس سے نہایت خلوص رکھتا تھا، ربط زیادہ بڑھا تو محمود کو رشک ہوا یہانتک کہ فرخی کا دربار بند کر دیا، فرخی نے متعدد قصیدے معذرت مین لکھے، بالآخر سلطان صاف ہوگیا، اور فرخی بدستور دربار مین جانے آنے لگا،[1]

[1] مجمع الفصحا۔

اِس زمانہ کے تمدن اور معاشرت پر تعجب ہوتا ہے کہ شعرا محمود کی مدح مین جو قصیدے لکھتے تھے، اس مین علانیہ ایاز کے حُسن ومعشوقی کا ذکر کرتے تھے اور محمود اِس سے خوش ہوتا تھا، فرخی ایک قصیدہ مین لکھتا ہے۔

امیر جنگجو آیاز اُو یماق	دل وبازوے خسرو روز پیکار
زنانِ پارسا از شوق گردند	بہ کابین کردنی اوراخریدار
نہ بر خیرہ بدو دل داد محمود	دل محمود را بازی مپندار
جز او در پیش سلطان نیز کس بود	جز او سلطان غلامان داشت بسیار
اگر چون میر یک تن بود آنجا	نہ چندین بُد مراد را گرم بازار

عضاری نے محمود کی فرمایش سے ایاز کی تعریف مین دو شعر لکھکر پیش کیے تو محمود نے دو ہزار اشرفیان انعام مین دلوائین چنانچہ عضاری ایک قصیدہ مین کہتا ہی

مرا دو بیت بفرمود شہریار جہان	بران صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد دو ہزار درم	برغمِ حاسدِ تیار بدسگال نکال

فرُخی نے صنائع وبدائع شعری مین ایک کتاب بھی لکھی جسکا نام ترجمان البلاغہ ہی رشید الدین وطواط نے حدائق السحر مین اسکا ذکر کیا ہے اور لکھا ہی کہ "لغو کتاب ہی، بظاہر تعجب ہوتا ہے کہ ایران کے شعرا ابتدا ہی سے صنائع وبدائع کی طرف کیونکر مائل ہوے، لیکن حقیقت مین یہ تعجب کی بات نہین، شاعری کا جو نمونہ فارسی شعرا کے پیش نظر تھا وہ عربی شاعری تھی، عرب مین خود اِس زمانہ مین صنائع وبدائع کی بدعت ایجاد

ہوچکی تھی اور عبداللہ بن معتز کی کتاب البدیع جو اس فن کی پہلی کتاب تھی گھر گھر پھیلی ہوئی تھی، تاہم فرخی کی سلامت روی دیکھو کہ اُسنے صنائع وبدائع پر کتاب لکھی، لیکن خود ان تکلفات سے آزاد ہے، فرخی نے ۴۲۹ھ مین وفات پائی۔

کلام پر رائے فرخی کے کلام کا عام جوہر، زبان کی صفائی، اور سلاست و روانی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ اس ابتدائی زمانہ مین اسنے زبان کو اسقدر صاف کردیا کہ ہزار برس گزر چکے لیکن آج کی زبان معلوم ہوتی ہے، قاآنی کا بڑا اعجاز یہی خیال کیا جاتا ہے، کہ وہ قصائد مین ہر قسم کے واقعات اس طرح بے تکلف ادا کرتا جاتا ہے گویا دو آدمی آپس مین باتین کر رہے ہین، فرخی سے اسکا موازنہ کرو، صاف نظر آئیگا کہ جو بات قاآنی کو ہزار برس کے بعد حاصل ہوئی، فرخی کو اسوقت حاصل تھی، رمضان اور عید کے ذکر مین قاآنی کا ایک مشہور قصیدہ ہے۔

دلکا! ہیچ خبر داری کان ترک پسر	بامن از ناز دگر بار، چہ آورد بہ سر
بلب نوشین آمد شب دوشین بسرائے	حلقہ بر در زد و بر جستم و بکشودم در
گفت قاآنیکا! تا کے خسپی بہ سرائے	خیز کز روزہ شد اوضاع جہان زیروزبر
تا بامست چنان خفتہ اندر رمضان	کز مہ روزہ و از روزہ ترا نیست خبر
گفتم اے ترکِ دلارام مگر باز آمد	رمضان آن مہ شاہد کش و زاہد پرور
گفت آرے رمضان آمد و گوید کہ بہ خلق	رقم از بار خدا دارم و از پیغمبر
وقت آن آمد کان واعظک از بعد نماز	ہمچو بوزینہ بہ یکبار جہد از منبر

اسی بحر و قافیہ مین فرخی کا قصیدہ دیکھو،

رمضان رفت، و رہے دور گرفت اندر بر	خنک آن کس رمضان را بہ سزا برد بسر
بس گرامی بود این ماہ و لیکن چہ کنم	رفتنی رفتہ بہ، و روے نہادہ بہ سفر
رمضان گر بشد از راہ فراز آمد عید	عید فرخندہ ز ماہِ رمضان نیکو تر
گاہ آن آمد کز شادی بر گردد دل	وقت آن آمد کز بادہ گران گردد سر
بادۂ روشن و آسودہ و صافی چو گلاب	ساقی دلبر و شائستہ و شیرین چو شکر
مطربا آن غزل نغز دلاویز بیار	ورنہ دانی بشنو تا غزلِ گویم تر
اے دریغا دل من کان صنم سیمین بر	دل من برد و مرا از دل او نیست خبر
او و لے داشت گرامی و دلِ دیگر یافت	کاشکے من دلکے یافتمی نیز دگر

اسی بحر اور قافیہ مین اس کا ایک اور قصیدہ ہے، جو سراپا محاورہ اور روزمرہ ہے۔

ترکِ بت رویے من، از خواب گران دارد سر	دوش مے دادہ است از اول شب تا بسحر
میرا پری چہرہ معشوق نیند سے سرگران ہے	کل شام سے صبح تک شراب پلاتا رہا ہے
من بچشم اوراد و بار نمودم کہ بخسپ	او ہمی گفت بسر، تا برم این دور بسر
مینے دو دفعہ آنکھ سے اشارہ کیا کہ سو رہو	لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ یہ دور تو ختم ہونے دو
شب بسر بردہ بمے دادن و ننشست و نخفت	دل من جست کہ ننشست و نخفت آن دلبر
ساری رات شراب پلانے مین گزاری، نہ بیٹھا نہ سویا	یہ میری خاطرداری تھی کہ سویا نہیں اور کھڑا رہا

حیله سازد که می افزون خورد از نوبت خویش ‏ ‏ ورتواند بخورد نوبت یاران دگر

چالاکی کرکے چاہتا ہی کہ اپنے حصے سے زیادہ پی لے ‏ ‏ اور اُسکے امکان مین ہو تو اورون کا حصہ بھی اُڑا لے

کیست آن کو ننهد دل بچنین خدمت دوست ‏ ‏ کیست آن کو نه کشد بار چنین خدمت گر

مدح کے تشبیب مین فتوحات کا ذکر کرتا ہے۔

خسرو ما به شکار ملکان تاخته بود ‏ ‏ ما ز اندیشهٔ او خسته دل و خسته جگر

خسرو از راه دراز آمد با نهمت و کام ‏ ‏ ملک از جنگ عراق آمد با فتح و ظفر

قلعه ها کنده و بنشانده بهر شهر سپاه ‏ ‏ جنگها کرده و بنموده بهر جاے هنر

دیگر

اے پسر اگر دل من کرد همیخواهی شاد ‏ ‏ از پس باده بمن بوسه همی باید داد

نقل با بوسه بود، باده وهی نقل بده ‏ ‏ دیر گاه است که این رسم نهاد آن که نهاد

گر همی گوئی بوس از دگرے نیز بخواه ‏ ‏ تو مرا از دگران برده اے حور نژاد

یہ بھی فرخی کے خصوصیات مین ہے کہ جب کسی چیز کی تعریف یا کسی واقعہ کی حالت اور کیفیت بیان کرتا ہے تو اُسکا اصلی سما آنکھون کے سامنے کھینچ دیتا ہے، ایک قصیدہ مین مجلس عیش کی خیالی تصویر کھینچی ہی۔

سرو ساقی و ماه رود نواز ‏ ‏ پرده بسته ورره شهناز

باجا ‏ ‏ وطن ۱۲ ایک راگنی کا نام ہے

زخمهٔ رودزن نه پست و نه تیز ‏ ‏ زلف ساقی نه کوته و نه دراز

یعنی مُضرب نہ بہت اونچے نہ بہت نیچے

مجلسے خوب خسروانی و از ‏ ‏ از سخن چین، تهی و از غماز

بادشاہانہ

بوستانے ز لاله و سوسن ‏ ‏ همچو روے تذرو و سینهٔ باز

دوستان مساعد و یک دل — کہ توان گفت پیش ایشان راز

ماہ روے نشاندہ اندر پیش — خوش زبان و موافق و دمساز

جعد (زلف) او بر پرند (یعنی چہرہ) کشتی گیر — زلف او بر حریر چوگان باز

بادۂ چون گلاب روشن و تلخ — ماندہ در خُم زگاہِ (وقت) آدم باز

از چنین مجلس و چنین بادہ — ہیچ زاہد مرا ندارد باز

سلطان محمود نے ایک باغ بڑے سروسامان سے تیار کرایا تھا، گلہاے رنگ رنگ کے تختہ زار، جابجا جدولین، دوطرفہ سرو شمشاد، ایک طرف مصنوعی خوشنما جھیل اُس مین رنگ برنگ کی مچھلیان کانون مین موتی کے آویزے پہنے تیرتی پھرتی تھین، تصویر خانہ مین محمود کی مجسّم تصویرین، کہین برچھا ہات مین لیے ہوئے شکار کھیل رہا ہے، کہین بزم عیش مین بیٹھا ہے اور شراب کا دور چل رہا ہے، **فرُّخی** اس باغ کا نقشہ دکھاتا ہے۔

بہ فرخندہ فال و بہ فرخندہ اختر — ز نو باغ میخواست شاہِ مظفر

درو مسکنِ ماہرویانِ مجلس — درو خانۂ شیر گیرانِ لشکر

کُجا جاے بزم است گلہاے بیحد (ہر جا) — کجا جاے صید است مرغانِ بیمر (بیشمار)

روان گرد بر گردِ رعنا درختان — تدروان، آموختہ مادہ و نر

یکے کاخ شاہانہ اندر میانش — سرِ کنگرہ بر کنارِ دو پیکر

بہ کاخ اندرون صُفّہاے مصفّا — درِ صُفّہا ساختہ سوے منظر

یکے ہمچو دیباے چینی منقّش	یکے ہمچو از زنگ مانی مُصوّر
نگاریدہ در چند جام مصوّر	شہر شرق را اندران کاخ پیکر (سلطان محمود)
بہ یکجاے در صید، در دست تیغش (نیزہ)	بہ یک جاے در بزم، بر دست ساغر
ازان کاخ فرخ چو اندر گذشتی	یکے رود، آب اندرو ہمچو شکر (نہر)
نہ چرخ است و اجزاے او چون ستارہ	نہ ابر ست و آواے او ہمچو تندر (آواز)
اگر بگذرد بر سرش مرغ موجش	بیالاید اندر ہوا مرغ را پر
بدیسان بہ باغ اندران تند رودے (نہر)	یکے ژرف دریا مر آن را برابر
بدو اندران ماہیان چون عروسان	بگوش اندرون پرگہر حلقۂ زر
مکانے بر آوردہ پہلوے دریا	بدان، تا بران می خورد شاہ صفدر
یمینِ دول شاہ محمود غازی	امینِ ملل خسروِ بندہ پرور

ابو المظفر چغانی کے دربار مین جب اسنے جانا چاہا ہے تو راہ مین بہت صعوبتین پیش آئین، قصیدہ مین تمام حالات تفصیل سے بیان کیے ہین، اور دیکھو مدح کی تمہید کا پہلو کس خوبصورتی سے پیدا کیا ہی،

رہے صعب، و شبے تاریک و تیرہ	ہوا چون قیروز و ہامون مقیّر
ہو اندودہ رُخسارہ بدو دہ (سیاہی)	سپہر آراستہ چہرہ بہ گوہر
گمان بُردی کہ باد اندر پراگند	بروے سبز دریا برگ عبہر (یعنی آسمان، یعنی تارے)
مجرّہ چون بہ دریا راہِ موسے (کہکشان) (رود نیل)	کہ اندر قعرِ او بگذشت لشکر

زمانے رفت دسر برزدماز کوہ ... برنگ روے حوران مزعفر

بہ ریگ اندر ہمی شد بارۂ تازان [گھوڑا] ... چو در غرقاب مرد آشنا در [تیراک]

تحکم مالان بہ ہامون در ہمی رفت ... شدہ ہامون بزیر آن مقعر

دمندہ اژدہاے پیشم آمد [یعنی دریا] ... خروشان وبے آرامِ وزمین در

گرفتہ دامن خاور بدنبال [مشرق] ... نہادہ برکرانِ باختر سر [پچھم]

بباران بہاران گشتہ فربہ ... بگرماے حزیران گشتہ لاغر [مہینہ کا نام]

میج شاہ برجیحون بجو اندم ... برآمد بانگ از آب اللہ اکبر

کرمن شاگرد کعبت را دادیم [نیاض] ... کہ تو دحش ہمی برخوانی از بر

بفر شاہ از جیحون گزشتم ... یکے موے از تنِ من ناشدہ تر

وزان جا تا بدین درگاہ گفتی ... کشادستند مر فردوس را در

ہمہ بالا پُراز دیباے رومی [بلندی] ... ہمہ پستی پُراز کالاے شُشتر [نام شہر ۱۲]

توگفتی ہیکل زر دشت گشتہ است ... زبس لالہ ہمہ صحرا سراسر

فرخی نے واقعہ نگاری کو بہت ترقی دی، اس سے پہلے بھی یہ صفت موجود تھی لیکن سیکڑون گوناگون واقعات کو نہایت بے تکلفی اور برجستگی سے ادا کر کے اسنے واقعہ نگاری کی ایک شاہراہ قائم کر دی، اور آیندہ نسلون کے لیے راستہ صاف کر دیا، اکثر قصیدون مین فتوحات کے حالات لکھتا ہے، اور معلوم ہوتا ہی-

لہ بے کی ی ظاہر نہین ہوتی - اور یہ قدما کی زبان ہی-

کہ ایک مورخ بے کم و کاست ٹھیک حالات لکھتا جاتا ہے، سومنات کی فتح مین جو قصیدہ لکھا ہے، اسمین ایک ایک مقام کا نام اور اسکا حال بیان کیا ہے۔

گمان کہ برد؟ کہ ہرگز کسے ز راہ طراز
یہ کسکو خیال تھا کہ کوئی شخص طراز کی راہ سے

بہ سومنات برد لشکر و چنین لشکر
سومنات پر فوج لیجا سکتا ہے اور فوج بھی ایسی فوج

ہوائے آن دژم و باد آن چو دود جحیم
راستے مین ہوا ایسی خراب جیسے دوزخ کا دھوان

زمین آن سیہ و خاک آن چو خاکستر
زمین بالکل سیاہ اور خاک جیسے راکھ

ہمہ درخت، دمیانِ درخت خارکشن
تمام جھاڑیان اور جھاڑیون کے کانٹے

نہ خار بلکہ سنان خلندہ و خنجر
کانٹے نہین بلکہ چبھنے والی برچھیان اور خنجر

نہ مرد را سرِ آن کاندران نہادے پے
نہ آدمی کو یہ جرأت ہوتی تھی کہ قدم رکھے

نہ مرغ را دلِ آن دا زران کشادے پر
نہ پرند کو یہ ہمت ہوتی تھی کہ اُڑ سکے،

عجب تر اینکہ ملک را ہمی چنین گفتند
سب بڑھکر عجیب بات یہ کہ لوگو نے بادشاہ سے کہا تھا

کہ اندرین رہ مار دو سر بود بیمر
کہ اس راہ مین دو مونہے سانپ بے شمار ہین

بہ شب چو خفتہ بود مرد سر برآرد مار
آدمی جب رات کو سو جاتا ہے تو یہ سانپ نکلتے ہین

ہمی کشد نفس خفتہ تا برآید خور
اور دھوپ نکلنے تک پھنکار مارتے ہین

چو خور برآمد و گرمی بہ مردِ خفتہ رسد
جب آفتاب نکل آتا ہے اور آدمی کے بدن کو گرمی پہنچتی ہے

سبک نہ گردد از ان خواب تا گہ محشر
تو آدمی ٹھنڈا ہو کر رہجاتا ہے اور قیامت تک اٹھ نہین سکتا

بدین درشتی و زشتی رہے کہ کردم یاد

گزشت شاہ بتوفیق خالق اکبر

ایسے سخت اور خراب راستہ سے جسکا مین نے بیان کیا — بادشاہ خدا کی توفیق سے گزر گیا

بزد زبہر پس ماندگان و گم شدگان — میان بادیہ ہا حوضہاے چون کوثر

پیچھے رہ جانے والون کے لیئے — جنگل مین حوض تیار کرا دیے تھے

ببان رہ اندر چندین حصار و شہر بزرگ — خراب کرد و بکند اصل ہر یک از بن و بر

سیکڑون قلعے اور شہر جو راہ مین پڑے — برباد کر دیے اور اُنکی جڑ کھود کے پھینک دی

نخست لاردہ کز روے برج و بارہ او — چو کوہ فرو ریخت آہن و مرمر

پہلا قلعہ لاردہ تھا، جسکے برج اور دیوار سے — پہاڑون کے برابر لوہا اور پتھر پڑا تھا

چہ مندھیر کہ در مندھیر حوضے بود — چنانکہ خیرہ شدے اندرو دو چشم و فکر

اور مندھیر کا کیا کہنا، جسمین ایک ایسا حوض تھا — جسکو دیکھکر عقل کی آنکھون کو چکاچوند لگجاتی تھی

فراخ پہنا حوضے بصد ہزار عمل — ہزار تبکدہ خرد گرد حوض اندر

نہایت چوڑا حوض جسمین ہزارون کاریگریان کام مین آئین — ایک ہزار چھوٹے چھوٹے بتخانے اُسکے اندر تھے

یکے حصار قوی بر کران شہر و درو — زبت پرستان گرد آمدہ یکے محشر

شہر کے کنارے پر ایک قلعہ تھا، — جسمین بت پرست ٹھٹ کے ٹھٹ اکٹھے تھے

فریضہ ہر روز آن سنگ را بشستندے — بہ آب گنگ و بہ شیر و بہ زعفران و شکر

اُس بت کو لازمی طور پر ہر روز — گنگا کے پانی اور دودھ اور زعفران اور شکر سے دھوتے تھے

شکار مین قمرغہ کا طریقہ، ایک مدت سے چلا آتا ہے یعنی کسی بڑے جنگل مین جہان کثرت سے شکاری جانور ہوتے تھے، چارون طرف آدمیون کی صفون کو پھیلا کر، ایک

بڑا حلقہ قائم کر لیتے تھے، پھر حلقہ کو تدریج چھوٹا کرتے جاتے تھے یہانتک کہ دو چار میل کی وسعت رہ جاتی تھی، اور تمام جانور سمٹ کر اتنے ہی دور مین آ جاتے تھے پھر ہر طرف سے اپر حملے ہوتے تھے، اکثر مارے جاتے، بہت سے زندہ بھی گرفتار ہوتے، سلطان محمود بھی اس طریقے سے اکثر شکار کھیلا کرتا تھا، **فرخی** نے ایک قصیدہ مین اسکا سماد کھایا ہی،

اے زجنگ آمدہ وروے نہادہ بہ شکار	تیغ وتیر تو ہمے سیر نگردیدہ زکار
ہرچہ در ایران پرندہ، ودد وامی بود	ہمہ را گرد بہم کردی در یک دیوار
گرد ایشان پرہ بربستی مانند عقاب (زلف ۱۲)	زان برون رفت ندانست ایک از ہیچ کنار (رفتن ۱۲)
در دویدند سوے تو بہ قطار از سر کوہ	باز گشتے در دامن کہ شان بہ قطار
بامدادان ہمہ کہسار پُر از وحشی بود	شامگاہان ہمہ پرداختہ بود از کہسار (خالی ۱۲)
در زمانے، ہمہ آن دشت زخون دد ودام	لعل کردے چو گلستانے ہنگام بہار
خواہی من کہ بجا بیستے بہرام امروز (زندہ ہوتا)	تا بدیدے وبیا موختے از شاہ شکار

واقعہ نگاری کا انداز فرخی پر اسقدر غالب ہے کہ قصائد کی تشبیب مین جو در اصل غزل ہوتی ہی، یہ انداز قائم رہتا ہے، مثلاً ایک قصیدہ کی تشبیب مین لکھتا ہی۔

دوش متواریک بہ وقتِ سحر (چھپ کر)	اندر آمد بہ خیمہ آن دلبر
چنگ در برگرفت وخوش بنواخت	وازدو بُسّد فروفشاند شکر (یاقوت)
پنج شش جام خوردو پر گل گشت	روے آن روے نیکوان یکسر (افسر ۱۲)
مست گشت وز بہر خفتن ساخت	خویشتن را کنار من بستر (خوبصورت ۱۲)

زلف مشکین بروے در پوشید	دست من زیر کرد، د زلف زبر
زلف او را بدست بگرفتم	زنخ گرد او بہ دستِ دگر
راست گفتی، گرفتہ بُد چاکر	گوی و چوگان شہ بدست اندر

دیکھو تشبیب سے مدح کی تمہید کس خوبی سے پیدا کی ہے۔

فرخی سے پہلے مرثیہ کے اشعار بہت کم پاے جاتے ہین، اور جسقدر ہین معمولی درجہ کے ہین، لیکن **فرخی** نے سلطان **محمود** کا جو مرثیہ لکھا، وہ نہ صرف پُر درد اور پُر تاثیر ہے بلکہ اِس فن کے تمام اُصول اور آئین اِس سے قائم ہو سکتے ہین،

مرثیہ گوی کے بڑے اُصول تین ہین۔

۱۔ ممدوح کی عظمت وشان کا ذکر کیا جاے تاکہ اُس سے عبرت کا سبق حاصل ہو کہ اِس پایہ کا شخص اُٹھ گیا۔

۲۔ اِسکے مرنے سے ملک مین جو رنج وماتم برپا ہے، اِسکا ذکر کیا جاے۔

۳۔ اُسکو مخاطب کرکے ایسے خیالات ظاہر کیے جائین جس سے یہ ثابت ہو کہ انتہاے وارفتگی اور مدہوشی کی وجہ سے مرثیہ کہنے والے کو اُس کے مرنے کی بھی خبر نہین، اور وہ ابتک اُسکو اسی طرح مخاطب کرکے باتین کرتا ہے جس طرح زندگی مین کرتا تھا

فرخی کے مرثیہ مین یہ تمام باتین پای جاتی ہین، اسکے ساتھ الفاظ، بندش، اور طرز ادا اسقدر موثر ہے کہ پتھر کا دل بھی پانی ہو جاتا ہے۔

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار	چہ فتاد ست کہ امسال دگرگون شد کار

غزنین اب وہ نہین ہی جو مینے پارسال دیکھا تھا

کو بہا بینم پر شورش و سرتا سر کوے

دیکھتا ہون کہ تمام گلیون مین شور برپا ہی اور اِس سرے سے اُس سرے تک

مہتران بینم بر روے زنان ہمچو زنان

بڑے بڑے سردار عورتون کی طرح منھ پیٹ رہے ہین

ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا

شاید اس سال بادشاہ جہاد سے واپس نہین آیا

سیرے خوردہ مگر دی، کہ بخفتہ ست امروز

غالباً رات بہت شراب پی گیا اسلیئے ابتک سو رہا تھا

خیز شاہا! کہ رسولان شہان آمدہ اند

اے بادشاہ اُٹھ! بادشاہون کے قاصد آئے ہین

کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا

کس کی طاقت ہی کہ تجکو اس نیند سے جگا سکے

خفتن بسیار اے خواجہ خوے تو نبود

اے آقا دیر تک سونا تو تیری عادت نہ تھی

یکدمک بارے در خانہ بایست نشست

ذرا دیر تو تجکو دربار مین آکر بیٹھنا چاہیے تھا

اس سال کیا پیش آیا کہ وہ حالت بالکل بدل گئی

ہمہ پر جوشن و جوشن در او پر خیل و سوار

جوشن پوش گھوڑون اور سوارون کے ٹھٹ کے ٹھٹ ہین

چشمہا کردہ ز خون نابہ برنگ گلنار

اور اُنکی آنکھین خون سے رنگین ہو گئی ہین

دشمنے روے نہادست درین شہر و دیار

اس وجہ سے ملک مین کوئی دشمن آپہنچا ہے

دیرتر خاست مگر رنج رسیدش ز خمار

چونکہ خمار کی تکلیف ہی، اسلیئے آج دیر مین اُٹھے گا

زاہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار

جو کثرت سے ہر قسم کے ہدیے اور تحفے لائے ہین

خفتنی خفتنی، کز خواب نگردی بیدار

تو ایسی نیند سویا کہ اب پھر نہ جاگے گا

ہیچ کس خفتہ ندیدست ترا زین کردار

کسی نے اس طرح تجکو سوتے نہین دیکھا تھا

تا بدیدندے روے تو عزیزان و تبار

کہ عزیز اور قریب تیرا چہرہ دیکھ لیتے

بحصار از فزع و بیم تو رفتند شہان		تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بحصار
تیرے ڈر سے تو تمام سلاطین قلعون مین بھاگ کر چھپ گئ		تو کس کے ڈر سے قلعہ مین بھاگ کر چھپا ہے
شعرا را بہ تو بازار بر افروختہ بود		رفتی و با تو بیکبارہ برفت آن بازار
تیرے دم سے شاعرون کا بازار گرم تھا		تو گیا، اور وہ بازار بھی جاتا رہا

صنائع شاعری مین ایک چیز تلمیح یعنی کسی قصۂ طلب واقعہ سے مضمون پیدا کرنا ایک لطیف صنعت ہی، فرخی اس صنعت کا استعمال نہایت خوبی سے کرتا ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت آدم نے جب بہشت مین گیہون کھالیا تو اُنکے بدن کے کپڑے خود بخود اُتر گئے اور وہ بالکل برہنہ رہ گئے، فرخی نے اس واقعہ سے خزان کی تعریف مین مضمون پیدا کیا،

گر درخت شگوفہ گناہِ آدم کرد		کز لباس چو آدم ہمی شود عریان

نوشیروان نے زنجیر عدل قائم کی تھی یعنی ایوان شاہی مین ایک زنجیر لٹکا دی تھی کہ جس کسی کو کچھ شکایت ہو وہ زنجیر آکر ہلادے، زنجیر کے ہلنے کے ساتھ وہ کسی حالت مین ہوتا، باہر نکل آتا تھا، دیکھو فرخی اس سے مضمون پیدا کرتا ہے۔

من چو مظلومان، از سلسلۂ نوشیروان		اندر آویختہ زان سلسلۂ زلف دراز

مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام ہوا کے تخت پر بیٹھ کر سیر کیا کرتے تھے فرخی نے اس سے تشبیہ کا کام لیا،

پے بازیِ گوے شد خسرو		بر یکے تازی اسپ کہ پیکر

راست گفتی بہ بادؔ بر جسم بود	گر بود باد را ستام بہ زر

حضرت موسیٰ جب رود نیل پر پہنچے تو دریا بیچ مین سے پھٹ کر سیدھی سڑک نکل آئی جس سے تمام بنی اسرائیل پار اُتر گئے، فرخی کہکشان کی تعریف من کہتا ہے۔

معجزہ چون بدریا راہ موسے	کہ اندر قعر او بگزشت لشکر

صنائع و بدائع، عارض سخن کے داغ ہین تاہم چونکہ اس زمانہ مین اسکا رواج عام ہو چکا تھا، فرخی کے کلام مین بھی یہ داغ پائے جاتے ہین لیکن چندان بدنما نہین معلوم ہوتے، لف و نشر، اور صنعت تقسیم کو ایک قصیدہ مین جمع کیا ہے۔

در رگ و اندر تن و اندر دل و اندر دو چشم

خواب و صبر و روح و خون را اے مرا افتاد انقلاب

رنج دارد جاے خون و درد دارد جاے روح

عشق دارد جاے صبر و آب دارد جاے خواب

ہشت چیز او بردا زہشت مایہ ہشت چیز

سال و ماہ این ہشت چیزش را ہمین است اکتساب

حلم او سنگ زمین و طبع او لطف ہوا

روے او دیدار ماہ دوست او جود سحاب

رسم او حسن بہار و لفظ او قدر شکر

خلق او باز از مشک و خوے او بوے گلاب

ے یعنی بہ باد۔

هشت چیزش را برابر یافتم با هشت چیز
هر یکے زان هشت سوے فضل او دارد آب

تیغ او را با قضا و تیر او را با قدر
اسپ او را با سپهر و خشتِ او را با شهاب

حزم او را با امان و عزم او را با ظفر
لفظ او را با قرآن و حفظ او را با کتاب

صنعتِ سوال و جواب،

بریخت که؟ گل سوری، چه ریخت؟ برگ، چرا؟
ز هجر لاله کجا رفت لاله؟ شد پنهان

ازان چه خیزد؟ دُرّ و ازین چه خیزد؟ زر
سخا که ورزد؟ این و عطا که بخشد؟ آن

فردوسی

حسن بن اسحاق بن شرف نام، اور فردوسی[1] تخلص تھا، دولت شاہ کا بیان ہے کہ کہین کہین وہ اپنا تخلص ابن شرف شاہ بھی لاتا ہے، مجالس المومنین مین بعض مورخون کے حوالہ سے اسکے باپ کا نام منصور بن فخر الدین احمد بن مولانا فرخ بیان کیا ہے وطن مین بھی اختلاف ہے، چہار مقالہ مین ہے کہ طبرستان کی نواحی مین باژ نام ایک گاؤن تھا فردوسی یہین کا رہنے والا تھا، دیباچہ شاہنامہ، مین گاؤن کا نام شاداب لکھا ہے، بہرحال اسقدر عموماً مسلّم ہے کہ فردوسی کا وطن طوس کے اضلاع مین تھا، اور یہ وہی مردم خیز صوبہ ہے جس کی خاک نے امام غزالی، اور محقق طوسی پیدا کئے۔

فردوسی کا وطن

سنہ ولادت معلوم نہین، البتہ سال وفات ۴۱۱ھ ہے، اور چونکہ عمر کم از کم ۸۰ برس کی تھی جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے۔

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد		امیدم بیکبارہ بر باد شد	

[1] فردوسی کا حال، تمام تذکرون مین بتفصیل مذکور ہے لیکن سب مین باہم سخت اختلاف ہے، ان مین سب سے زیادہ قابل اعتبار چار مقالہ ہے، جکا مصنف خود نامور شاعر اور فردوسی کا قریب العہد ہے تاہم اسمین بھی سخت غلطیان ہین۔ تیمور کے پوتے بای سنقر نے فضلا سے شاہنامہ پر جو دیباچہ لکھوایا تھا، اُسمین فردوسی کی مفصل سوانح عمری ہے لیکن بعض واقعات ایسے لغو لکھے ہین کہ اعتبار اٹھ جاتا ہے، دولت شاہ سمرقندی نے بھی کسی قدر تفصیل سے حالات لکھے ہین اور وہ بھی غلطیون سے خالی نہین، عربی مصنفین مین سے صرف قزوینی نے آثار البلاد مین اسکا حال لکھا ہے ہم نے ان سب مین سے واقعات لیے ہین، لیکن جابجا انکی غلطیون کی بھی تصریح کردی ہے۔

اسلئے سال ولادت تقریباً ۳۲۹ھ سمجھنا چاہیے۔

فردوسی کی ولادت

فردوسی جب پیدا ہوا تو اسکے باپ نے خواب مین دیکھا کہ نوزائیدہ بچے نے کوٹھے پر چڑھ کر نعرہ مارا، اور ہر طرف سے لبیک کی صدائین آئین، صبح کو جاکر نجیب الدین سے جو اُس زمانہ کے مشہور معبّر تھے، تعبیر پوچھی، اُنھون نے کہا، یہ لڑکا شاعر ہوگا اور اسکی شاعری کا غلغلہ تمام عالم مین پھیلیگا، سن رشد کو پہنچکر تحصیل علوم مین مشغول ہوا اور تمام درسی علوم حاصل کیئے، چونکہ آبائی پیشہ زمینداری تھا، اور جس گاؤن مین سکونت تھی خود اسکی مِلک مین تھا، اسلیے معاش کی طرف سے فارغ البال تھا[۱]، وہ اطمینان کے ساتھ علمی مشغلون مین بسر کرتا تھا اور کتب بینی کیا کرتا تھا۔

شاہنامہ کی ابتدا اور دربار مین رسائی

یہ واقعہ جسقدر قطعی ہے اُسیقدر اسکی تفصیل مین اختلاف ہے عام روایت یہ ہے کہ فردوسی دادرسی کے لیے محمود کے دربار مین گیا، یہان اسکی شاعری کا جوہر کھُلا، اور شاہنامہ کی تصنیف پر مامور ہوا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، فردوسی نے خود بیان کیا ہے کہ شاہنامہ کی تصنیف مین ۳۵ برس صرف ہوئے۔

سی و پنج سال از سرائے سپنج	بے رنج بردم بہ امید گنج
چو بر باد دادند گنجِ مرا	نبد حاصلے سی و پنج مرا

اور سلطان محمود کی کل مدت سلطنت ۳۱ برس ہی۔

شاہنامہ کے دیباچہ مین فردوسی نے خود جو سبب تصنیف بیان کیا ہے اُس سے

[۱] چہار مقالہ صفحہ ۶۰

بھی اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمود کے دربار مین پہنچنے سے بہت پہلے وہ شاہنامہ شروع کرچکا تھا، تفصیل ان واقعات کی، شاہنامہ کے سبب تصنیف مین آگے آئیگی۔

شاہ نامہ کی ابتدا

بہرحال اسقدر یقینی ہے کہ فردوسی نے وطن ہی مین شہنامہ کی ابتدا کی اور ابو منصور نے جو طوس کا صوبہ دار تھا، اسکی سرپرستی کی، ابو منصور کے مرنے کے بعد طوس کا عامل سلطان خان مقرر ہوا چونکہ شاہنامہ کا اب ہر جگہ چرچا پھیلتا جاتا تھا، سلطان محمود کو بھی خبر ہوئی، سلطان خان کے نام حکم پہنچا کہ فردوسی کو دربار مین بھیجدو، فردوسی نے پہلے تو انکار کیا، لیکن پھر شیخ معشوق کی پیشین گوئی یاد آئی، اس لیے راضی ہوگیا اور طوس سے چلکر ہرات مین آیا لیکن اِدھر درانداز یان شروع ہوگیئن، دربار کا میرمنشی بدیع الدین دبیر تھا، اسی نے عنصری سے کہا کہ بادشاہ کو مدت سے شاہ نامہ کی تصنیف کا خیال تھا لیکن دربار کے شعرا مین سے کسی نے اس کی ہامی نہین بھری اب اگر فردوسی سے یہ کام بن آیا تو تمام شعراے دربار کی آبرو خاک مین ملجائے گی، عنصری نے کہا بادشاہ سے یہ تو نہین کہا جاسکتا کہ فردوسی کو اُلٹا پھیر دیجئے، لیکن اس کی اور تدبیر کرنی چاہیے، چنانچہ فردوسی کے پاس ایک قاصد بھیجا[1] کہ یہان کا قصد بیفائدہ ہے سلطان کو یون ہی ایک خیال پیدا ہوا تھا جسکی بناپر آپ کی طلبی کا حکم صادر ہوا لیکن اس دن سے آج تک پھر کبھی ذکر تک نہین آیا، اسلیئے حقیقت واقعہ سے آپ کو اطلاع دیدی گئی، فردوسی نے ہرات سے واپس جانا چاہا لیکن ساتھ ہی

[1] دیباچہ نویسون نے عنصری کے ساتھ رودکی کا نام بھی لکھا ہے لیکن رودکی اس سے پہلے ۳۲۹ھ مین مرچکا تھا

خیال پیدا ہوا کہ شاید اسمین کچھ بھید ہو- اتفاق سے عنصری اور بدیع الدین دبیر مین شکر رنجی پیدا ہوئی عنصری نے فردوسی کو جو خط لکھا تھا، بدیع الدین ہی کے مشورہ سے لکھا تھا، اب بدیع الدین نے فردوسی کے پاس قاصد بھیجا کہ فوراً ادھر کا عزم کیجئے عنصری نے جو لکھا خود غرضی سے لکھا تھا- فردوسی نے خط کے جواب مین لکھ بھیجا کہ مین آتا ہون - یہ اشعار بھی خط مین درج کیے

بگوش از سروشم بسے مژدہ ہاست	دلم گنج گوہر زبان اژدہاست
چہ سنجد بہ میزان من عنصری	گیا چون کند پیش گلبن سرے

غرض ہرات سے چلکر غزنین مین آیا اور ایک باغ کے قریب ٹھہرا، وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی، شہر مین جن لوگون سے راہ و رسم تھی اُنکو اپنے آنے کی اطلاع دی، چلتا پھرتا باغ مین جا نکلا حُسن اتفاق سے دربار کے ممتاز شعرا یعنی عنصری، فرخی، عسجدی باغ مین سیر کو آئے تھے، اور بادہ و جام کا دور چل رہا تھا، فردوسی اُدھر جا نکلا، حریفون نے اسکو مخل صحبت سمجھ کر روکنا چاہا، ایک نے کہا کہ اسکو چھیڑا جائے تو خود تنگ آکر چلا جائیگا، عنصری نے کہا، یہ تہذیب اور آدمیت کے خلاف ہے، آخر رائے قرار پائی کہ رباعی کا ایک مصرع طرح کیا جائے سب اس مین طبع آزمائی کرین اگر یہ بھی مصرع لگائے، تو شریک صحبت کر لیا جائے ورنہ خود شرمندہ ہو کر اُٹھ جائیگا-

عنصری نے ابتدا کی اور کہا ع چون عارض تو ماہ نباشد روشن-

شعرا کا معرکہ

فرخی نے کہا- مانند رخت گل نبود در گلشن-

عسجدی نے کہا - مژگانت ہمی گزر کند از جوشن ۔

قافیون مین شین کا التزام تھا اور اس التزام کے ساتھ کوئی شگفتہ، قافیہ باقی نہین رہا تھا فردوسی نے برجستہ کہا ع مانند سنان گیو در جنگ پشن،

سب نے گیو اور پشن کی تلمیح پوچھی، فردوسی نے تفصیل بیان کی، اُسوقت تو سب نے اسکو شریک صحبت کرلیا، لیکن رشک اور حسد، ایشیائی قومون کا خاصہ ہے، سب نے سازش کی کہ فردوسی دربار تک نہ پہنچنے پائے [1]

بعض روایتون مین ہے کہ یہ مشاعرہ خود سلطان محمود کے دربار مین ہوا تھا۔

سلطان محمود کے ندیمون مین ماہک نام ایک شخص صاحب مذاق تھا، اُس سے ہین باغ مین ملاقات ہوگئی تھی، فردوسی کی شیرین زبانی اور قابلیت دیکھکر گرویدہ ہوا اور اپنے گھر مین لاکر رکھا، کھانے کے بعد فردوسی سے اسکا حال دریافت کیا، اُس نے اپنی ساری داستان بیان کی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان نے شاہنامہ کی تصنیف کا حکم دیا تھا اور سات شاعر یعنی عنصری، فرخی، زینی، عسجدی منجیک چنگ زن خرمی، ابوبکر، اسکاف، ترمذی اس کام کے لیے انتخاب ہوے تھے۔

ماہک نے فردوسی سے شاہنامہ کی تصنیف، اور شعرا کے انتخاب کا ذکر کیا

[1] یہ دیباچہ شاہنامہ کی روایت ہے دولت شاہ کا بیان ہے کہ اس امتحان کے بعد عنصری نے فردوسی کی تحسین کی اور خود دربار شاہی مین اسکو لیجاکر پیش کیا۔

فردوسی نے کہا، مین بھی شعر کہتا ہون موقع ہو تو دربار مین میرا بھی ذکر کر دینا، ماہک نے اسی دن دربار مین جاکر فردوسی کی تقریب کرنی چاہی لیکن موقع نہ ملا اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا، ایک دن ماہک نے دربار سے آکر بیان کیا کہ آج تمام شعرا دربار مین حاضر تھے اور شاہنامہ کی مختلف داستانین سنائی جارہی تھین، عنصری نے رستم وسہراب کی داستان نظم کی تھی، جب یہ دو شعر پڑھے۔

دربار مین پہنچنے کی تقریب

ہر آنکہ کہ تشنہ شدی تو بخون زمانہ بخون تو تشنہ شود		بیالودی این خنجر آب گون بہ اندام تو موے دشنہ شود	

تو سلطان محمود نے نہایت پسند کیا، اور حکم دیا کہ عنصری ہی اس خدمت کے لیے مقرر کیا جائے، فردوسی اُسوقت چپکا ہو رہا اور خود یہ داستان نظم کرنی شروع کی، رات کو جب معمول کے موافق کھانے پر بیٹھے تو فردوسی نے کہا عنصری سے پہلے شعرا نے رستم وسہراب کی داستان نظم کی ہے چنانچہ خود میرے پاس ایک نظم موجود ہے جسکے آگے عنصری کے اشعار کی کچھ حقیقت نہین، یہ کہکر نظم حوالہ کی، سرنامہ تھا۔

کنون خورد باید مئے خوشگوار ہوا پُر خروش و زمین پر زجوش ہمہ بوستان زیر برگ گل است		کہ می بوے مشک آرد از جویبار خنک آنکہ دل شاد وارد بہ نوش ہمہ کوہ پر لالہ و سنبل است

ماہک نے سلطان محمود کی خدمت مین جاکر تمہید کے ساتھ پیش کی محمود نے پوچھا کہ یہ جوہر کہان سے ہات آئے ماہک نے فردوسی کا نام لیا، اُسی وقت طلبی ہوئی، محمود نے نام ونشان

پوچھا، فردوسی نے کہا طوس کا باشندہ ہوں محمود نے اس کے حالات پوچھے، اور اسی سلسلہ مین پوچھا کہ طوس کب سے آباد ہے اور کسنے آباد کیا، فردوسی نے تفصیل سے تمام واقعات بیان کیے، محمود نے شعراے سبعہ کو بلوایا اور فردوسی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ رستم و سہراب کی داستان اسی نے نظم کی ہے فردوسی نے اس کے اشعار سُنائے تو سب حیرت زدہ رہ گئے، محمود نے خلعت عطا کیا، شعرا نے تحسین کی صدا بلند کی، عنصری نے بڑھ کر، فردوسی کے ہات چوم لیے اس زمانہ مین امرد پرستی عیب نہین سمجھا جاتا تھا، محمود نے فردوسی سے فرمائش کی کہ ایاز کے سبزۂ خط کی تعریف مین کچھ کہے، فردوسی نے برجستہ کہا۔

بدیہہ گوئی کا امتحان

مست است بتا چشم تو و تیر بدست	بس کس کہ ز تیر چشم مست تو بخست
گر پوشد عارضت زرہ، عذرش است	کز تیر بترسد ہمہ کس خاصہ ز مست

یعنی معشوق کی آنکھین مست اور تیر بکف ہین، اُن تیرون نے ہزارون کے دل چھلنی کر دیے ہین اسلیئے اُن سے بچنے کے لیے رخسارون نے زرہ پہن لی ہے رخط کو زرہ سے تشبیہ دی ہے) کیونکہ مست سے سبھی ڈرتے ہین، خصوصًا جب اُس کے ہاتھون مین تیر ہو۔

شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد ہوئی

محمود نہایت محظوظ ہوا اور شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد کی، ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ فردوسی کو ایوان شاہی کے قریب ایک مکان دیا جائے جو تمام ضروری سازوسامان سے آراستہ ہو، اور آلات جنگ، اسلحۂ حرب، شاہان عجم اور بہادرون کی

پہلوانون کے مرقعون اور تصویرون سے سجادیا جائے، ایک ایک شعر پر ایک ایک اشرفی صلہ مقرر ہوا اور حکم ہوا کہ جب ہزار شعر تک نوبت پہنچ جائے تو ہزار اشرفیان دیدیجایا کرین، لیکن فردوسی نے متفرق رقم سے انکار کیا، اور کہا کہ جب کتاب پوری ہوجائیگی تو ایک ساتھ لونگا۔

فردوسی جب وطن مین تھا تو اکثر ایک چشمہ کے کنارے بیٹھا کرتا، اور آب روان کی سیر سے لطف اُٹھاتا، چشمہ کے اوپر بند تھا جو برسات کے زمانہ مین ٹوٹ جاتا تھا، اور اس وجہ سے پانی گدلا ہوجاتا تھا، فردوسی کی طبیعت اس سے مکدر ہوتی تھی، قصد کیا کہ بند کو پختہ کرادے، لیکن اتنا مقدور نہ تھا، شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو نیت کی کہ جو کچھ صلہ ملے گا بند کی تیاری مین صرف کرونگا، یہ وجہ تھی کہ اُسنے **شاہنامہ** کا صلہ متفرق طور پر لینا پسند نہ کیا۔

فردوسی نے متصل ۴ سال تک غزنین مین قیام کیا، اور شاہنامہ کی تصنیف مین مصروف رہا، پھر وطن گیا اور کئی برس رہ کر واپس آیا[1]، اس اثنا مین جو حصہ طیار ہوچکا تھا، محمود کے حضور مین پیش کیا اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کئے۔

شاہنامہ کی تصنیف کے بیسوین سال جبکہ اسکی عمر ۶۵ برس کی تھی، اسکے جوان بیٹے کا انتقال ہوگیا، فردوسی کو سخت رنج ہوا، چنانچہ اس واقعہ کا ذکر شاہنامہ مین کیا ہے۔

اگر بہرہ گیرم از بند خویش	بر اندیشم از مرگ فرزند خویش

اثنائے تصنیف مین بیٹے کا انتقال

[1] دولت شاہ۔

زبد ہا تو بودی مرا دستگیر	چرا راہ جستی ز ہمراہ پیر
مگر ہمرہان جوان یافتی	کہ از پیش من تیز بشتافتی
جوان را چو شد سال بر سی و ہفت ۳۷	نہ بر آرزو یافت گیتی و رفت
ہمی بود ہموارہ با من درشت	بر آشفت و یکبارہ بنمود پشت
مرا شصت و پنج ۶۵ و ورا سی و ہفت	نپرسید ازین پیر و تنہا برفت

علمی تاریخ کا یہ نہایت ناگوار واقعہ ہے کہ **فردوسی** کو اُسکی اعجاز بیانی کی داد نہین ملی یعنی جب شاہنامہ تیار ہوا تو اُسکو اشرفیون کے بجائے روپے دلوائے گئے۔

فردوسی کی ناکامی اور اسکا سبب

یہ واقعہ عموماً مسلّم ہے، لیکن اسباب مختلف بیان کئے گئے ہین اور سب باہم متناقض ہین۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ چونکہ فردوسی نے **ایاز** کی طرف کبھی رُخ نہین کیا اسلیے اُسنے دراندازی کی اور محمود کو یقین دلایا کہ فردوسی رافضی ہے، نظامی عروضی کا بیان ہے کہ دربار کا بڑا گروہ وزیر اعظم **حسن میمندی** کا مخالف تھا اور چونکہ فردوسی کا مربی اور سرپرست وہی تھا اسلیئے اُسکی ضد پر اس گروہ نے محمود کے کان بھرے اور فردوسی کو معتزلی اور رافضی ثابت کیا، دیباچہ مین ہے کہ فردوسی کو خود حسن میمندی نے تباہ کیا جسکی وجہ یہ تھی کہ غزنین اور اطراف وجوانب کے امرا فردوسی کو طرح طرح کے تحفے بھیجتے تھے، فردوسی بھی اشعار کے ذریعہ سے اُنکا شکریہ ادا کرتا تھا حسن کو یہ ناگوار معلوم ہوتا تھا، لیکن فردوسی کچھ پروا نہین کرتا تھا اور کہتا تھا۔

من بندہ کز مبادی فطرت نبودہ ام	مائل بہ مال ہرگز وطامع بجاہ نیز
سوے در وزیر چرا ملتفت شوم	چون فارغم ز بارگہ بادشاہ نیز

حسن میمندی مذہبًا خارجی تھا اور فردوسی شیعہ، اسلیے بھی اسنے فردوسی کی مخالفت کی، ان تناقض روایتون مین سے کسپر اعتبار کیا جائے[1]

دیباچہ نویسون نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے اور اسپر اُن کو ناز ہے، وہ یہ کہ فردوسی نے شاہنامہ مین جابجا شرافتِ نسب کو بڑی آب وتاب سے لکھا ہے، اور یہ سلطان محمود کو اسوجہ سے ناگوار ہوتا تھا کہ وہ غلام زادہ تھا اسلیے شرافت کی خوبی پر زور دینا، گویا درپردہ اسپر چوٹ تھی۔

[1] سلطان محمود کی مدت حکومت مین تین شخصون کو وزارت کا رتبہ ملا، سب سے پہلے فضل ابن احمد اس منصب کا ممتاز ہوا وہ ابتدا مین سامانی خاندان کا نائب میر منشی تھا۔ پھر سبکتگین کے دربار مین وزارت کے رتبہ پر پہنچا، سبکتگین کے بعد، سلطان محمود نے اسکا عہدہ بحال رکھا، علم وفن سے عاری تھا لیکن مہمات سلطنت کے انتظام مین خداداد ملکہ رکھتا تھا، دس برس وزارت کرنے کے بعد سلطان محمود نے رقابت کی بناپر معزول کردیا، اسکے بعد حسن میمندی وزیر مقرر ہوا، اٹھارہ سال کے بعد وہ بھی معزول ہوا اور حسن بن محمد کو وزارت[2] کی سندملی، فردوسی نے فضل بن احمد کی مدح شاہنامہ مین لکھی ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ محمد کے دربار مین اسی نے فردوسی کی تقریب کی ہوگی اور بالآخر جس نے محمود کو فردوسی کی ناکامی پر متوجہ کیا، وہ حسن بن محمد ہوگا۔

[2] حبیب السیر مین ان وزرا کے حالات کسی قدر تفصیل سے مذکور ہین۔

تذکرہ نویسون کا فیصلہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کے شیعہ پن کی وجہ سے اس کی قدردانی مین کمی کی، لیکن اولاً تو محمود کے دربار مین بہت سے شیعی علما و فضلا تھے جو نہایت قدر و عزت سے بسر کرتے تھے، **ابوریحان بیرونی** جو علانیہ شیعہ تھا محمود نے خود فرمان بھیجکر اسکو بلایا تھا اور نہایت قدردانی کرتا تھا، دربار مین ہندو، عیسائی، یہودی ہر مذہب و ملت کے اہل کمال تھے، فردوسی نے کیا قصور کیا تھا۔

دیباچہ مین ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ قرین قیاس ہے۔

سلطان محمود کو دیلمی خاندان سے سخت عداوت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ متعصب شیعہ تھے (دیباچہ مین رافضی کا لفظ تھا جسکو ہم نے بدل دیا) اس خاندان کا تاجدار **فخرالدولہ** تھا وہ فردوسی کا نہایت قدردان تھا، جب فردوسی نے رستم و اسفندیار کی داستان نظم کی تو اسنے صلہ کے طور پر ہزار اشرفیان بھیجین اور لکھا کہ اگر آپ یہان تشریف لائین تو نہایت اعزاز و احترام کیا جائیگا، یہ خبر تمام غزنین مین پھیل گئی، محمود نے سُنا تو اُسکو ناگوار گزرا،

اس اجمال کی توضیح یہ ہے کہ سلاطین دیلم عموماً سخت متعصب شیعہ تھے ۳۵۱ھ مین معزالدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد کی تمام مسجدون کی دیوارون پر یہ عبارت لکھی گئی "امیر معاویہ اور غاصب فدک پر لعنت ہے" رات کو لوگون نے یہ عبارت مٹادی معزالدولہ نے دوبارہ لکھنے کا حکم دیا لیکن وزیر مہلبی نے رائے دی کہ صرف اسقدر لکھوا دیا جائے "ظالمین آل محمد پر لعنت ہے" البتہ معاویہ کا نام بہ تصریح لکھا جائے، چنانچہ

اِس حکم کی تعمیل ہوئی[1]، یہ تعصب روز بروز بڑھتا گیا، سیوطی ۴۲۰؁ھ کے واقعات مین لکھتے ہین۔

وفی هذه السنة وبعدها غلا الرفض	اس سنہ مین اور اسکے بعد مصر شام اور شرق
وفار بمصر والشام والمشرق والمغرب	و غرب مین رفض اُبل پڑا۔

فرقہ باطنیہ جو مسلمانون کو چھپ چھپ کر قتل کرتا رہتا تھا، انکی بڑی جمعیت دیلمیون ہی کے زیر حمایت تھی، چنانچہ جب ۴۲۰؁ھ مین سلطان محمود نے مجد الدولہ دیلمی کو گرفتار کیا تو باطنیون کا ایک گروہ عظیم اسکے ساتھ تھا اِن اسباب سے محمود کو دیلمیون کے ساتھ نہ صرف مذہبی بلکہ پولٹیکل دشمنی تھی اِس لیے وہ فردوسی کے ساتھ فخر الدولہ دیلمی کی خط و کتابت کو مصالح ملکی کے لحاظ سے بھی گوارا نہین کرسکتا تھا[2]۔

بہر حال وجہ کچھ ہو، واقعہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کی قدردانی کا حق ادا نہ کیا فردوسی حمام مین نہا رہا تھا کہ شاہنامہ کا صلہ پہنچا، فردوسی حمام سے نکلا تو ایاز نے روپے کی تھیلیان پیش کین، فردوسی نے بڑی بیتابی سے دستِ شوق بڑھایا لیکن سونے کے پھل کے بجائے چاندی کے پھول تھے، فردوسی کے دل سے بیساختہ آہ نکلی، تھیلیان کھڑے کھڑے لٹا دین اور ایاز سے کہا کہ بادشاہ سے کہنا کہ "مین نے یہ خون جگر اِن سفید دانون کے لیے نہین کھایا تھا"، ایاز نے محمود سے ساری کیفیت بیان کی، محمود نے حسن میمندی کو بلا کر ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ تیری دراندازی نے مجھکو بدنام کردیا،

---

[1] ابن الاثیر واقعات ۴۰۱؁ھ [2] ابن الاثیر واقعات ۴۲۰؁ھ

سمیندی نے کہا کہ حضور خاک کی ایک چٹکی بھیجدیتے تب بھی فردوسی کو آنکھوں سے لگانا تھا انعام شاہی کا رد کرنا بڑی گستاخی ہے" اس چبھتے ہوئے فقرہ نے محمود کے دل مین بھی اثر کیا، اور برہم ہو کر کہا کہ کل مین اس قرمطی کو اس گستاخی کا مزہ چکھاؤنگا، فردوسی کو خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوا، صبح کو محمود باغ مین آیا تو فردوسی نے دوڑ کر پاؤن پر سر رکھ دیا اور بدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

چو در ملک سلطان کہ خرّم شود		بسے ہست ترسا و گبر و یہود	
گرفتند در ظل عدلش قرار		شدہ ایمن از گردش روزگار	
چہ باشد کہ سلطان گردون شکوہ		رہے را شمارد یکے زان گروہ	

غلام ١٢

سلطان محمود کو رحم آیا، اور اسکی تقصیر معاف کی،

غزنین سے چلتے وقت فردوسی نے ایاز کو ایک لفافہ سربمُہر دیا اور کہا کہ میرے جانے کے ۲۰ دن بعد بادشاہ کو دینا، فردوسی ہرات کو روانہ ہوا، محمود نے لفافہ کی مُہر کھولی تو ہجو کے اشعار تھے۔ سلطان محمود کی ہجو

یکے بندگی کردم اے شہریار		کہ ماند ز تو در جہان یادگار	
پے افگندم از نظم کاخ بلند		کہ از باد و باران نیابد گزند	
بسے رنج بردم درین سال سی		عجم زندہ کردم بدین پارسی	
چو بر باد داوند گنج مرا		نہ بُد حاصلے سی و پنج مرا	
اگر شاہ را شاہ بودے پدر		بسر بر نہادے مرا تاج زر	

دگر مادرِ شاہ بانو بُدے	مرا سیم و زر تا بزانو بُدے
پرستار زادہ نیاید بکار	وگر چند دارد پدر شہریار
سرِ ناسزایان برافراشتن	وزیشان امید بہی داشتن
سرِ رشتۂ خویش گم کردن است	بہ جیب اندرون مار پروردن است
درختے کہ تلخ است ویرا سرشت	گرش بر نشانی بہ باغ بہشت
ور از جوی خلدش بہ ہنگام آب	بہ بیخ انگبین ریزی و شہد ناب
سرانجام گوہر بہ کار آورد	ہمان میوۂ تلخ بار آورد
ز بد اصل چشم بہی داشتن	بود خاک در دیدہ انباشتن
ازان گفتم این بیتہاے بلند	کہ تا شاہ گیرد ازین کار پند
کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا	بماند ہجا تا قیامت بجا

کلام کی جہانگیری دیکھو، محمود نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتین مٹا دین، ملک کے ملک غارت کر دیے، عالم کو زیر و زبر کر دیا، لیکن فردوسی کی زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ہین اور قیامت تک نہین مٹ سکتے۔

فردوسی کا غزنین سے نکلکر آوارہ پھرنا

فردوسی غزنین سے نکلا تو اس بے سروسامانی سے نکلا کہ ایک چادر اور عصا کے سوا، کچھ پاس نہ تھا، احباب اور قدر دانون کی کمی نہ تھی لیکن معتوب شاہی کو کون پناہ دے سکتا تھا تاہم ایاز نے یہ جرأت کی کہ جب فردوسی شہر سے باہر نکل گیا تو مخفی طور پر، کچھ نقدی اور سامان سفر بھجوا دیا، فردوسی ہرات مین آیا اور اسمٰعیل وراق کے ہان

مہمان ہوا، چونکہ سلطان محمود نے ہر طرف فرمان بھیجدیے تھے کہ فردوسی جہان ہات آئے گرفتار کرکے بھیجدیا جائے چھ مہینے تک روپوش رہا، شاہی جاسوس ہرات مین آئے لیکن فردوسی کا پتہ نہ لگا سکے، اب اُس نے ہرات سے طوس کا رُخ کیا، طوس سے قہستان گیا، ناصر لک یہان کا حاکم تھا اسکو خبر ہوئی تو ندیمان خاص کو استقبال کے لیے بھیجا اور نہایت اخلاص کے ساتھ پیش آیا، فردوسی نے ایک مثنوی لکھنی شروع کی تھی جس مین حاسدون کی درازی، اپنی مظلومی، اور سلطان محمود کی بدعہدی و ناقدر دانی کا ذکر تھا،

سلطان محمود کی شکایت کے اشعار

بہ غزنین مرا گرچہ خون شد جگر	زبیداد آن شاہ بیداد گر
گزان ہیچ شد رنج سی سالہ ام	شنید از زمین آسمان نالہ ام
ہمی خواستم تا فغانہا کنم،	بہ گیتی از و داستانہا کنم
بگویم ز ہاذرش وہم از پدرش	نہ ترسم بغیر از خداوند عرش
چو دشمن نمیداند از دوست باز	بہ تیغ زبانش کنم پوست باز
ولیکن ز فرمودہ محتشم،	ندانم کزین بیش چون سر کشم
فرستادم ار گفتۂ داشتم	بہ نزدیک خود، ہیچ نگذاشتم
اگر باشد این گفتہا ناصواب	بسوزان در آتش بشو آن در آب
گزشتم ایا سرور نیک رائے	ازین داوری تا ابد مگیر سرائے

لہ چہار مقالہ ۱۲

رسد لطف یزدان بفریاد من — ستاند بجز از بدادمن ۔

فردوسی نے مثنوی کے اشعار ناصر لک کو سُنائے، تو اُس نے سمجھا یا کہ بدگوئی اہل کمال کی شان نہین ہے۔ مین لاکھ روپے ان اشعار کے معاوضہ مین دیتا ہون اشعار کہین ظاہر نہونے پائین، فردوسی نے منظور کیا، ناصر لک نے سلطان محمود کی خدمت مین عریضہ لکھا کہ فردوسی کے حق مین بڑا ظلم ہوا۔[۱]

فردوسی جب غزنین سے روانہ ہوا تھا تو جامع مسجد کی دیوار پر یہ اشعار لکھ آیا تھا۔

خجستہ درگہ محمود غزنوی دریاست	چگونہ دریاکان راکرانہ پید انیست
چہ غوطہ ہازدم واندرو ندیدم دُر	گناہ بخت من ست این گناہ دریانیست

اتفاق یہ کہ جسدن ناصر لک کا عریضہ پہنچا۔ سلطان نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد مین آیا تھا۔ اتفاق سے ان اشعار پر نظر پڑی۔ نہایت متاسف ہوا مسجد سے آکر، ناصر لک کا عریضہ دیکھا اور بھی مکدر ہوا جن لوگون نے فردوسی کے حق مین کانٹے بوئے تھے اُن کو بلا کر سخت تو بیخ کی کہ تمنے دنیا مین مجھکو بدنام کر دیا، ناصر لک نے گو فردوسی کی بہت کچھ خاطر مدارات کی تاہم سلطان محمود کے

[۱] یہ دیباچہ کی روایت ہی چہار مقالہ مین قہستان کے بجاے طبرستان اور ناصر لک کے بجاے سپہبد شیرزاد کا نام ہے دولت شاہ نے طبرستان کے بجائے۔ رستمدار لکھا ہے۔ طبرستان اور رستمدار درحل ایک ہی ہین۔ لیکن سپہبد اور ناصر لک دو شخص ہین۔ دولت شاہ نے ان مین سے ایک کو چھوڑ دیا ہی۔

ڈر سے اپنے پاس نہ ٹھہرا سکا۔ فردوسی یہان سے بھی نکلا اور ماژندران مین آیا۔ یہان وہ شاہنامہ کی نظرثانی مین مشغول ہوا۔

ماژندران کی حکومت قابوس بن وشمگیر کے خاندان مین چلی آتی تھی اور اس زمانہ مین سپہبد فرمان روا تھا، اس کو فردوسی کے آنے کی خبر ہوئی تو نہایت مسرت ظاہر کی اور فردوسی کو دربار مین بلایا۔ فردوسی نے مدحیہ اشعار اضافہ کر کے شاہنامہ پیش کیا سپہبد نے چاہا کہ فردوسی کو دربار سے نہ جانے دے، لیکن پھر سلطان محمود کا خیال آیا، ایک گران بہا صلہ بھیجکر کہلا بھیجا کہ محمود آپ سے ناراض ہے، اسلیے مین آپ کو ٹھہرا نہین سکتا آپ اور کہین تشریف لیجائیے۔

دیباچہ نویسون نے لکھا ہے کہ فردوسی یہان سے بغداد گیا، خلیفہ عباسی نے اسکی بڑی قدر کی۔ فردوسی نے عربی مین قصیدے لکھ کر پیش کیے اور اہل بغداد کی فرمائش سے یوسف زلیخا لکھی۔ سلطان محمود کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو خلیفہ عباسی کو تہدید کا خط لکھا کہ فردوسی کو فوراً یہان بھیجد یجئے۔ ورنہ بغداد ہاتھیون کو پاؤن کے نیچے ہوگا۔ وہان سے تین حرف الف لام میم لکھ کر آئے کہ سورۂ الم ترکیف کی طرف اشارہ تھا، لیکن یہ تمام بے سروپا مزخرفات ہین۔

ایک دفعہ سلطان محمود ہندوستان کی مہم سے واپس آرہا تھا راستہ مین دشمن کا قلعہ تھا، وہین ٹھہر گیا اور قاصد بھیجا کہ حاضر خدمت ہو کر اطاعت بجا لائے دوسرے دن قاصد جواب لایا لیکن ابھی کچھ کہنے نہین پایا تھا کہ محمود نے وزیر اعظم

سے کہا کہ دیکھ کیا جواب لایا ہے۔

وزیر نے برجستہ کہا،

اگر جز بکام من آمد جواب	من و گرز و میدان و افراسیاب

سلطان محمود نے تلافی مافات کا ارادہ کیا

محمود پھڑک اُٹھا اور پوچھا کس کا شعر ہے؟ وزیر نے کہا اُس بدقسمت کا جسنے ۱۵ برس خون جگر کھایا اور کچھ نہ حاصل ہوا، محمود نے کہا مجکو سخت ندامت ہے غزنین پہنچکر یاد دلانا۔ غرض پائے تخت مین پہنچکر ساٹھ ہزار اشرفیان فردوسی کے پاس روانہ کین لیکن تقدیر پر کس کا زور ہے۔ ادھر شہر کے ایک دروازے سے جسکا نام رودبار تھا صلہ پہنچا، اُدھر دوسرے دروازے سے فردوسی کا جنازہ نکل رہا تھا۔

بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ میسر	یاد آئی مرے عیسےٰ کو دوا میرے بعد

طوس مین ایک واعظ صاحب تھے اُنھون نے فتویٰ دیا کہ چونکہ فردوسی رافضی تھا اس کا جنازہ مسلمانون کے قبرستان مین دفن نہین ہو سکتا۔ ہر چند لوگون نے منت سماجت کی لیکن بدنفس واعظ نے ایک نہ مانی۔ مجبوراً شہر کے باہر ایک باغ مین کہ خود فردوسی کی ملک تھا۔ دفن کیا۔ سلطان محمود کو پرچہ گزرا تو حکم

لہ یہ واقعہ مختلف طریقون سے مروی ہے۔ مین نے جو روایت لکھی ہے نظامی سمرقندی سے مروی ہے اور اسلیے زیادہ معتبر ہے کہ اسنے ۵۱۴ھ مین امیر معزی (ملک الشعرا سلطان سنجر) سے سنی تھی۔ اور امیر معزی سے امیر عبدالرزاق نے بیان کی تھی، دیکھو چہار مقالہ واقعات فردوسی ۱۲

دیا کہ واعظ شہر سے نکال دیا جائے۔[1]

فردوسی نے اولاد ذکور نہین چھوڑی تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی شاہی صلہ اسکی خدمت مین پیش کیا گیا لیکن اُسکی بلند ہمتی نے گوارا نہ کیا کہ باپ جس چیز کی حسرت مین مرگیا اولاد اُس سے تمتع اُٹھائے، سلطان محمود کو اس کی اطلاع دی گئی۔ حکم دیا کہ اشرفیان امام ابوبکر اسحاق کے حوالے کیجائین کہ اس سے فردوسی کے نام پر ایک کاروان سرائے بنا دیجائے۔ ناصر خسرو نے سفر نامہ مین لکھا ہے کہ سنہ ۴۳۷ھ مین جب مین طوس مین پہنچا تو ایک بڑی کاروان سرا دیکھی۔ لوگون سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ فردوسی کے صلہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ فرہنگ رشیدی اور چہار مقالہ مین لکھا ہے کہ اسکا نام چاہہ ہے۔ اور مرو اور نیشاپور کے راستہ مین ہے۔

عام تذکرہ نویسون کا بیان ہے کہ فردوسی نے سنہ ۴۱۱ھ مین وفات پائی لیکن فردوسی نے شاہنامہ کے خاتمہ مین تصریح کی ہے کہ شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ مین انجام کو پہنچا۔

زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار ‏ ‏ ‏ کہ گفتم من این نامۂ شہریار

اسکے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہو کہ اسوقت اس کی عمر اسّی برس کی تھی۔

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد ‏ ‏ ‏ امیدم بیکبارہ بر باد شد

شاہنامہ کے ختم ہونے کے بعد، وہ دو چار برس سے زیادہ زندہ نہین

[1] چہار مقالہ ۱۲

رہا اسلیے اس کی وفات سنہ ۴۱۱ھ سے چند برس پہلے ہوئی ہوگی۔

فردوسی کا مزار مدت تک آباد اور بوسہ گاہ عالم رہا۔ نظامی سمرقندی نے سنہ ۵۱۰ھ مین اسکی زیارت کی تھی۔ دولت شاہ نے لکھا ہے کہ آج اسکا مزار مرجع عام ہے قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین مین لکھتے ہین کہ "عبد اللہ خان ازبک کی توجہ سے فردوسی کا مقبرہ معمور اور پُر رونق ہے۔ عام لوگ عموماً اور شیعہ خصوصاً زیارت کو جاتے ہین۔ مین نے بھی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے"۔

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شاہنامہ

سنہ تصنیف و سبب تصنیف

کیا عجیب بات ہے، جو واقعہ جسقدر زیادہ مشہور ہوتا ہے اُسی قدر اکثر غلط اور بے سروپا ہوتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ فردوسی نے سلطان محمود کے دربار مین پہنچکر اسکے حکم سے شاہ نامہ لکھنا شروع کیا۔ اکثر تذکرون مین بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن یہ غلط اور محض غلط ہے۔

فردوسی نے خاتمہ مین خود تصریح کی ہے کہ یہ کتاب سنہ ۴۰۰ھ مین تمام ہوئی

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار[۱]　　کہ گفتم من این نامۂ شہریار

اسکے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ پینتیس برس کتاب کی تصنیف مین صرف ہوئے

سی و پنج سال از سراے سپنج　　بسے رنج بردم بامید گنج

[۱] پانچ کو اسّی مین ضرب دین تو چار سَو ہوتے ہین ۱۲۔

اس بنا پر تصنیف کا آغاز ۳۶۵ھ سمجھنا چاہیے۔ اور چونکہ سلطان محمود ۳۸۸ھ مین تخت نشین ہوا۔ اس لیے اُس کی تخت نشینی سے مدتون پہلے شاہنامہ کی ابتدا ہو چکی تھی۔

عام خیال یہ ہے کہ شاہنامہ سلطان محمود کی فرمائش سے لکھا گیا۔ لیکن یہ بھی محض غلط ہے۔ فردوسی نے خود سبب تصنیف لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکو صرف اپنے اسلاف کا نام زندہ کرنا مقصود تھا۔

همی خواهم از دادگر یک خدای   که چندان بمانم بگیتی بجای

که این نامهٔ شهریاران پیش   بپیوندم از خوب گفتار خویش

بسی رنج بردم درین سال سی   عجم زنده کردم بدین پارسی

همه مرده از روزگار دراز   شد از گفت من نامشان زنده باز

چو عیسی من این مردگان را تمام   سراسر همه زنده کردم بنام

پی افگندم از نظم کاخ بلند   که از باد و باران نیابد گزند

تیسرے دفتر مین جہان دقیقی کے اشعار نقل کیے ہین خاتمہ پر لکھتا ہے۔

من این نامه فرخ گرفتم بفال   همی رنج بردم به بسیار سال

ندیدم سرافراز بخشندهٔ   به گاه کیان بر نشیندهٔ

سخن را نگهداشتم سال بیست   بدان تا سزاوار این گنج کیست

جهاندار محمود با فر و جود   که او را کند ماه و کیوان سجود

ان اشعار مین صاف تصریح ہے کہ سلطان محمود کے دربار مین پہنچنے سے بیس سال پہلے شاہنامہ شروع ہو چکا تھا۔

دیباچہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کا آغاز اس نے خود اپنے شوق سے کیا، قرائن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ فردوسی فطرۃً شاعر تھا، اسکے ساتھ نسل کا مجوسی یعنی شاہان ایران کا ہم قوم تھا، دقیقی نے شاہنامہ کی جو بنیاد ڈالی تھی اور جس قدر شعر لکھ لیے تھے اسکے چرچے ہر جگہ پھیل گئے تھے اور اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ اس کتاب مین قبولیت کا کسقدر مادہ ہے۔ یہ اسباب اس بات کے لیے کافی تھے کہ فردوسی نے خود اپنے شوق سے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا، لیکن چونکہ ایک عظیم الشان کام تھا اور اعانت کے بغیر انجام نہین پا سکتا تھا سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت تھی کہ تاریخ کا مستند سرمایہ ہاتھ آئے حسن اتفاق یہ کہ فردوسی سے وطن ہی مین ایک شخص کے پاس یہ سرمایہ موجود تھا اور وہ فردوسی کا مخلص دوست تھا اس کو یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے یہ کتاب لاکر فردوسی کو دی۔ چنانچہ فردوسی دیباچہ مین لکھتا ہے۔

بہ شہرم یکے مہربان دوست بود	تو گفتی کہ با من بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این رائے تو	بہ نیکی خرامد مگر پاے تو
نوشتہ من این نامہ پہلوے	بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
شو، این نامہ خسروان بازگوے	بدین جوے نزد مہان آبروے
چو آورد این نامہ نزدیک من	برافروخت این جان تاریک من

فردوسی اگرچہ جیسا کہ نظامی سمرقندی نے لکھا ہے رئیس زادہ اور خوشحال تھا، تاہم جب اپنے شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو علم دوست امرا نے قدردانی کا اظہار کرنا چاہا لیکن منصور بن محمد نے جو طوس کا حاکم تھا۔ ایسی فیاضی کا اظہار کیا کہ فردوسی تمام لوگوں سے بے نیاز ہو گیا۔

بدین نامہ چون دست کردم دراز | یکے مہترے بود گردن فراز
جوان بود از گوہر پہلوان | خردمند و بیدار و روشن روان
مرا گفت کز من چہ آید ہمے | کہ جانت سخن برگراید ہمے
بچیزے کہ باشد مرا دسترس | بکوشم۔ نیازت نہ آرم بکس

افسوس کہ منصور چند روز کے بعد مر گیا۔ فردوسی نے اسکا بہت پُر درد مرثیہ لکھا

شاہنامہ کے قدردان

حسین قتیب۔ علی دیلم۔ بودلف۔ اور فضل ابن احمد کا نام بھی فردوسی کے قدردانوں کی فہرست مین داخل ہے۔ نظامی سمرقندی نے لکھا ہے کہ "حسین قتیب طوس کا عامل تھا"، (غالبًا منصور کے مرنے کے بعد مقرر ہوا ہوگا) اپنے فردوسی کے دہات کی مالگزاری معاف کر دی تھی[1]۔

فضل ابن احمد سلطان محمود کا وزیر تھا، جسکے مرنے کے بعد حسن میمندی اس منصب پر ممتاز ہوا، فضل کا تذکرہ بھی فردوسی نے شاہنامہ مین کیا ہے۔

نظامی عروضی کا بیان ہے کہ علی دیلمی شاہنامہ کا مسودہ صاف کیا کرتا تھا

---

[1] چہار مقالہ نظامی سمرقندی۔

اور بودلف راوی تھا، یعنی شاہنامہ حفظ یاد رکھتا تھا۔ اور جلسون اور صحبتون مین لوگون کو سناتا تھا، لیکن شاہنامہ مین فردوسی نے ان دونون کا نام اس اندازسے لیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ فردوسی کے سرپرست اور مربی تھے۔ کاتب اور راوی نہ تھے۔

ازان نامور نامداران شہر　　علی دیلم و بودلف راست بہر

بودلف کی نسبت قاضی نوراللہ شوستری کا قیاس ہے کہ یہ وہ بودلف ہی جو ایک محتشم رئیس تھا۔ جسکے نام پر اسدی طوسی نے گشتاسپ نامہ لکھا ہے اور دیباچہ مین اس کی مدح وثنا کی ہے۔

ملک بودلف شہریار زمین　　جہاندار ارانی پاک دین

بزرگی کہ با آسمان ہمسر است　　زنسل براہیم پیغمبر است

خوش اعتقاد دیباچہ نویسون نے لکھا ہے، کہ فردوسی نے جب شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو شیخ محمد معشوق طوسی کی خدمت مین جو ایک مشہور صاحبدل تھے حاضر ہوا، اور اُن سے اپنا خیال ظاہر کیا، انھون نے کہا تم اس کام کو شروع کرو، خدا تمکو کامیاب کریگا، فردوسی تو کامیاب نہین ہوا، لیکن شاہنامہ کی کامیابی مین کس کو شک ہو سکتا ہی۔

شاہنامہ کا ماخذ

سرجان مالکم[1] صاحب اپنی تاریخ صفحہ ۶۵ مین لکھتے ہین۔ شاہنامہ کا تاریخی مواد

[1] سرجان مالکم صاحب ایک مدت تک ایران مین انگریزی سرکار کیطرف سے سفیر تھے انھون نے ایران کی تاریخ قدیم و جدید لکھی

"قرن اول کے تمام مورخین لکھتے ہین کہ چونکہ ایرانیون نے عرب کے حملے کے روکنے مین نہایت پامردی دکھائی تھی۔ اسلیے پیروان اسلام اسقدر برافروختہ تھے کہ انھون نے ایران کی تمام قومی یادگارون کو برباد کردیا۔ شہرون کو آگ لگادی، آتشکدے برباد کردیے موبدون کو قتل کرادیا۔ ہر قسم کی کتابین عموماً برباد کردین، کتب خانون کے مالکون کو قتل کرادیا یہ متعصب عرب قرآن کے سوا اور کچھ نہین جانتے تھے۔ اور نہ جاننا چاہتے تھے موبدونکو مجوس کہتے تھے اور ان کو جادوگر سمجھتے تھے۔ یونان اور روم کی کتابون سے قیاس ہوسکتا ہے کہ اس طوفان مین ایران کی کسقدر کتابین بچی ہون گی۔ قریباً چار سو برس گزر گئے۔ اور کسی نے ایرانیون کی تاریخ لکھنے پر توجہ نہین کی۔ سب سے پہلی کوشش اسکے متعلق جو کی گئی وہ سامانیون نے کی۔ مورخین کو اسمین اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہین کہ منصور ثانی نے ابتدا کی بعض کہتے ہین کہ دقیقی نے شاہنامہ لکھنا اسمٰعیل کے زمانہ مین شروع کیا جو سلسلۂ سامانیہ کا پہلا تاجدار تھا۔ غرض چونکہ سلاطین سامانی اپنے آپ کو بہرام چوبین کے خاندان سے سمجھتے تھے۔ اسلیے انھون نے اپنے اسلاف کا نام زندہ کرنا چاہا۔"

مالکم صاحب کی متعصبانہ راے

مالکم صاحب ایک مدت تک ایران مین رہے ہین۔ فارسی زبان مین انکو پوری مہارت تھی۔ اسلامی تاریخ کی طرف خاص توجہ تھی۔ ان سب باتون کے ساتھ انکی تحقیقات کا یہ عالم ہے کہ اتنی لمبی چوڑی عبارت مین ایک حرف بھی صحیح زبان سے نہ نکلا۔

بقیہ حاشیہ ۱۱۰۔ ایک کتاب انگریزی مین لکھی مرزا حیرت ایرانی نے اسکا ترجمہ کیا جو بمبئی مین ۱۸۶۷ء مین چھاپا گیا ۱۲

مالکم صاحب کے تعصب کے جواب دینے کا یہ موقع نہین۔ البتہ تاریخی حیثیت سے
یہ امر قابل بحث ہے کہ **فردوسی** نے جب شاہنامہ لکھنا چاہا۔ تو ایران کا تاریخی ذخیرہ
کسقدر موجود تھا۔ عام خیال یہ ہے کہ مسلمانون مین علوم وفنون کی تدوین سنہ ۱۴۳ھ سے
شروع ہوئی اور درحقیقت اسلامی علوم وفنون کے متعلق اس سے پہلے کسی تصنیف کا
پتہ نہین چلتا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ غیر قومون کے علوم وفنون کا ترجمہ اس سے
پہلے شروع ہوچکا تھا۔ ہشام بن عبدالملک جو سنہ ۱۰۵ھ مین تخت نشین ہوا۔ اور جو
سلاطین بنی امیہ کا گل سرسبد تھا، سب سے پہلے اپنے غیر قومون کی تاریخ کی طرف
توجہ کی اسکا میر منشی جبلہ بن سالم تھا۔ اس نے فارسی زبان کی بہت سی کتابین ترجمہ
کین جن مین سے جنگ رستم واسفندیار اور داستان بہرام چوبین بھی تھی[1]۔ شاہان
عجم کے علمی ذخیرے جو فتوحات مین ہات آئے تھے ان مین ایک کتاب تاریخ
تھی یہ ایران کی نہایت مفصل اور بسوط تاریخ تھی جسمین سلطنتون کے حالات کے ساتھ
حکومت کے قواعد اور آئین عہد بعہد کے علوم وفنون تعمیرات، وغیرہ کے مفصل حالات
تھے ایک خاص جدت یہ تھی کہ تمام سلاطین کی تصویرین بھی تھین اور تصویرونمین
انکی خاص وضع قطع، لباس، زیورات اور تمام خصوصیات کو بعینہ دکھایا تھا
ہشام نے اس کتاب کا ترجمہ کرایا۔ چنانچہ سنہ ۱۱۳ھ مین یہ ترجمہ طیار ہوا۔ مورخ
مسعودی نے کتاب الاشراف[2] مین لکھا ہو کہ مین نے سنہ ۳۰۳ھ مین بمقام اصطخر

ایرانکی قدیم تاریخین جو عربی زبان مین ترجمہ ہوئین

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۷۔ [2] کتاب مذکور مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۶،۱۲۔

کتاب دیکھی سلطنت فارس کے متعلق جسقدر کتابین فارسی مین موجود ہین یہ سب سے زیادہ مفصل ہے،، دولت عباسیہ نے آغاز ہی سے ایران کے علوم وفنون کے ترجمہ کی طرف توجہ کی، ان مین سے تاریخی کتابین حسب ذیل ہین۔

خدائی نامہ[1]۔ یہ نہایت مفصل تاریخ تھی اور اسقدر مقبول عام تھی کہ بہرام ابن مروان شادنے جو دولت عباسیہ کا مترجم تھا جب اس کتاب کو بہم پہنچانا چاہا تو بیس مختلف نسخے اسکو ہاتھ آئے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان مین کیا اور اسکا نام تاریخ ملوک الفرس رکھا۔

آئین نامہ۔ یہ بھی نہایت مفصل کتاب ہے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف (صفحہ ۱۰۴) مین لکھا ہے۔ کہ یہ بہت ضخیم کتاب اور کئی ہزار صفحون مین ہے۔ عبداللہ بن المقفع نے اسکا ترجمہ کیا۔

سیر ملوک الفرس	ترجمۂ عبداللہ بن المقفع
سیر ملوک الفرس	ترجمۂ محمد جہم البرمکی
سیر ملوک الفرس	ترجمۂ زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی۔
سیر ملوک الفرس[2]۔	ترجمۂ محمد بن بہرام الاصفہانی۔

سکیسران۔ پہلوی زبان مین تھی مسعودی نے مروج الذہب مین لکھا ہے کہ اہل عجم اس

---

[1] خدائی نامہ کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی مطبوعۂ یورپ صفحہ ۱۶، ۲۰، ۲۴ اور کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸ مین ہے۔

[2] ان چارون کتابونکا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۸ مین ہے۔

کتاب کی نہایت عزت کرتے تھے۔ عبداللہ بن المقفع نے اسکا ترجمہ کیا۔

تاریخ دولت ساسانی — بترجمۂ ہشام بن قاسم الاصفہانی۔ اصلاح[1] دادہ بہرام بن مردان شاہ موبد نیشاپور

کارنامۂ نوشیروان

شہرزاد و پرویز — اردشیر نے اپنے حالات اور واقعات خود لکھے تھے[2]

کارنامۂ اردشیر بن بابک

کتاب التاج

بہرام و نرسی نامہ

کارنامہ — نوشیروان کے حالات

مزدک نامہ

ان کتابوں کے علاوہ سلاطین ایران کے عہد نامے، توقیعات اور فرامین مہیا کئے گئے اور ان کا ترجمہ کیا گیا۔ مثلاً وصیت نامۂ نوشیروان بنام ہرمز۔ عہد نامۂ اردشیر بابکان بنام شاپور۔ کسریٰ و مرزبان کا مکالمہ، نوشیروان کا خط سرداران فوج کے نام، نوشیروان اور رجواسپ کے مراسلات[3]۔

جب تاریخ ایران کا اسقدر ذخیرہ فراہم ہو چکا۔ تو مورخین اسلام نے انکی مدد سے خود مستقل تصنیفیں کیں چنانچہ محدث طبری۔ علامۂ مسعودی۔ ابو حنیفہ دینوری۔ یعقوبی

---

[1] ان دونوں کتابوں کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ میں ہے [2] مروج الذہب مسعودی مطبوعۂ یورپ صفحہ ۱۶۲ جلد اول۔
[3] ان چاروں کتابوں کا ذکر فہرست ابن الندیم صفحہ ۱۵ میں ہے۔

حمزہ اصفہانی وغیرہ نے ایران کی مبسوط اور مفصل تاریخین لکھین جو یورپ کی بدولت آج چھپ کر شایع ہو چکی ہین۔ یہ تمام کتابین فردوسی کے زمانہ سے پہلے تصنیف ہو چکی تھین، ان واقعات کے بعد، مالکم صاحب کی راے کو پڑھو کہ "مسلمان چار سو برس تک ایران کی تاریخ سے ناواقف تھے اور سب سے پہلی کوشش سامانیون کے دور مین ہوئی"

یہ تمام کتابین عربی زبان مین تھین، فارسی مین اسوقت تک ترجمہ کے سوا کوئی مستقل تصنیف نہین لکھی گئی تھی۔ غالباً سب سے پہلی کتاب جو تاریخ ایران پر لکھی گئی وہ ابو علی محمد بن احمد البلخی کی تصنیف تھی جسکا نام اسنے شاہنامہ رکھا تھا۔ اسی بنا پر کشف الظنون مین اسکو شاہنامۂ قدیم لکھا ہے۔

ابوریحان بیرونی نے آثار الباقیہ[1] مین لکھا ہے کہ مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ مین نے اس کتاب کا سرمایہ کتب مندرجۂ ذیل سے فراہم کیا۔ سیر الملوک عبد اللہ بن المقفع۔ سیر الملوک محمد بن جہم البرمکی۔ سیر الملوک ہشام بن القاسم۔ سیر الملوک بہرام شاہ بن مردان شاہ سیر الملوک بہرام اصفہانی تصانیف بہرام مجوسی

غرض جب دقیقی نے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو تاریخ عجم کا بہت بڑا ذخیرہ عربی و فارسی مین تیار ہو چکا تھا۔ دقیقی نے سامانیون کی فرمائش سے یہ کام شروع کیا تھا۔ سامانیون کا کتب خانہ اُس زمانہ مین تمام عالم مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا شیخ بو علی سینا جب اول اول اس کتب خانہ مین داخل ہوا تو اُسپر حیرت چھا گئی

[1] دیکھو کتاب مذکور مطبوعۂ یورپ صفحہ ۹۹ ۱۲

چنانچہ اس نے اقرار کیا ہے کہ مین نے اتنا نادر اور عظیم الشان کتب خانہ نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اسکے بعد دیکھا، دقیقی کے لیے یہ تمام تاریخی ذخیرہ مہیا کیا گیا ہوگا۔ اور چونکہ سلطان محمود غزنوی، سامانیون ہی کا دست پروردہ اور انکو مٹا کر انکا جانشین بنا تھا اسلیے ہر طرح قرین قیاس ہے کہ وہ سب سامان محمود کو ہاتھ آیا ہوگا اور فردوسی کو اس سے فائدہ اٹھانیکا موقع دیا ہوگا۔ یہ محض قیاس نہین بلکہ مورخین کی تصریح سے اسکی تائید ہوتی ہے کشف الظنون مین ہے

تاریخ الفرس لبعض قدماء اھل	تاریخ ایران بعض قدماے ایران کی تصنیف ہی،
فارس وقد کان معظما عند العجم لما فیہ	عجمی اس کتاب کی اسلیے بہت عزت کرتے تھے کہ اسمین انکے
من اخبار اسلافھم و سیر ملوکھم وھو	اباواجداد اور سلاطین کے حالات تھے اور یہی کتاب
اصل الشھنامہ وغیرھا ونقلہ ابن	شاہنامہ وغیرہ کا ماخذ ہی۔ ابن المقفع نے اسکو پہلوی
المقفع من الفھلویۃ الی العربیۃ	زبان سے ترجمہ کیا۔

غالبًا یہ وہی خدائی نامہ ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا۔

صاحب مجمع الفصحاء لکھتے ہین۔

"از جملہ نامہاے قدیم جاسپ نہاد۔ کتاب اوست کہ در ذکر خسروان ایران بودہ دیگر آئین بہمن است۔ در احوال بہمن۔ دیگر داراب نامہ است۔ دیگر دانش افزاے نوشیروانی کہ جامع آن بزرگ مہر حکیم بودہ، و باستان نامہ و دانشور نامہ۔ و خرد نامہ و حکیم ابو القاسم محمد بن منصور فردوسی آثار افعال ملوک عجم، را از ان نامہا بدست

آوردہ"

ان تمام قرائن اور تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی کا ماخذ زیادہ تر ایران کی وہ تاریخین ہین جو عربی مین ترجمہ ہوگئی تھین۔ لیکن فردوسی کا قومی غرور عرب کے احسان کو گوارا نہین کرتا۔ فردوسی کا دعوٰی ہی کہ قدیم زمانہ کی ایک نہایت مبسوط تاریخ ایران کی موجود تھی لیکن مرتب اور مدوّن نہ تھی۔ موبدون یعنی مذہبی پیشواؤنکے پاس اسکے مختلف اجزا تھے۔ ایک رئیس دہقان نے ہر جگہ سے بڈھے بڈھے پرانے موبد جمع کیے اور اُن پراگندہ اجزا کو زبانی روایتون کی مدد سے ترتیب دیکر ایک مکمل کتاب طیار کرائی۔

شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق خود فردوسی کا بیان

یکے نامہ بد از گہ باستان	فراوان بدو اندران داستان
پراگندہ در دست ہر موبدے	ازو بہرہ بردہ ہر بخردے
یکے پہلوان بود دہقان نژاد	دلیر و بزرگ و خردمند و راد
ز ہر کشورے موبدے سالخورد	بیاورد وایں نامہ را گرد کرد
بپرسید شان از نژاد کیان	وزان نامداران فرخ گوان
بگفتند پیشش یکایک جہان	سخنہاے شاہان و گشت جہان
چو بشنید ازیشان سپہبد سخن	یکے نامور نامہ افگند بن

فردوسی کا بیان ہے کہ اسی کتاب کو دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن چونکہ ناتمام چھوڑ گیا مین نے اسکی تکمیل کی۔

فردوسی کے بیان کے مطابق شاہنامہ کی اصلی بنیاد اسی کتاب پر قائم کی گئی لیکن جستہ جستہ داستانین اور ذریعون سے بھی فراہم ہوئین۔ رستم و شغاد کا قصہ جہان شروع کیا ہے تمہید مین لکھا ہے کہ احمد بن سہل کے دربار مین ایک بڈھا تھا جو سام نریمان کی اولاد سے تھا، اسکے پاس سلاطین ایران کی تاریخ تھی، اور رستم کی اکثر داستانین اسکو زبانی یاد تھین۔ شغاد کا قصہ مین نے اس سے لیکر نظم کیا۔

یکے پیر بُد نامش آزاد سرو	کہ با احمد سہل بودے بہ مرو
کجا نامۂ خسروان داشتے	تن و پیکر پہلوان داشتے
بہ سام نریمان کشیدش نژاد	بسے داشتے رزم رستم بیاد
بگویم سخن انچہ زو یافتم	سخن را یک اندر دگر بافتم

فردوسی کا دعویٰ ہے ہم کو انکار کی کوئی وجہ نہین۔ لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ فردوسی نے خود تیسری جلد مین دقیقی کے اشعار کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

یکے نامہ دیدم پُر از داستان	سخنہاے آن پُر منش راستان
فسانہ کہن بود و منثور بود	طبائع ز پیوند او دور بود
گذشتہ برو سالیان دو ہزار	گرایدون کہ برتر نیاید شمار
گرفتم بگوینده بر آفرین	کہ پیوند را راہ داد اندرین

تیسرے شعر مین صاف تصریح ہے کہ کتاب مذکور دو ہزار برس کی تصنیف تھی یہ ظاہر ہے کہ دو ہزار برس پہلے ایران کی جو زبان تھی وہ فردوسی کے زمانے کی

زبان نہ تھی بلکہ ژندی یا اُسکے قریب ہوگی جو سنسکرت سے ملتی جلتی ہے اور جو پہلوی زبان سے بھی بہت مختلف ہے۔ اسلیے یہ ثابت ہونا ضرور ہے کہ فردوسی اس زبان سے واقف تھا یا کوئی شخص ترجمہ کرتا جاتا تھا لیکن تذکرون اور خود فردوسی کے بیان مین اسکی کوئی شہادت موجود نہین۔

شاہ نامہ کے ماخذ کے متعلق، دیباچہ مین اور چند روایتین مذکور ہین، واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ہم اُنکو بھی نقل کرتے ہین۔ لیکن جہان انمین بدیہی غلطی ہے ہم اسکی تغلیط کردینگے۔

ساسانیون کو، ایران کی تاریخ کے مرتب کرنے کا ہمیشہ خیال رہا۔ انمین سے نوشیروان کو سخت شغف تھا، چنانچہ تمام اطراف و دیار مین قاصد بھیجکر ہر جگہ سے تاریخی ذخیرے جمع کیے، یزدگرد نے اپنے زمانہ مین ان سب کو دانشور دہقان کے حوالہ کیا کہ کیومرث سے لیکر خسرو پرویز کے زمانہ تک مکمل اور مرتب تاریخ تیار کردے دانشور مذکور مداین کے رؤسا مین تھا اور نہایت صاحب حوصلہ اور فاضل شخص تھا اس نے ان تمام ذخیرون کو عمدگی سے ترتیب دیکر ایک مبسوط اور جامع تاریخ تیار کی۔

عربون کے حملہ مین یہ کتاب حضرت عمرؓ کی خدمت مین پیش کی گئی، آپ نے اسکا ترجمہ سُنا اور فرمایا کہ یہ مزخرفات کا مجموعہ ہے، دیکھنے کے قابل نہین، غرض یہ کتاب لوٹ مین تقسیم ہوکر حبش پہنچی، بادشاہ حبش نے اسکا ترجمہ کرایا وہان سے ہندوستان

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

پہنچی، یعقوب لیث نے اپنے زمانۂ حکومت مین اسکو ہندوستان سے منگوا کر ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ فرخ کو حکم دیا کہ اسکا ترجمہ کیا جاے۔ چنانچہ تاج بن خراسانی ہروی، یزدان داد شاپور سیستانی، ماہوی بن خورشید نیشاپوری، سلیمان طوسی ان سب نے ملکر ۳۶۰ھ مین اسکا ترجمہ کیا، یہی کتاب سامانیون کو ہات آئی، اور انکے حکم سے دقیقی نے اسکو نظم کرنا شروع کیا۔

اس روایت کا یہ حصہ کہ کتاب حبش گئی وہان ترجمہ ہو کر پھر ہندوستان پہنچی ہندوستان سے ایران مین آئی صریح غلط اور بیہودہ ہے، باقی واقعات صحیح ہون تو عجب نہین، یعنی ایران کی کوئی قدیم تاریخ جو یزدگرد کے عہد مین تیار ہوئی تھی یعقوب لیث کے زمانہ مین پہلوی سے فارسی مین ترجمہ کی گئی ہو۔

دیباچہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ نوشیروان کے خاندان کا ایک شخص سلطان محمود کے زمانہ مین تھا، اسکا نام خور فیروز تھا اور فارس مین سکونت رکھتا تھا، زمانہ کے انقلاب سے آوارہ وطن ہو کر، غزنین پہنچا، یہان آکر چرچا سنا کہ سلطان محمود تاریخ عجم کا شیفتہ و دلدادہ ہے۔ اس کے وطن مین یہ کتاب موجود تھی چنانچہ وہان سے منگوا کر سلطان کی خدمت مین پیش کی، اور مورد انعام ہوا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ جب تمام ملک مین سلطان محمود کے شوق کے چرچے پھیلے تو بادشاہ کرمان نے ایک شخص کو جسکا نام آذر برزین تھا اور شاپور ذوالاکتاف کے خاندان سے تھا، اور اس وجہ سے تاریخ ایران کا

بڑا سرمایہ اِسکے پاس تھا اُسکو سلطان محمود کی خدمت مین بھیجا۔

شاہنامہ کی وقعت تاریخ کے لحاظ سے اگرچہ اسمین شک نہین کہ شاعرانہ رنگ آمیزیون نے شاہنامہ کو عام نظرون مین تاریخی درجہ سے گرادیا ہے۔ تاہم ایران کی کوئی مفصل قدیم تاریخ اس سے زیادہ صحیح نہین مل سکتی۔

ملکم صاحب بھی تاریخ ایران مین اعتراف کرتے ہین۔

"کتاب فردوسی اگرچہ افسانہ وخیالات شاعری بسیار دارد لکن تقریباً جمیع اخبارے کہ در تاریخ قدیم ایران وتوران در ملک آسیا (ایشیا) یافت می شود دران مندرج است"

مالکم صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ شاہنامہ کے واقعات کا یونانی مورخین کے بیان سے مقابلہ کیا ہے۔ اور اکثر جگہ دونون مین تطبیق دی ہے، علامہ ثعلبی نے جو سلطان محمود کا معاصر تھا، ایران کی قدیم تاریخ پر ایک مبسوط کتاب لکھی ہے۔ اِسنے بھی جابجا شاہنامہ کا حوالہ دیا ہے تاریخی حیثیت سے شاہنامہ کے متعلق مفصل بحث کرنا ہمارا موضوع نہین، البتہ اس قدر جتانا ضروری ہے کہ شاہنامہ کی بے اعتباری کی بڑی وجہ جو آج کل خیال کیجاتی ہے۔ وہ اسکے دوراز کار افسانے ہین، مثلاً دیو سفید مار ضحاک، جام کیخسرو وغیرہ وغیرہ لیکن اولاً تو چند واقعات کی بناپر تمام کتاب کو غلط نہین کہہ سکتے۔ ہیروڈوٹس کو تمام یورپ تاریخ کا آدم مانتا ہے، لیکن اسکی تاریخ مین ہزارون واقعات فرضی اور وہمی ہین اور خود

یورپ کو اسکا اعتراف ہے دوسرے ایرانیون کی قدیم تاریخ مین واقعات اسی طرح مذکور تھے، اسلیے فردوسی کا صرف یہی فرض تھا کہ اُن واقعات کو بعینہٖ نقل کردے، علامہ ثعلبی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کہ یہ تمام افسانے گو بالکل بے سروپا اور خلاف عقل ہین لیکن چونکہ ایران کی تاریخ مین بہ تواتر بیان ہوتے چلے آتے ہین اس لیے ہمارا صرف اسقدر فرض ہے کہ جون کا تون انکو نقل کردیا جائے۔ علامہ موصوف کے یہ الفاظ ہین، (ذکر قصۂ زال و سیمرغ)

وانا ابرء من عهدة هذه الحكاية ولولا شهرتها بكل مكان وفی زمان وعلى كل لسان وجريها مجرى ما يستطاب ويلهى به الملوك عند الارق لما كتبتها وقد كانت العجائب كثيرة فی ذلك الزمان الاول كبلوغ عمر الواحد من اهله الف سنة وكطاعة الجن والشياطين للملوك ... وغيرها مما يطول ذكره (جلد اول صفحہ ۷ مطبوعہ یورپ)

اسی طرح ہفت خوان رستم کے ذکر مین لکھا ہے کہ یہ سب لغویات ہین۔

ابوریحان بیرونی آثار الباقیہ[1] مین لکھتا ہے۔

ولهم فی التواريخ القسم الاول و اعمار الملوك وافاعيلهم المشهورة عنهم ما يستنفر عن استماعه القلوب و تمجه الاذان ولا تقبله العقول۔

ایرانیون نے پہلے زمانے کی جو تاریخ لکھی ہے اسمین سلاطین کی عمرین اور اُنکے کارنامون کے متعلق ایسی باتین بیان کرتے ہین جنکے سننے کو دل اچٹتا ہے۔ کان انکو برداشت نہین کرسکتے عقل انکو قبول نہین کرتی۔

---

[1] صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ یورپ۔

بعض یورپین مورخین کے نزدیک شاہنامہ کی بے اعتباری کی وجہ یہ ہی کہ اسکے واقعات یونانیون کی تاریخ سے اکثر جگہ مخالف ہین لیکن اس عقدہ کو علامہ ثعلبی نے بہت پہلے حل کر دیا تھا، وہ لکھتے ہین کہ "ہمارے پاس ایران کی تاریخ کے متعلق دو ماخذ ہین۔ایرانی اور یونانی۔ ہم جانتے ہین کہ دونون مین اختلاف ہی۔لیکن یہ مسلم مسئلہ ہے کہ گھر کا حال گھر والا خوب جانتا ہے اس لیے ہمنے یونانیون کے مقابلہ مین ایرانیون کا زیادہ اعتبار کیا"

محققین یورپ کی رائے یورپ نے نہایت جد وجہد سے اسلام کے قبل کی ایرانی تصنیفات کثرت سے ڈھونڈھ کر نکالین، اور اُن مین سے اکثر کو چھاپ کر شائع کیا، چنانچہ پروفیسر براون نے اپنی کتاب کی پہلی جلد مین ایک خاص عنوان قائم کیا ہے "پہلوی لٹریچر" اسکے ذیل مین ان تمام کتابون کی فہرست اور انکے حالات لکھے ہین، انمین بعض کتابین اسلام سے پان پان سے، چھ چھ سو برس پہلے کی تصنیف ہین، ان مین سے جو کتابین شاہان عجم کی تاریخ مین اُن کا بیان حرف بہ حرف فردوسی سے مطابق ہے، انھین مین ایک کتاب کارنامک ارتخشتر ہے جو پہلوی زبان مین ہے اور ۶۰۰ء یعنی زمانہ اسلام سے کسی قدر پہلے کی تصنیف ہے یہ کتاب اصل پہلوی زبان مین مع جرمنی ترجمہ کے شائع کی گئی ہے، اس کی نسبت براون صاحب لکھتے ہین۔

"جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ

فردوسی نے بڑی ایمانداری برتی ہے۔ اور ہماری نظر مین اسکی وقعت یہ دیکھ کر اور بڑھجاتی ہے کہ جن کتابون سے اسنے شاہنامہ لکھا ہے اُنسے ترتیب وار مطابقت پائی جاتی ہے،، جرمن کے مشہور فاضل پروفیسر نولدکی نے شاہنامہ کے ماخذ اور اس کی تاریخی حیثیت پر ایک مستقل کتاب جرمن زبان مین لکھی ہے، اسکے اقتباسات کا ترجمہ مسٹر براؤن نے انگریزی مین کیا ہے۔ اور اپنی کتاب کی جلد اول مین شامل کیا ہے ہم اسکے بعض ضروری مقامات کا ترجمہ نقل کرتے ہین

تاریخ وقدامت ،، اوستا مین شاہنامہ کی شخصون کا اتنا ذکر آچکا ہے کہ اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اوستا تصنیف ہوئی تو اُس زمانہ مین ان قومی نشانون کی بڑی بڑی باتین لوگون کو معلوم تھین۔ اُنکی قدامت کا صرف یہی ایک ثبوت نہین ہے کیونکہ نولدکی نے دکھلادیا ہے کہ یونانی مصنفون کی کتابون مین بھی جو انھون نی شاہان ایران کے بارے مین لکھی ہین، ان بہادرون کا تذکرہ موجود ہے، خاصکر ٹی سی۔ ایس[1] کی کتاب مین جو پانسو برس قبل حضرت مسیح، آرٹا زرکسیز[2] نی من[3] کا طبیب دربار تھا اور اُس نے اپنی کتاب ایرانی تصانیف کی مدد سے لکھی ہے یہ واقعات باربار بیان ہوئے ہین بلکہ کبھی ایک خاندان سے منسوب ہوگئے ہین کبھی دوسرے سے، مثلاً سائرس[4] ایکی می نین[5] کے پہلے بادشاہ کو جو واقعات میڈ[6] یادالون سے لڑنے مین پیش آئے وہ اردشیر ساسانی اور اسکی پارتھیون[7] کی جنگ

---

[1] Ctesias [2] Artaxerxes [3] Mnemon [4] Cyrus.
[5] Achae, menian, [6] Medes [7] Parthians

کے حالات سے بہت کچھ ملتے جلتے ہین، اسی طرح عقاب، سیمرغ اور ہما شاہ پسند پرندونکا اے کی می نیز[1] زال اور اردشیر کا محافظ ہونا، اسی طور پر نودیر کیانی اور پیروز ساسانی کو تورانی دشمنون سے قارین کے خاندان کے دو شخصون کا بچانا اور اسی قبیل سے دارا اور پیروز کی ملتی جلتی سرگذشتین ہین جو قابل غور ہین۔

یات کار زریران زریا ورئیس[2] برادر ہس ٹاس ہپس[3] اور شاہزادی اوداتس[4] کا قصہ تک اے تھی نیس[5] سے پہنچا ہے۔ یہ قصہ اُس نے سکندر کی اس تاریخ سے لکھا ہے جو اس کے دیوان چارئیس[6] نے تصنیف کی تھی۔ یہی داستان سب مین پرانی پہلوی کتاب یات کار زریران[7] مین بیان ہوئی ہے جو پانچسو برس قبل حضرت عیسیٰ کے لکھی گئی تھی، یہ چھوٹی مگر ضروری کتاب سب مین قدیم فارسی کتاب ہے جس مین بہادری کے قصے درج ہین، گو اسمین ایک ہی قصہ ہے مگر اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اُن کل کہانیون پر عبور ہے، اسی کتاب کو شاہنامہ گشتاسپ یا پہلوی شاہنامہ کہتے ہین۔"

نولدکی کہتا ہے کہ "اگر ہمکو سراسر دھوکا نہوا ہو تو ہم کہہ سکتے ہین کہ اس قصے مین وہ روح موجود ہے جسکا وجود کئی اور قومون کے بہادری کے تصوین موجود ہے خلاصہ حال سب کو معلوم ہے۔ اسکے خاص خاص حصون کو کوشش کرکے زینت دی گئی ہے، اور اس ڈھانچ مین تھوڑی سی کمی بیشی اور ترتیب سے، کم و بیش ایک مسلسل اور پوری داستان طیار ہو سکتی ہے اس

[1] Achaemenes, [2] Zariadres [3] Hystaspes, [4] Odatis, [5] Athenaeus [6] Charas, [7] Yatkar-i-Zariran,

تھے کے ضروری اجزاء عربی کے اس مختصر ترجمہ مین موجود ہین جو طبری نے کیا ہے اور جو شاہنامہ کے بیان سے بالکل مطابق ہے بعض جگہ تو لفظ بہ لفظ وہی ہے، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اُسی عام قدیمی روایت سے لیا گیا ہے جو شاہنامہ کا ماخذ ہی؛"

اِس نئی ترتیب سے جس کی طرف نولدکی نے اشارہ کیا ہے وہ اضافہ اور اصلاح مراد ہے جس سے مختلف حصے ایک دوسرے کا پیوند ہوکر ایک دلکش داستان بنجائین اور کمی سے یہ غرض ہے کہ وہ باتین اور الفاظ جو مسلمانون کو ناگوار ہین نہ آنے پائین جیسا فردوسی اور اورون نے کیا ہی۔

شاہنامہ کے ساسانی حصہ کے متعلق ہمارے پاس ایک پہلوی کتاب کارنامک ارتخشتر پاپکان اصل پہلوی اور جرمن مین موجود ہی۔ جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے بڑی ایمانداری برتی ہے اور ہماری نظر مین اُسکی وقعت یہ دیکھکر اور بڑھ جاتی ہے کہ جن کتابون سے اُس نے شاہنامہ لکھا ہے اُنسے ترتیب وار مطابقت پائی جاتی ہو کارنامک غالباً ۶۰۰ء مین تصنیف ہوئی اور اگر تھی اس کا جو ۵۸۰ء مین تھا تاہم ان ایران کی تاریخون کا ساسان پاپک اور اردشیر کے حالات مین حوالہ دینا اسبات کا زائد ثبوت ہے کہ شاہنامہ کے مختلف قصے اس زمانہ کی پہلوی کتابون مین پائے جاتے تھے۔

فردوسی کے شاہنامہ پر جو دیباچہ تیمور کے پوتے بایسنقر کے حکم سے ۱۴۲۵ء
مین لکھکر لگایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہقان دانشور کا پورا صحیح نسخہ اس
ساری داستان کا کیومرث سے لیکر خسرو پرویز یعنی ۶۲۸ء تک کا یزدجرد ثانی آخری
ساسانی فرمان روا کے عہد مین تیار ہو چکا تھا اسپر نولدکی لکھتا ہے کہ یہ "کتاب خواہ
کیسی ہی کیون نہو مگر عرب مورخون کے ترجمون کا، فردوسی سے خسرو پرویز کی وفات
تک مطابق ہونا اور بعد کو مختلف۔ اس بارہ خاص مین اُسکی صداقت کا ثبوت ہی
اور اُسکی انتہا درجہ کی ہمدردانہ کوشش اور حق پسندی سے پایا جاتا ہے کہ وہ
بادشاہ کی سرپرستی اور نگرانی مین تصنیف ہوئی تھی"

اس پہلوی خدائی نامہ کا جسکا حمزہ اور مصنف فہرست وغیرہ اور دیگر عرب
مورخون نے ذکر کیا ہے، ابن المقفع نے آٹھوین صدی عیسوی کے وسط مین عربی
مین ترجمہ کیا اور اس ذریعہ سے تمام عربی دانون کو اسکا حال معلوم ہو گیا، مگر نہایت
افسوس ہے کہ یہ ترجمہ ضائع ہو گیا، اسی طرح وہ فارسی نثر کا ترجمہ جو ۹۵۷ء مین
ابو المنصور المعمری کے حکم سے ہوا تھا اور ہرات، سیستان، شاہ پور اور طوس کے
چار پارسیون نے، ابو منصور ابن عبدالرزاق حاکم طوس کے لیے کیا تھا، جیسا کہ
البیرونی اور نولدکی نے لکھا ہے۔ اسی کی بناپر دقیقی نے ایک شاہ نامہ نوح
ابن منصور سامانی بادشاہ کے لیے جو ۹۹۷ء تک رہا، فارسی نظم مین لکھنا
شروع کیا تھا مگر سلطنت گشتاسپ اور زردشت کی آمد کے متعلق چند ہی ہزار

شعر لکھنے پایا تھا کہ اُسے ایک ترکی غلام نے مار ڈالا۔ یہ فردوسی ہی کا حصہ تھا کہ چند سال بعد اسنے اس قومی فسانے کو جو دقیقی نے شروع کیا تھا ساٹھ ہزار اشعار مین جس مین دقیقی کے اشعار بھی شامل ہین تکمیل کو پہنچایا۔ اتنا کہنا یہان اور ضروری ہی کہ شاہنامہ قوم کا پورا پورا افسانہ ہے۔

داستان اردشیر اس داستان کی جتنی کہانیان۔ شاہنامہ اور کارنامک پہلوی مین پائی جاتی ہین حسب تفصیل ذیل ہین۔

(۱) ساسان جو بہمن دراز دست کی پانچوین پشت مین تھا، پاپک شاہ فارس کے ہان مویشی چرانے پر نوکر ہے، پاپک خواب دیکھتا ہے کہ ساسان نسل شاہی سے ہے، اُس سے بلطف وخوشی پیش آتا ہے، اپنی بیٹی کی اُس سے شادی کرتا ہے اور اردشیر اُسکے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔

(۲) پاپک اردشیر کو متبنے کرتا ہے، اسکے جوان ہونے پر اسکی دلاوری عقلمندی اور شاہانہ خوبیون کا تذکرہ اردوان (آخری بادشاہ اشکانی) تک پہنچتا ہی وہ اردشیر کو طلب کرتا ہے، خاطر ومدارات سے پیش آتا ہے ایک روز اردوان کی بیٹے کے ساتھ شکار کو جاتا ہے، اور وہ اردشیر کے مارے ہوے شکار کو اپنا تبلاتا ہے اسپر بے قدر ہوکر میر آخور اصطبل شاہی مقرر ہوتا ہے۔

(۳) اردوان کی ایک معتمد ہوشیار اور نازنین پرستار اردشیر پر ترس کھاتی ہے اور دو تیز رفتار گھوڑے مہیا کر کے اسکے ساتھ فارس کو بھاگ

جاتی ہے، اردوان تعاقب کرتا ہے مگر یہ سنکر کہ شوکت خسروی ایک خوبصورت مینڈھی کی شکل مین اردشیر تک پہنچ گئی ہے واپس آتا ہے۔

(۴) اردشیر آشکانیون وغیرہ سے لڑتا ہے، اردوان اور اسکے بیٹے کو شکست دیتا ہے اور خود کردون سے زک اُٹھاتا ہے۔

(۵) داستان ہفتان بوخت (ہفتواد) اور کرم کرمانی مع جنگ متھرک (مسرک

(۶) اردوان اپنی بیٹی (زوجہ اردشیر) کو موت کا حکم سناتا ہے ایک موبد جسکا نام ابرسام ہے اسکی جان بچاتا ہے۔ اسکے پیٹ سے شاہو پیدا ہوتا ہے اور باپ اس بچہ کو لیجاتا ہے۔

(۷) اردشیر ہندوستان کے حاکم کید یا کیت سے یہ سُنکر کہ ایران کی بادشاہت اسکے یا اسکے دشمن متھرک کے گھرانے مین جائیگی، متھرک کا استیصال کرتا ہے اس کی ایک لڑکی قتل عام سے بچکر کسانون مین پرورش پاتی ہے، شاہو اُسے دیکھکر اُسپر عاشق ہوتا ہے، اپنی شادی اور اپنے بیٹے ہرمزد کی پیدائش کو اپنے باپ اردشیر سے چھپاتا ہے۔ اور ہرمزد کو سات برس کی عمر مین چوگان کے میدان کی بہادری دیکھکر اردشیر پہچان لیتا ہے،

ہر شخص جسنے کارنامک اور شاہنامہ کا یہ حصہ ساتھ ساتھ پڑھا ہی اس بات کا اقرار کریگا کہ شاہنامہ پورا چربہ کارنامک کا ہے اسلیے کہ جزئیات مین بھی اختلاف نہین ہے ہمارے اس خیال کو کہ فردوسی نے جن قدیم کتابون سے شاہنامہ

لکھا ہے، اُن سے الگ نہین گیا، پہلوی کے قصہ زریر اور شاہنامہ کے مقابلہ سے اور بھی تقویت ہو جاتی ہے، یہ امر اتفاقی ہے کہ ان حصون کا ہم اصل کتابون سے مقابلہ کر سکے مگر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہین کہ اور مقامات پر بھی جہان ہمکو جانچ پرتال کے ذریعے حاصل نہین ہین وہان بھی فردوسی نے ادنی بات بھی قدیم ماخذ کے خلاف نہین لکھی ہو گی، یہان ہم داستان اردشیر کی دونون روایتون مین سے صرف دو ایک باتون کا مقابلہ کر سکتے ہین زیادہ گنجائش نہین ہی، اوّل ہم اُسکی پیدائش کا ذکر کرتے ہین۔

کارنامک

سکندر رومی کی وفات پر ایران مین ۲۴۰ مختلف گروہون کے لوگ حکمران تھے اردوان ان سب مین سربرآوردہ تھا اور اصفہان، فارس اور قرب وجوار کے حصہ پر قابض تھا، پاپک محافظ سرحد اور اردوان کی طرف سے فارس کا گورنر تھا اور اصطخر[1] مین رہتا تھا، اسکے کوئی بیٹا نہ تھا جس سے اسکا نام چلتا، ساسان پاپک کا گوالا تھا اور ہمیشہ اپنے گلون مین رہتا تھا، مگر وہ دارا ابن دارا کی اولاد مین تھا اور سکندر کے برے زمانہ مین وہ بھاگ کر گڈریون مین جا ملا تھا پاپک کو یہ بات معلوم نہ تھی، ایک رات اُسنے خواب مین دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج نکلا ہے اور اسنے تمام عالم کو منور کر دیا، دوسری رات دیکھا کہ ساسان ایک سپید ہاتھی پر جسپر

---

[1] شاہنامہ مین اصطرخ لکھا ہوا ہے۔

قیمتی جھول پڑی ہوئی ہے۔ سوار جا رہا ہے اور تمام "کشور" کے لوگ اسکے ارد گرد ہین اسکی اطاعت کرتے ہین اور دعائین دیتے ہین، تیسری رات اُس نے دیکھا کہ آتش فروبہ گشپ اور مہر، ساسان کے گھر مین روشن ہے اور ساری دنیا مین اُجالا پھیلا ہوا ہے، ان خوابون سے گھبرا کر اُسنے تعبیر دینے والون اور دانشمندونکو بلایا اور اُن سے تینون خواب بیان کیئے معبرون نے کہا کہ یا تو وہ شخص جسکو آپ نے خواب مین دیکھا ہے یا اُسکی اولاد مین سے کوئی شخص تمام دنیا کا بادشاہ ہوگا، کیونکہ سورج اور قیمتی جھول والا ہاتھی، زور، طاقت اور فتح کی علامت ہین، آتش فروبہ سے مراد وہ لوگ ہین جو مذہب سے خوب واقف ہین اور اپنے ہمسرون مین ممتاز ہین، آتش گشسپ سے جنگجو اور جرگون کے سردار اور آتش بر جین مہر سے دنیا کے کاشتکار مراد ہین، پس بادشاہت اُسے یا اُسکی اولاد کو ملیگی"، پاپک نے یہ تقریر سُنکر سب کو رخصت کیا اور ساسان کو بلا کر اُس سے پوچھا "تم کس خاندان اور نسل سے ہو، تمھارے بزرگون اور بڑھون مین سے کوئی بادشاہ ہوا ہے؟" ساسان نے کہا کہ اگر جان بخشی ہو تو عرض کرون، پاپک نے اجازت دی، ساسان نے اپنا راز افشا کر دیا اور سارا حال بتلا دیا، پاپک یہ سُنکر خوش ہوا اور کہا کہ مین تمھاری حالت بہتر کرونگا، اور اسکے حکم دیتے ہی پورا لباس شاہی آیا اور ساسان کو عطا ہوا جب ساسان نے کہا کہ پہنو، اُس نے پہن لیا، وہ پاپک کے حکم سے چند روز عمدہ غذائین کھاتا رہا جس سے اُس کے جسم مین طاقت آگئی، پاپک نے پھر اپنی لڑکی سے اُس کی شادی کر دی، اور

قسمت کی یاوری سے وہ حاملہ ہوگئی، اور اُس سے تخشتر پیدا ہوا، فروبہ - فرہ باگ یا فرن باگ کی جگہ فردوسی نے خرید لکھا ہے. کارنامک کی عبارت جہان ساسان کی آمد کا ذکر ہے، بڑی روکھی پھیکی ہی - فردوسی نے اپنے زور قلم سے اُسمین جان ڈالدی ہے. اور یہ منجملہ اُن مقامات کے ہے جو فردوسی نے نہایت دلکش پیرایہ مین لکھے ہین،

اشعار فردوسی متعلق قصہ بابک و ساسان

چو دارا بہ رزم اندرون کشتہ شد	ہمہ دودہ را روز برگشتہ شد
پسہ بد مراو را یکے شاد کام	خردمند و جنگی و ساسان بہ نام
ازان لشکر روم بگرسیخت اوی	بدام بلا در نیا منیخت اوی
بہ ہندوستان در بزاری بمُرد	ز ساسان یکے کودکے ماند خرد
برین ہم نشان تا چہارم پسر	ہمے نام ساسانش کردے پدر
چو کہتر پسر سوے بابک رسید	بدشت آمد و سرشبان را بدید
بدو گفت مزدورت آید بہ کار	کہ ایدر گزارد بہ بد روزگار
بہ پذرفت بدبخت را سرشبان	ہمی داشت بارنج روز و شبان
شبے خفتہ بُد بابک روزیاب	چنان دید روشن روانش بخواب
کہ ساسان بہ پیل ژیان برنشست	گرفتہ یکے تیغ ہندی بہ دست
بہ دیگر شب اندر چو بابک نخفت	ہمی بود با نغرش اندیشہ جفت

چنان دید در خواب کاتش پرست ‏ سه آتش فروزان ببردی بدست
چو آذرگشسپ و چو خراد مهر ‏ فروزان چو بهرام و ناهید و مهر
همه پیش ساسان فروزان بدی ‏ بهر آتشی عود سوزان بدی
سر بابک از خواب بیدار شد ‏ روان و دلش پر ز تیمار شد
کسانیکه در خواب دانا بدند ‏ بدان دانش اندر توانا بدند
به ایوان بابک شدند انجمن ‏ بزرگان فرزانه و رای زن
چو بابک سخن برگشاد از نهفت ‏ همه خواب یکسر بدیشان بگفت
پر اندیشه شد زان سخن رهنمای ‏ نهاده بدو گوش پاسخ سرای
سرانجام گفت ای سرافراز شاه ‏ به تاویل این کرد باید نگاه
کسی را که دیدی تو زینسان بخواب ‏ بشاهی برآرد سر از آفتاب
گر ایدون که این خواب از و بگذرد ‏ پسر باشدش کز جهان برخورد
چو بابک شنید این سخن گشت شاد ‏ بر اندازه شان یک بیک هدیه داد
بفرمود تا سر شبان از رمه ‏ بر بابک آمد به روز دمه
بیامد دمان پیش او با گلیم ‏ پر از برف پشمین و دل پر ز بیم
بپرداخت بابک ز بیگانه جای ‏ چر شد پرستنده و رهنمای
ز ساسان بپرسید و بنواختش ‏ بر خویش نزدیک بنشاختش
بپرسیدش از گوهر و از نژاد ‏ شبان زو بترسید و پاسخ نداد

ازان پس بدو گفت کاے شہریار | شبان را بجان گر دہی زینہار
بگویم زگوہر ہمہ ہرچہ ہست | چو دستم بہ پیمان بگیری بہ دست
چو بشنید بابک زبان برکشاد | ز یزدان نیکی دہش کرد یاد
بہ بابک چنین گفت ازان پس جوان | کہ من پور ساسانم اے پہلوان
چو بشنید بابک فرو ریخت آب | ازان چشم روشن کہ او دید خواب
بیاورد پس جامۂ پہلوے | یکے اسپ پر آلتِ خسروے
یکے کاخ پر مایہ او را بساخت | ازان سر شبانی سرش برنوخت
بدو داد پس دختر خویش را | پسندیدۂ وافسرِ خویش را

کارنامک پہلوی اور شاہنامہ کے بیان مین بہت خفیف فرق ہے، جو عموماً تاریخی واقعات مین ہوتا ہے۔

مسٹر براؤن نے اور بھی چند داستانین کارنامک اور شاہنامہ کی مطابقت دکھانے کے لیے درج کی ہین، لیکن ہم نے طول کے لحاظ سے قلم انداز کیا۔

فردوسی کی وقعت شاعری کی حیثیت سے

عام اتفاق ہے کہ ایران مین اس درجہ کا کوئی شاعر آج تک نہین پیدا ہوا، انوری اُن شعرا مین ہے جنکو لوگون نے فردوسی کا ہمسر قرار دیا ہے، چنانچہ مشہور ہے۔

در شعر سہ تن پیمبرانند | ہر چند کہ لانبی بعدی

ابیات وقصیدہ وغزل را	فردوسی وانوری و سعدی

لیکن خود انوری کہتا ہے کہ فردوسی ہمارا خداوند ہی، اور ہم اُسکے بندے ہین.

آفرین بر روان فردوسی	آن ہمایون نژاد فرخندہ
آن نہ اُستاد بود و ما شاگرد	آن خداوند بود و ما بندہ

نظامی کہتے ہین،

سخن گوی پیشینہ دانای طوس　　　　که آراست زلف سخن چون عروس

علامہ ابن الاثیر نے مثل السائر کے خاتمہ مین لکھا ہے. کہ عربی زبان باوجود اس وسعت وکثرت الفاظ کے شاہنامہ کا جواب پیش نہین کر سکتی، اور درحقیقت یہ کتاب عجم کا قرآن ہے،،

یورپ کے فضلا بھی جو زبان فارسی سے واقف ہین عموماً فردوسی کی کمال شاعری کے معترف ہین سر گور اوسلی نے تذکرۃ الشعراء مین فردوسی کو ہومر سے تشبیہ دی ہی اگرچہ ساتھ ہی یہ ناتوان بینی بھی ظاہر کی ہے کہ" وہ اگرچہ دراصل ہومر کا ہمسر نہین ہو سکتا، لیکن ایشیا مین اگر کوئی ہومر ہو سکتا ہی تو وہی ہی"

لیکن تعجب اور سخت تعجب ہی کہ مسٹر براؤن جو آجکل فارسی دانان یورپ مین سب سے ممتاز ہین. فردوسی کے کمال شاعری کے منکر ہین. وہ اپنی کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا مین لکھتے ہین کہ "فردوسی کے بعد جو شعراء پیدا ہوئے وہ شاعرانہ خیالات اور شوکت الفاظ دونون حیثیت سے فردوسی سے بالاتر ہین. شاہنامہ سبعہ معلقہ کی بھی برابری نہین کر سکتا" صاحب موصوف کو اسپر حیرت ہی کہ شاہنامہ

تمام اسلامی دنیا مین اس قدر کیون مشہور عام ہوگیا۔ پھر خود اسکی وجہ یہ بتائی ہی کہ شاہنامہ مین مسلمانون کے اسلاف کی فخریہ داستانین ہین - اس لیے حب قوم نے اس کا سکہ جما دیا۔"

ہم ان سب باتون کے جواب مین صرف یہ کہتے ہین۔

حریفِ کاوشِ مژگان خون ریزش نہ زاہد
بدست آور رگ جانی و نشتر را تماشا کن

اب ہم شاہنامہ کے اوصاف کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہین۔ (شاہنامہ کی خصوصیات)

۱- اسلام کا خاصہ ہے کہ جہان جہان گیا ملک کی زبان سرے سے بدل دی یا اسقدر اسکو مغلوب کر لیا کہ وہ مستقل اور آزاد زبان نہین رہی اسلام سے پہلے مصر و شام مین قبطی اور سریانی بولی جاتی تھی، اسلام کے ساتھ تمام ملک کی زبان عربی ہو گئی، یہانتک کہ آج عیسائی یہودی وغیرہ بھی عربی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہین بول سکتے، (پہلی خصوصیت) ایشیاے کوچک اور قسطنطنیہ مین ترک گئے تو ملکی زبان ترکی ہوگئی، کابل اور قندھار کی اصلی زبان پشتو ہے لیکن خواص فارسی بولتے ہین جو اسلامی حکمرانون کی زبان تھی، ایران اور ہندوستان سخت جان تھے جہان ملک کی اصلی زبان قائم رہی لیکن عربی الفاظ اس کثرت سے داخل ہو گئے کہ اُن کی آمیزش کے بغیر فارسی یا اُردو لکھنا چاہین تو لزوم مالایلزم کی محنت اُٹھانی پڑتی ہی۔

ایران مین ابتدا ہی سے عربی نہایت شدت سے مخلوط ہوگئی تھی، عباس مروزی نے مامون الرشید کی مدح مین جو قصیدہ لکھا، اُسکے چار شعر آج موجود ہین، جن مین نصف سے زیادہ عربی الفاظ ہین، رودکی اور ابوشکور بلخی وغیرہ کا کلام عربی الفاظ کے

بھرا پڑا ہے، سلطان محمود کے زمانہ مین ایک فاضل نے شاہ نامہ کے جواب مین عمر نامہ ایک کتاب نثر مین لکھی تھی، وہ ہماری نظر سے گزری ہے، اُسکا بھی یہی حال ہے، اسی زمانے مین شیخ بو علی سینا نے حکمت علائیہ فارسی زبان مین لکھی اور قصد کیا کہ خالص فارسی مین لکھی جاے. لیکن عہدہ برآ نہو سکا۔ فردوسی کی قدرت زبان دیکھو کہ ساٹھ ہزار شعر لکھکر ڈالدیے، اور عربی الفاظ اسقدر کم ہین کہ گویا نہین ہین، اگرچہ اس خصوصیت کا موجد دقیقی ہے. لیکن کل ہزار شعر اور صرف چند معمولی واقعات ہین، بخلاف اس کے فردوسی نے ہر قسم اور ہر طرح کے سیکڑون گوناگون مطالب ادا کیے، اور زبان کے خالص ہونے مین فرق نہ آنے پایا، عربی کے جو الفاظ خال، خال، آے ہین اکثر وہ ہین جو خاص مصطلح الفاظ ہین، مثلاً دین، میمنہ. میسرہ. قلب. سلاح. عنان وغیرہ وغیرہ، یہ الفاظ اس طرح اس زبان مین شائع تھے جسطرح آج کل اُردو مین جج. کلکٹر. ٹکٹ. اسٹیشن وغیرہ ہین کہ انکے بجاے اگر کوئی شخص اور الفاظ استعمال کرے تو ناموزون معلوم ہونگے۔

حیرت وہان ہوتی ہے جہان فلسفیانہ اصطلاحین آتی ہین اور وہ اس بے تکلفی سے سادی فارسی مین اُن کو ادا کرتا جاتا ہے کہ گویا روزمرہ کی باتین ہین، بوعلی سینا نے بھی حکمت علائیہ مین یہ کوشش کی لیکن اسکا نمونہ دیکھو، ابطال غیر تناہی کے استدلال مین لکھتا ہی۔

"بیشی وبیشی با لطبع است چنانکہ اندر شمار است یا بہ عرض چنانکہ اندر اندازہ

است کہ از ہر کدام سو کہ خواہی آغاز کنی وہر چہ اندوے بیشی دیسی است بالطبع باوے مقداری ست کہ اورا بہرہ ہا بہر جا کہ بودند ہمہ بیک جاے حاصل وموجود بود وے متناہی است»

غور کرو اس کوشش کے ساتھ کس قدر عربی الفاظ اب بھی باقی رہ گئے اور جن عربی الفاظ کا فارسی مین ترجمہ کیا وہ اس قدر نامانوس اور بیگانہ ہین کہ عبارت معمّا ہو کر رہ گئی۔

عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزون مین جب تقدّم وتاخّر ہوتا ہے تو دو طریقہ سے ہوتا ہے بلاواسطہ جس طرح ایک عدد، دو پر مقدم ہے، یا بواسطہ جسطرح مسافت مین آگا پیچھا ہوتا ہے کہ گو ایک حصہ کو مقدّم اور دوسرے حصّہ کو مؤخر کہتے ہین، لیکن جہان سے چاہین مسافت کو شروع کر سکتے ہین، اب قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی چیز مین بالطبع تقدّم وتاخّر ہو گا ضرور ہے کہ اس مین مقدار ہو اور مقدار کے تمام اجزا مرتّب ہون، یہ بھی ضرور ہے کہ ایسی چیز متناہی ہو،

غور کرو بوعلی سینا کی عبارت سے کیا کوئی شخص یہ مطلب سمجھ سکتا ہی؟

فردوسی نے آغاز کتاب مین مخلوقات کی پیدائش کی ابتدا، عناصر کا وجود، اور اُن کی ترتیب اور انقلابات لکھے ہین۔

از آغاز باید کہ دانی درست	سرمایۂ گوہران از نخست
کہ یزدان ز ناچیز چیز آفرید	بدان تا توانائی آمد پدید
وزو مایۂ گوہر آمد چہار	برآوردہ بے رنج دبی روزگار

نخستین کہ آتش ز جنبش دمید — ز گرمیش پس خشکی آمد پدید
وزان پس ز آرام سردی نمود — ز سردی ہمان باز ترسی فزود
چو این چار گوہر بجاے آمدند — ز بہر سپنجی سراے آمدند
گیا رُست، باچند گونہ درخت — بزیر اندر آمد سران شان زبخت
ببالند دارد جزین نیروے — نہ پوید چو پویندگان ہر سوے
نگہ کن برین گنبد تیز گرد، — کہ درمان ازوی ست وزوی است (درد)
نہ گشت زمانہ بفرسایدش، — نہ این رنج و تیمار بگزایدش
(گردش)
نہ از گردش آرام گیرد ہمی، — نہ چون ماتباہی پذیرد ہمی

یونانیون کے نزدیک آفرنیش کی ابتدا اور اُس کی تاریخ یہ ہے کہ خدا نے مادہ پیدا کیا، مادہ سے عناصر پیدا ہوئے، حرکت سے آگ پیدا ہوئی، آگ کی گرمی نے یبوست پیدا کی جس سے خاک کا وجود ہوا، پھر سکون کی وجہ سے رطوبت پیدا ہوئی رطوبت نے پانی پیدا کیا۔ اس طرح چار عنصر پیدا ہوئے، پھر نباتات کا وجود ہوا، جنمین صرف نمو کی قوت ہے، متحرک بالارادہ نہین،

آسمان کی نسبت یونانیون کا خیال تھا کہ وہ ابدی ہین، اور امتداد زمانہ سے ان مین تغیر اور زوال نہین ہو سکتا، فردوسی نے ان مسائل کو ایسے سادہ اور صاف الفاظ مین ادا کیا ہے کہ معمولی باتین معلوم ہوتی ہین، اور یہ خیال بھی نہین ہوتا کہ ان مین فلسفیانہ اصطلاحین ہین، لیکن درحقیقت سب فلسفہ کے خاص الفاظ ہین

انکے مقابل کے عربی الفاظ دیکھو۔

سرمایہ	مادّہ	توانائی	وجود
گوہر	عنصر	جنبش	حرکت
آرام	سکون	پوئیندہ	متحرک بالارادہ
گشتن	دوران	فرسودن	تغیّر
تباہی	فنا		

اس طرح اور بہت سے الفاظ ہین، ہم نے صرف نمونہ دکھایا ہے۔

دوسری خصوصیت

۲- ایشیائی تاریخون کے متعلق عام شکایت ہے کہ ان مین بجز جنگ و خونریزی کے اور کچھ نہین ہوتا یعنی وہ حالات بالکل نہین ہوتے جن سے اس زمانہ کے ملکی معاملات اور قوم کی تہذیب و معاشرت کا حال کھُل سکے۔ یہ شکایت بہت کچھ صحیح ہی لیکن شاہنامہ اس سے مستثنےٰ ہے، شاہنامہ اگرچہ بظاہر صرف رزمیہ نظم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عام واقعات کے بیان مین اس تفصیل سے ہر قسم کے حالات آتے جاتے ہین کہ اگر کوئی شخص چاہے تو صرف شاہنامہ کی مدد سے اُس زمانہ کی تہذیب و تمدن کا پورا پتہ لگا سکتا ہے، بادشاہ کیونکر دربار کرتا تھا، امراء کس ترتیب سے کھڑے ہوتے تھے، عرض معروض کرنے کے کیا آداب تھے، انعام و اکرام کا طریقہ کیا تھا، بادشاہ اور امراء کا درباری لباس کیا ہوتا تھا؟ فرامین اور توقیعات کیونکر اور کس چیز پر لکھے جاتے تھے۔ نامہ و پیام کا کیا انداز تھا

مجرمون کو کیونکر سزائین دی جاتی تھین۔ بادشاہی احکام پر کیونکر نکتہ چینی کیجاتی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

شادیون کے کیا مراسم تھے، جہیز مین کیا دیا جاتا تھا، عروسی کی کیا کیا رسمین تھین، دولھا اور دولھن کا کیا لباس ہوتا تھا، پیشخدمت، غلام، اور لونڈیون کی وضع اور انداز کیا تھا۔

خط کتابت کا کیا طریقہ تھا کس چیز سے ابتدا کرتے تھے، خاتمہ کی کیا عبارت ہوتی تھی، خطوط کس چیز پر لکھے جاتے تھے، اُن کو کیونکر بند کرتے تھے، کس چیز کی مُہر لگاتے تھے،

مالگزاری کے ادا کرنے کا کیا دستور تھا، زمینون کی کیا تقسیم تھی، مالگزاری کی مختلف شرحین کیا تھین، ٹکس کیا کیا تھے، کون کون لوگ ٹیکس سے معاف ہوتے تھے یہ تمام باتین شاہنامہ سے بہ تفصیل معلوم ہوتی ہین، نمونہ کے طور پر ہم چند مثالین نقل کرتے ہین،

(۱) بیژن کی مہم مین کیخسرو نے رستم کو زابل سے بلایا ہے اور اُسکے لیے باغ مین دربار کیا ہے، دربار مین تخت زرین بچھایا گیا ہے، اسپر ایک مصنوعی درخت نصب ہے، جسکا سایہ بادشاہ پر پڑتا ہے، درخت چاندی کا ہے، یاقوت کی شاخین ہین، موتیون کے خوشے دانے ہین، زرین ترنج اور سیب پھلے ہوئے ہین، جو مجوّف ہین اور اُنکے اندر مشک کا بُرادہ ہے جو جب چلتی ہے تو مشک

جھڑتی ہے، اسی کے قریب وہ فرش تھا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ مین ایران کی فتح مین آیا تھا) ان تمام باتون کو فردوسی نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

در باغ بگشاده سالار بار — نشستنگهی ساخت بس شاهوار
بفرمود تا تاج زرین و تخت — نهادند زیر گل افشان درخت
درختے زدند از بر گاه (تخت) شاه — کجا سایه گستر و بر تاج و گاه
تنش سیم و شاخش ز یاقوت زر — بر و گونه گون خوشه هاے گهر
عقیق و زبرجد همه برگ و بار — فرو هشته از شاخ چون گوشوار
همه بار زرین ترنج و بهی — میان ترنج و بهی بد تهی
بد و اندرون مشک سوده بمے — همه پیکرش سفته بر سان نے
کرا شاه برگاه بنشاندے — بر او باد ازان مشک بفشاندے
بیامد نشست او به زرینه تخت — بسر برش ریزنده مشک از درخت
همه مے گساران به پیش اندرا — همه بر سران افسر از گوهرا
همه طوق بر سینه و گوشوار — به بر بر همه جامهٔ زرنگار

(۲) افراسیاب نے جب اپنی بیٹی فرنگیس کی شادی سیاوش سے کی ہے۔ اور فرنگیس سیاوش کے گھر آئی ہے، تو اُسکی جہانی اور عروسی کے ساز و سامان کو اس طرح بیان کیا ہے۔

به گنج آنچه بُد اندرون نامدار — گزیدند زربفت چینی هزار

زبرجد طبقہا و فیروزہ جام — پُر از نافہ مشک و پُر عود خام
دو افسر پُر از گوہر گوشوار — دو یارہ یکی طوق و دو گوشوار
ز گستردنیہا شتر وار شصت — ز زربفت پوشیدنیہا سہ دست
یکے تخت زرین و کرسی چہار — سہ نعلین زرین زبرجد نگار
پرستندہ سی صد بزرین کلاہ — ز خویشان نزدیک صد نیک خواہ
پرستار با جام زرین دویست — تو گفتی بہ ایوان درون جائے نیست
ہمی صد طبق مشک و صد زعفران — ہمی رفت گلشہر با خواہران

اسفندیار کا تابوت رستم نے روانہ کیا تھا تابوت کے مراسم دیکھو۔

یکے نغز تابوت کرد آہنین — بگستر و فرشے ز دیبائے چین
درانداو یک روئے آہن بہ قیر — پراگند بر قیر مشک و عبیر
وزان پس کہ پوشید روشن برش — ز پیروزہ بر سر نہاد افسرش
چہل اشتر آورد رستم گزین — ز بالا فروہشتہ دیبائے چین
یکے اشترے زیر تابوت شاہ — چپ و راست اشتر بس اندر سپاہ
پشوتن ہمی رفت پیش سپاہ — بریدہ فش و دُم اسپ سیاہ
برو بر نہادہ نگونسار زین — ز زین اندر آویختہ گرز کین
ہمان نامور خود و خفتان اوے — ہمان ترکش و مغفر جنگجوے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین کسی امیر کا جنازہ نکلتا تھا تو لوہے

کے تابوت مین رکھ کرلیجاتے تھے، تابوت کے ایک رخ کو سیاہ رنگ سے رنگ دیتے تھے،
پھر اُسپر مشک و عنبر چھڑکتے تھے، میت کو کپڑے پہناتے تھے اور سر پہ تاج رکھتے
تھے، تابوت کو اونٹ پر محمل مین رکھتے تھے، اور اُسکے دائین بائین اور بہت سے
اونٹ ساتھ ساتھ چلتے تھے، پیچھے فوج ہوتی تھی، میت کی سواری کا گھوڑا ساتھ
ہوتا تھا اُسکی یال اور دُم کاٹ دیتے تھے، زین اولٹ کر رکھتے تھے، میت کے
اسلحہ جنگ زین پر لٹکتے چلتے تھے،

تیسری خصوصیت ۳- ایشیائی شعرا کا عام قاعدہ ہے کہ کسی داستان کے بیان کرنے مین حسن و عشق کا
کہین اتفاقی موقع آجاتا ہے تو اس قدر پھیلتے ہین، کہ تہذیب و متانت کی حد سے
کوسون آگے نکلجاتے ہین، نظامی اور جامی جیسے مقدس لوگ اس حمام مین آکر ننگے
ہوجاتے ہین، لیکن فردوسی باوجود اسکے کہ اسکو تقدس کا دعویٰ نہین ایسے موقعون پر
آنکھ نیچی کئے ہوے آتا ہے اور صرف واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ایک
سرسری غلط انداز نگاہ ڈالتا ہوا گزرجاتا ہے، بیژن اور منیژہ کی صحبت عیش کو جان
لکھا ہے، لکھتا ہے۔

نشستنگہ رود ومی ساختند	ز بیگانہ خرگہ بپرداختند
پرستندگان ایستادہ بپاے	ابا بربط و چنگ و رامش سراے
بدیبا زمین کردہ طاؤس رنگ	ز دینار و دیبا چو پشت پلنگ
چہ از مشک و عنبر چہ یاقوت و زر	سراپردہ آراستہ سربسر

مے سالخوردہ بجامِ بلور	بہ آوردہ باپیرنِ گیو زور
سہ روز سہ شب شاد بودہ بہم	گرفتہ براو خوابِ مستی ستم

زال اور رودابہ کے عاشقانہ اختلاط مین زیادہ پھیلا ہے، پھر بھی یہ رنگ ہے۔

گرفت آن زمان دستِ دستان بدست	برفتند ہر دو بکردار مست
سوے خانۂ زرنگار آمدند	بدان مجلسِ شاہوار آمدند
شگفت اندران ماہ بد زالِ زر	بدان روے و بالا و آن موی و فر
دو رخسارہ چون لالہ اندر چمن	سر جعد زلفش شکن در شکن
زدیدنش رودابہ می نارمید	بدزدیدہ در وے ہمی بنگرید
ہمی بود بوس و کنار و نبید	نگر شیر[ل] کو گور را نشکرید

چوتھی خصوصیت

۴۔ عام خیال ہے کہ فردوسی بزم اچھی نہین لکھتا بے شبہ یوسف زلیخا مین اسکی شاعری کا رتبہ بہت گھٹ گیا ہے، لیکن یہ اسکے رنج و غم اور دل شکستگی کا زمانہ تھا جب اسکے تمام جذبات افسردہ ہو چکے تھے، یوسف زلیخا لکھنے سے اسکا مقصد صرف مذہبی جماعت کو خوش کرنا تھا، جو اتنی بات پر فردوسی سے ناراض تھے کہ اس نے مجوسیونکی مدح و ثنا مین کیون اسقدر اوقات صرف کی، لیکن شاہنامہ مین جہان جہان بزم کا موقع آیا ہے، شاعری کا چمن زار نظر آتا ہے۔

زال رودابہ پر عاشق ہوا ہے، اسکے شوق مین گھر سے نکلا ہے، اسکو خبر ہوتی ہے

ل یعنی دیکھو شیر نے گورخر کو پا کر شکار نہین کیا،

وہ لب بام آکر کھڑی ہوتی ہے، زال کوٹھے کے برابر آکر اوپر جانے کی تدبیرین سوچتا ہے
رودابہ اپنی چوٹی کھول کر لٹکا دیتی ہے کہ اسکے سہارے چڑھ آؤ، زال زلف کو بوسہ
دیتا ہے اور کمند ڈالکر کوٹھے پر اُترتا ہے، دونون مل جُلکر بیٹھتے ہین، لطف و محبت کی
باتین ہوتی ہین، شراب کا دَور چلتا ہے، یہ سما دیکھو کس طرح دکھایا ہے،

سپہبد سوے کاخ بنہاد روے | چنان چون بود مردم جُفت جوی
برآمد سیہ چشم (زال ۱۲) گل رخ بہ بام | چو سرو سہی بر سرش ماہِ تمام
چو از دور دستانِ سام سوار | پدید آمد آن دخترِ نامدار
دو بیجادہ بگشاد و آواز داد (زال ۱۲) | کہ شاد آمدی ای جوان مرد شاد
پری روی گفت (یاقوت یعنی لب ۱۲) و سپہبد شنود | ز سر شعر گلنار بگشاد زود
کمندی گشاد او (زال ۱۲) ز سرو بلند | کس از مشک زان سان نہ پیچد کمند
خم اندر خم و مار بر مار بود | بران عنبرِ بن تار بر تار بود
فروہشت گیسو ازان کنگرہ | کہ بازید و شد تا بہ بن یکسرہ
پس از بارہ (قلعہ ۱۲) رودابہ آواز داد | کہ اے پہلوان بچہ (تنگ آیا ۱۲) گُرد زاد
بگیر این سرِ گیسو از یک سویم | ز بہرِ تو باید ہمے گیسویم
بدان پرورانیدم این تار را | کہ تا دستگیری کند یار را
نگہ کرد زال اندران ماہروے | شگفتی (متعجب ۱۲) بماند اندران رُوی و موے
بسایید مشکین کمندش بہ بوس | کہ بشنید آواز بوسش عروس

چنین داد پاسخ که این نیست داد	چنین روز خورشید روشن مباد
کمند از رهی بستد و داد خم	بیفگند بالا، نزد هیچ دم
بحلقه در آمد سر کنگره	بر آمد ز بن تا بسر یکسره
چو بر بام آن باره بنشست باز	بیامد پری روی و بردش نماز

(آگے کے اشعار اوپر گزر چکے)

تم کہوگے کہ رودابہ نے زال کو کہین جوان مرد، کہین پہلوان بچہ کہہ کے خطاب کیاہے، اور خود فردوسی رودابہ کی تعریف مین بالااور فر وغیرہ الفاظ استعمال کرتا ہے، حالانکہ بزم کی لطافت اور نزاکت ان الفاظ کی متحمل نہین ہوسکتی، لیکن یہ فردوسی کی نکتہ سنجی اور بلاغت شعاری کی دلیل ہے، اسکو معلوم ہے کہ وہ کابل وزابلستان کے محبوب کا ذکر کررہا ہے، لکھنؤ کا نہین، وہان کے لوگ آج بھی اپنے پیارے اور چہیتے کی نسبت یہی الفاظ بولتے ہین، کابل کا معشوق لکھنؤ کی طرح دھان پان نہین ہوتا، بلکہ بالیدہ قامت، پُر اندام، اور تنومند ہوتا ہے، اسلیے بالا اور فر کا لفظ وہان کے معشوق کی اصلی تصویر ہے،

بیژن جب افراسیاب کی سرحد مین پہنچا ہے، تو گرگین نے اس سے بیان کیا کہ یہان سے پاس ایک مرغزار ہے، جہان سال مین ایک دفعہ افراسیاب کی بیٹی منیژہ سہیلیون کے ساتھ سیر کو آتی ہے اور ہفتون رہتی ہے، دیکھو فردوسی نے اس موقع پر مرغزار کی بہار اور پریرویون کے جھرمٹ کی تصویر کس طرح کھینچی ہے۔

ہمہ بیشہ و باغ و آب روان	یکے جایگاہ اندرِ پہلوان
زمین پرنیان و ہوا مشک بوی	گلابست گوئی مگر آب جوی
خم آوردہ از بار شاخ سمن	صنم شد گل و گشت بلبل شمن
خرامان بہ گرد گلان بر، تدرو	خروشیدنِ بلبل از شاخ سرو
پری چہرہ بینی ہمہ دشت و کوہ	بہر سو بہ شادی نشستہ گروہ
ہمہ دُخت ترکان پوشیدہ روی[1]	ہمہ سروقد و ہمہ مشک بوی
ہمہ رخ پر از گل، ہمہ چشم خواب	ہمہ لب پُر از مے بہ بوی گلاب

اخیر شعر پر غور کرو "ہمہ چشم خواب" کے مبالغہ اور بیساختگی پر متاخرین کے ہزاروں تکلفات اور مضمون آفرینیاں نثار ہیں۔

ایک اور موقع پر ایک پریچہرہ کی تصویر کھینچتا ہے۔

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند	بہ بالا بہ کردارِ سروِ بلند
دو برگِ گلش سوسن می سرشت	دو شمشاد عنبر فروش از بہشت (بطور)
بنا گوش تابندہ خورشید وار	فرو ہشتہ زو حلقۂ گوشوار
لبان از طبرزد زبان از شکر (مصری ۱۲)	دہانش مُکلّل بہ دُرّ و گہر

ان سادہ اور فطری مبالغوں کو دیکھو "لبان از طبرزد زبان از شکر"

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ وہ مضمون آفرینی اور خیال بندی کے تکلفات سے عہدہ برآ

[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کی رسم ایرانیوں میں بھی قدیم سے ہے۔

نہین ہو سکتا، اِس انداز مین بھی وہ کسی سے کم نہین۔

بدنبال چشمش یکے خال بود	کہ چشم خودش ہم بدنبال بود

سہراب نے جب ایران کی سرحد مین پہنچکر قلعہ سپید کا محاصرہ کیا ہی تو قلعہ سے ایک عورت مردانہ لباس پہنکر نکلی ہے، اور سہراب سے جنگ آزما ہوئی ہی، دیر تک رد و بدل کے بعد سہراب نے اسکو گرفتار کیا۔ جلم چہرے سے ہٹی تو معلوم ہوا کہ عورت ہے۔ سہراب فریفتہ ہو گیا لیکن عورت فریب دیکر نکل گئی، سہراب اب سپہگری چھوڑ کر عشق کا دم بھرنے لگا، دیکھو فردوسی اسکے نالہ و زاری کو کس طرح ادا کرتا ہے۔

همی گفت از ان پس دریغا دریغ	کہ شد ماہ تابندہ در زیر میغ
غریب آهوے آمدم در کمند	کہ از بند جَست و مرا کرد بند
عجب ہرن میری کمند مین آیا،	کہ خود چھوٹ کر نکل گیا اور مجھکو قید مین ڈال گیا
زہی چشم بندے کہ آن پُر فسون	بہ تیغم نہ خست و مرا ریخت خون
اس شعبدہ کو دیکھو کہ اس جادوگر نے	مجھکو تلوار نہین ماری لیکن مین قتل ہو گیا
ندانم چہ کرد آن فسون گر بمن	کہ ناگہ مرا بست راہِ سخن،
بزاری مرا خود بباید گریست	کہ دلدار خود را ندانم کہ کیست
همی گفت و میسوخت از غم بسے	نمی خواست راز ش بداند کسے
ولے عشق پنہان نماند کہ راز	بمُردُم نماید ہمی اشک باز
غم جان برآرد خروش از درون	اگر چند عاشق بود ذو فنون

ہر چند ۱۲

ان شعرون مین عشقیہ شاعری کی تمام ادائین موجود ہین، استعارات اور تشبیہات کا بھی ہلکا سا رنگ ہے، شاعرانہ ترکیبین بھی ہین ع کہ از بند جست و مرا کرد بند۔ع بہ تیغم نہ خست و مرا ریخت خون، یہ سب کچھ ہے لیکن فردوسی اس بات کو نہین بھولا کہ وہ سہراب کی داستان لکھ رہا ہے، محمد شاہ و واجد علی شاہ کی نہین، اس لیے فوراً سہراب پہلوان کی زبان سے نصیحت کرتا ہے، اور دیکھو ایک حوصلہ مند فاتح کی نصیحت کا کیا انداز ہے۔

ازان کار ہومان نبودش خبر	کہ سہراب را ہست خون در جگر
ولے از فراست بدل نقش بست	کہ اورا پریشانیے داد دست
بہ دام کسے پاے بند آمدہ است	ز زلف بتے در کمند آمدہ است
نہان میکند درد و خونین دل است	ہوس میرود راہ و پا در گل است (یعنی ہوس میرود ۱۲)
یکے فرصتے جست و گفتش بہ راز	کہ اے شیر دل گرد گردن فراز
فریب پری پیکران جوان	نخواہد کسے کو بود پہلوان
نہ رسم جہانگیری و سروری است	کہ از مہرہا ہے بباید گریست
ز توران بہ کارے برون آمدیم	تشا ور بدریاے خون آمدیم
اگرچند این کار باشد بہ کام	ولے ہست در پیش رنجے تمام
ببایدہ شہنشاہ کاؤس وطوس (ہرچند ۱۲)	چہ رستم کہ بر شیر دارد فسوس

پھر بہت سے ایرانی پہلوانون کے نام گنا کر کہتا ہے،

توئی مرد میدان این سروران	چہ کارت بہ عشق پری پیکران

تو کارے کہ داری نہ بُردی بسر | چرا دست، بازی بہ کار دگر
بہ نیروی مردی جہان را بگیر | زشاہان بدست آر تاج وسریر
چو کشور بدستِ تو آید فراز | بہر جاے خوبان بربندت نماز
ازان گفتہ سہراب بیدار شد | دلش بستۂ بند پیکار شد
بگفت اے سرِ نامدارانِ چین | بگفتار خوبت ہزار آفرین
شد این گفت تو داروی جانِ من | کنون با تو نگسست پیمانِ من
جہان را سراسر چہ خشک و چہ آب | درآرم بفرمانِ افراسیاب
بگفت این و دل را ز دلبر بکند | برآمد بہ افرازۂ تخت بلند

دیکھو ایک شجاع دامِ عشق مین اتفاقاً پھنس بھی جاتا ہے تو کس طرح جلد چھوٹ کے نکلجاتا ہے فردوسی نے موقع پاکر عشقیہ شاعری کا کمال بھی دکھلادیا، اور پھر متانت اور شائستگی کا سررشتہ کہین ہات سے نہ چھوٹا، متاخرین بلکہ نظامی وسعدی کو بھی اتنا سہارا ہات آجاتا تو خدا جانے کہان سے کہان نکلجاتے۔

پانچوین خصوصیت

۵۔ شاعری کا اصل کمال واقعہ نگاری اور جذبات انسانی کا اظہار ہے، ان دونون باتون مین وہ تمام شعرا کا پیش رو اور امام ہے، وہ جس واقعہ کو لکھتا ہے اس کے تمام جزئیات اور گردوپیش کے ہر قسم کے حالات اور واقعات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے پیدا کرتا ہے پھر اُن کو اس خوبی کے ساتھ ہُو بہُو ادا کرتا ہے کہ واقعہ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے، اور شعرا یا تو واقعہ کے متعلق چھوٹی چھوٹی باتون پر نظر ڈالنا

ضروری نہین سمجھتے یا سمجھتے ہین لیکن طبیعت، فطرت شناس نہین ہوتی، اسلیے باریک باتون پر نظر نہین پڑتی یا پڑتی ہے لیکن زبان پر قدرت نہین کہ جون کا تون ادا کردین، اسلیے یا بات کو بدل کر کہتے ہین، یا استعارات و تشبیہات کے دامن مین پناہ لیتے ہین، تم دیکھتے ہو کہ فردوسی استعارہ کے پاس ہوکر نہین نکلتا تشبیہین وہی پاس پاس کی لیتا ہے، مجاز کو بہت کم ہات لگاتا ہے، اسکی وجہ نہین کہ وہ ان باتون مین قاصر ہے بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چیزین واقعہ کے چہرہ پر نقاب ڈالدیتی ہین، اور اُسکا اصلی خط و خال نظر نہین آتا، غور کرو۔ یہ لکھنا مقصود ہے کہ خاقان چین ہاتھی پر ہے، رستم نے کمند پھینکی اور اسکو گرفتار کرکے ہاتھی سے ٹپک دیا، فردوسی اسکو اس طرح ادا کرتا ہے۔

چو از دست رستم رہا شد کمند	سر شہریار اندر آمد بہ بند
ز پیل اندر آورد و زد بر زمین	بہ بستند بازوے خاقانِ چین

نظامی کو اسی قسم کا موقع پیش آتا ہے وہ کہتے ہین۔

کمند عدو بند را شہریار	بینداخت چون چنبر روزگار

بے شبہ عدو بند کے لفظ سے جملہ کی ترکیب چست ہوگئی "چنبر روزگار" کی تشبیہ نے بھی ندرت پیدا کی، یہ سب کچھ ہوا لیکن سننے والے پر یہ اثر ہوا کہ اصل واقعہ کے بجائے اسکی توجہ الفاظ اور تشبیہ کی طرف متوجہ ہوگئی اور کمند مین گرفتار ہونے کی اصلی حالت سامنے نہ آسکی یہی نکتہ ہے کہ فردوسی واقعات اور جذبات کے بیان کرنے مین استعارات اور تشبیہات وغیرہ سے بہت کم کام لیتا ہے، اور جب اسکو طباعی اور انشاپردازی کا

زور دکھانا ہوتا ہے تو دوسرے موقعے تلاش کرتا ہے، چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

واقعہ نگاری کے دقیق نکتون پر اسکی نظر جس طرح پڑتی ہے، اسکی ایک دو مثالین ہم لکھتے ہین،

پہلوان جب جوش شجاعت مین لبریز ہوتا ہے تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ لڑائی بھڑائی کچھ نہین، تنہا بیٹھا ہے، لیکن آپ ہی آپ بھرا پڑتا ہے، اور جوش مین آپے سے باہر ہوا جاتا ہے۔ سہراب جب ایرانی فوج کے ایک ایک سردار پر نظر ڈال کر ہجیر سے اُنکا نام و نشان پوچھتا ہے تو اسکی نظر رستم پر بھی پڑتی ہے، اور ہجیر سے کہتا ہے، یہ کون شخص ہے جسکی یہ حالت ہے کہ۔

بخود ہر زمان بر خروشند ہمے آپ ہی آپ بپھر رہا ہے	توگوئی کہ دریا بجوشد ہمے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا دریا جوش مارتا ہے

ایک جسیم اور تناور پہلوان کبھی تخت پر بیٹھا ہوتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سارے تخت پر چھایا جاتا ہے، اس حالت کو فردوسی نے اُس موقع پر جب رستم سہراب کے دیکھنے کو گیا ہے اور سہراب تخت پر بیٹھا ہوا اپنے پہلوانون سے باتین کر رہا ہے۔ اس طرح ادا کیا ہے، ع توگفتی ہمہ تخت سہراب بود۔

سہراب نے کیکاؤس کے خیمہ کے پاس جاکر برچھی سے خیمہ کی میخین اکھاڑ کر پھینکدی ہین فردوسی اس واقعہ کو اس طرح ادا کرتا ہے،

ازان پس بجنبید از جاے خویش	بہ نزدیک پردہ سرا رفت پیش

خم آورد پشت و سنان ستیغ		بزد تند و برکند ہفتاد میخ	
سراپردہ یک بہرہ آمد زپاے		زہر سو برآمد دم کرہ ناے	

عام شعرا اگر اس واقعہ کو لکھتے تو صرف اسپر قناعت کرتے کہ سہراب نے میخین اکھاڑ کر پھینکدین، لیکن یہ خصوصیات کہ "وہ جھکا، جھک کر زور سے نیزہ مارا، ستر میخین اکھاڑ کر پھینک دین، دوخیمہ کا ایک حصہ گر پڑا" نظرانداز کر جاتے، حالانکہ واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لیے ان تمام باتون کا ادا کرنا ضروری ہے۔

اسی تفصیلی واقعہ نگاری کی بدولت ہمکو بہت سے ایسے محاورون تک رسائی ہوتی ہے جو یون کبھی عام طریقۂ بیان مین نہین آسکتے تھے،

مثلاً سہراب نے جب رستم کو گرز مارا ہے تو رستم تلملا جاتا ہے مگر ضبط سے کام لیتا ہے اور سہراب پر ظاہر نہین ہونے دیتا، اس واقعہ کو اُردو کا محاورہ دان صرف اس لفظ سے ادا کریگا کہ "پی گیا"، فردوسی نے بھی صرف محاورہ سے کام لیا، چنانچہ کہتا ہے ع بپیچید و درد از دلیری بخورد، رستم ایک معرکہ مین صرف کمندبات مین لیکر گیا ہے، حریف سے سوال جواب ہوئے تو اُسنے طنز سے کہا کہ "اس دھاگے کے بل پہ بہت نہ اتراؤ"، فردوسی اس طنزیۂ محاورہ کو بعینہ اسی طرح ادا کرتا ہے،

بدو گفت ہومان کہ چندین مدم		بہ نیروے این رشتہ شصت خم	

واقعہ نگاری کی مثالون سے تمام شاہنامہ بھرا پڑا ہے، ہم نمونہ کے طور پر ایک مختصر لیکن مسلسل داستان یہان نقل کرتے ہین،

یہ وہ موقع ہے کہ سہراب ایک ایرانی پہلوان کو لیکر کیکاؤس کے لشکرگاہ کو دیکھنے چلا ہے فوجین اپنے اپنے افسرون کے ساتھ الگ الگ ساز و سامان سے آراستہ ہین سہراب ایک ایک پر نگاہ ڈالتا جاتا ہے اور ہر ایک کا نام و نشان پوچھتا ہے، ایرانی پہلوان جواب دیتا ہے،

بدو گفت کز تو بپرسم همه — ز گردن کشان و ز شاه و رمه [فوج ۱۲]

سراپردهٔ دیبهٔ رنگ رنگ — بدو اندرون خیمه‌های پلنگ

بپیش اندرون بسته [[illegible] ۱۲] صد زنده [قوی ۱۲] پیل — یکی تخت پیروزه [فیروزہ ۱۲] برسان نیل

یکی زرد خورشید¹ پیکر درفش [علم ۱۲] — سرش ماه زرین، غلافش بنفش [بنفشی رنگ کا ۱۲]

بقلب سپاه اندرون جای کیست — ز گردان ایران ورا نام چیست

بدو گفت کان شاه ایران بود — که بر درگهش پیل و شیران بود

وزان پس بدو گفت کز میمنه — سواران بسیار و پیل و بنه [اسباب ۱۲]

سراپردهٔ برکشیده سیاه — بده گردش اندر ستاده [صف بصف ۱۲] سپاه

بگرد اندرش خیمه زاندازه بیش — پس پشت پیلان و شیران به پیش

زده پیش او پیل پیکر درفش — بدر بر سواران زرینه کفش

چه باشد ز ایرانیان نام اوی — بگو تا کجا باشد آرام اوی

چنین گفت کان طوس نوذر بود — درفشش کجا پیل پیکر بود

¹ خورشید پیکر یعنی آفتاب کی صورت کا۔

بپرسید کان سرخ پردہ سرای	یکے لشکرے کشن بپیشش بپای ۱۲ گروہی
یکے شیر پیکر درفش بنفش	دُر افشان گهر در میان درفش
پس پشتش اندر سپاہی گران	ہمہ نیزہ داران جوشن وران
چنین گفت کان فرّہ آزادگان	سپہدار گودرز کشوادگان
سپہ کش بود گاہ کینہ دلیر	دو چل پور دارد چو پیل و چو شیر

اب رستم کی باری آتی ہے

دگر گفت کان سبز پردہ سرای	بزرگان ایران بپیشش بپای
یکے تخت پُر مایہ اندر میان	زدہ پیشِ او اختر کاویان ۱۲ علم
بر او بر نشستہ یکے پہلوان	ابا فرّ و با سفت و یال گوان ۱۲ شانہ ۱۲ بازو ۱۲ پہلوان
ازان کس کہ بر پائے پیشش براست	نشستہ بیک سر از و برتر است
جو شخص سامنے کھڑا ہے	رستم کا قد اس سے بیٹھنے کی حالت میں بھی نکلا ہوا ہے
بہ ایران نہ مردے بہ بالاے او	کمندے فرو هشتہ تا پاے او
درفشش ببین اژدہا پیکر است ۱۲ علم	بران نیزہ بر شیر زرین سر است
بجوشد ہر زمان بر خروشد ہمے	تو گوئی کہ دریا بجوشد ہمے
کہ باشد بنام آن سوارِ دلیر	کہ ہر دم ہمی بر خروشد چو شیر

ہجیر نے رستم کا نام بدل کر بتایا۔ سہراب اب اور افسروں کا حال پوچھتا ہے۔

وزان پس بپرسید کز مہتران	کشیدہ سرا پردہ بر کران ۱۲ الگ

سواران بسیار و پیلان بپاے	برآید ہمے نالۂ کرّنا ے (قرنا ۱۲)
میان سراپرده تختے زده	ستاده غلامان به پیش رده (صف بصف)
ز ایران بگو نام آن مرد چیست	کجا جاے دارد نژادش زکیست
چنین گفت کان پور گودرز گیو	که خوانند گردان ورا گیو نیو
ز گودرزیان بهتر و مهتر است	به ایران سپه بر دو بهره سراست (دو تہائی افسر ۱۲)
بدو گفت زان سو که تابنده شید (آفتاب ۱۲)	برآید یکے پرده بینم سپید
ز دیباے رومی به پیشش سوار	رده برکشیده فزون از هزار (صف بصف ۱۲)
پیاده سپردار و نیزه وران	شده انجمن لشکرے بیکران
ز دیبا فروهشته زیبا جلیل	غلام ایستاده رده خیل خیل (صف بصف)
نشسته سپهدار بر تخت عاج (پردہ ۱۲)	نهاده بران عاج کرسی ساج
چه نام است اورا از نام آوران	سپهبد نژاد است یا سروران
بدو گفت کو را فرابرز خوان	که فرزند شاه است و تاج گوان
بدو گفت سهراب کین در خورست	که فرزند شاه است و با افسرست

واقعہ نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو اُسکو مرقع نگاری یعنی آج کل کے محاورہ مین سین دکھانا کہتے ہین،

جذبات رزمیہ مین درد و غم کے اظہار کا کم موقع پیش آتا ہے، اور آئے بھی تو بلاغت یہی خصوصیت ہے کہ اسکو زیادہ پھیلایا نہ جائے، تاہم کہین کہین اسکا موقع پیش آگیا ہی، تو فردوسی نے

اسمین بھی کمال دکھایا ہے، سہراب کے مرنے کی خبر سُنکر اُس کی مان کی جو حالت ہوئی ہے اور جسطرح اُسنے نالہ و زاری کی ہے، اُسکو اس طرح ادا کرتا ہے،

خروشید و جوشید و جامہ درید	بہ زاری بران کودکِ نارسید (نوجوان)
برآورد بانگ و غریو و خروش	زمان تا زمان زوہمی رفت ہوش
فروبرد ناخن دو دیدہ بکند (آنکھین نکال ڈالین ۱۲)	برآورد و بالا در آتش فگند (دمبدم ۱۲)
مران زلف چون تاب دادہ کمند	بہ انگشت بپیچید و از بن بکند
بسر بر فگند آتش و بر فروخت	ہمہ موی مشکین بہ آتش بسوخت
ہمی گفت کاے جانِ مادر کنون	کجائی؟ سرشتہ بخاک و بخون
دو چشمم بہ رہ بود گفتم مگر	ز سہراب و رستم بیابم خبر
چہ دانستم اے پور کاید خبر	کہ رستم بخنجر دریدت جگر
دریغش نیامد ازان روے تو	ازان برز و بالای بازوے تو
بپروردہ بودم تنش را بناز	بہ رخشندہ روز و شبان دراز
کنون آن بخون اندرون غرقہ گشت	کفن بر تنِ پاک او خرقہ گشت
کنون من کرا گیرم اندر کنار	کہ خواہد بُدن مر مرا غمگسار
پدر جستی اے گرد لشکر پناہ	بجاے پدر گورت آمد براہ
چرا نامدم با تو اندر سفر	کہ گشتی بہ گردانِ گیتی سمر (مشہور ۱۲)
مرا رستم از دور بشناختے	ترا با من اے پور بنواختے

بیند اختے تیغ آن سرفراز — نکرے جگر گاہت لمے پور باز
ہمی گفت و می خست و می کند موے — ہمیزد کفِ دست بر خوب روے
زخون او ہمی کرد لعل آب را — بہ پیش آورید اسپ سہراب را
سر اسپ او ابہ بر در گرفت — بماندہ جہانے درو در شگفت (متعجب ۱۲)
گہے بوسہ زو بر سرش گہ بروے — زخون زیر سمش ہمی راند جوے
بیاورد آن جامہ شاہوار — گرفتش چو فرزند اندر کنار
بیاورد خفتان و درع و کمان — ہمان نیزہ و تیغ و گرزِ گران
بسر بر ہمی زد گران گرز را — ہمے یاد کرد آن بر و برز را
بیاورد زین و لگام و سپر — لگام و سپر را ہمے زد بسر

سہراب کی ماں نے جو کچھ کہا ہے کس قدر سچ اور کسقدر پُر تاثیر ہے، سہراب کے گھوڑے کو گود مین لینا، اسکے ہات پاؤن چومنا، سہراب کے کپڑون کو بچہ کی طرح آغوش مین لینا، ہتیارون کو سر پر مارنا، کسقدر اصلی حالت کی سچی تصویر ہے،

بیژن، ایرانی پہلوان تھا، افراسیاب کی لڑکی منیژہ اُسپر عاشق ہوگئی، اور چوری سے لیجا کر گھر مین رکھا، جب افراسیاب کو خبر ہوئی تو اُس نے بیژن کو ایک کنوئین مین قید کر دیا، اور منیژہ کو گھر سے نکالدیا، منیژہ بیژن کی تیمارداری اور خبر گیری کرتی تھی رستم بیژن کے چھڑانے کو سوداگر بنکر گیا، اور توران پہنچکر تجارت کے سامان پھیلائے، منیژہ کو خبر ہوئی، دوڑی ہوئی آئی اور رستم سے بیژن کے حالات بیان کئے،

رستم نے اس خیال سے کہ راز فاش نہو جائے، منیژہ کو جھڑک دیا کہ مین بیژن وبیژن کو کچھ نہین جانتا منیژہ دل شکستہ ہو کر کہتی ہے۔

بہ رستم نگہ کرد و بگریست زار	زخواری بباریدہ خون در کنار
بدو گفت کای مہتر پُر خرد	ز تو سرد گفتن نہ اندر خورد
رستم سے کہا کہ اے سردار	اس طرح رُکھائی سے جواب دینا آپکے شایان نہین
سخن گر نگوئی مرا نم ز بیش	کہ من خود دلے دارم از درد ریش
اگر بات نہین کرتے تو نہ کرو لیکن مجکو اذیت نہ دیجیو	میرا دل تو خود مصیبت سے زخمی ہو رہا ہی
چنین باشد آئین ایران مگر	کہ درویش را کس نگیرد خبر
کیا ایران کا یہی دستور ہے	کہ لوگ غریبون سے بات نہین کرتے
زدی بانگ بر من چو جنگ آوران	نہ ترسی تو از داورِ داوران
مجکو پہلوانون کی طرح ڈانٹ بتاتے ہو	تمکو بادشاہونکے بادشاہ (خدا) کا کچھ ڈر نہین
منیژہ منم دختِ افراسیاب	برہنہ ندیدہ تنم آفتاب
کنون دیدہ پُر خون و دل پُر ز درد	ازین در بدان در دو رخسارہ زرد
برای یکے بیژن شور بخت	فتادم ز تاج و فتادم ز تخت

اختصار اور زور

بلاغت کے نکتہ شناس جانتے ہین، کہ کسی واقعہ کے بیان کرنے مین جب حد سے زیادہ زور دینا مقصود ہوتا ہے، تو لمبی چوڑی تمہید اور تفصیل وہ کام نہین دیتی جو ایک پُر زور مختصر جملہ کام دیتا ہے، قرآن مجید مین اوحی الی عبدہ ما اوحی اغشیہم من

الیمہ ما غنیہم مین جو بات ہے وہ سیکڑون جملون سے ادا نہین ہو سکتی، روم کے فاتح کا مشہور جملہ تم نے سنا ہوگا "مین آیا، مین نے دیکھا، مین نے فتح کیا"، شاہنامہ مین اسکی مثالین کثرت سے موجود ہین، سہراب کی پُر درد داستان اس شعر سے شروع کی ہی۔

کنون جنگ سہراب و رستم شنو	دگرہا شنیدستی این ہم شنو

صرف دو این ہم نے جو بات پیدا کی وہ ہزارون تمہید سے نہین پیدا ہو سکتی تھی، رستم افراسیاب کو خط لکھتا ہے، اور تہدید کے وسیع مضمون کو ایک مصرع مین ادا کرتا ہے،

دگر نہ بکام من آمد جواب	من و گرز و میدان و افراسیاب

نظامی نے اپنے فخریہ مین زمین و آسمان کے قلابے ملاے ہین لیکن فردوسی کے دو مصرع سب پر بھاری ہین۔

بسے رنج بردم درین سال سی	عجم زندہ کردم، درین پارسی

رستم کی مار دھاڑ ہنگامہ آرائی اور قتال و جدال کا سمان صرف چار مصرعون مین دکھایا ہے،

بروز نبرد آن یل ارجمند درید و برید و شکست و بہ بست	بہ شمشیر و خنجر بہ گرز و کمند یلان را سر و سینہ و پا و دست

صلاح و مشورہ کے لیے لوگ جمع ہوے ہین، اسی مین کھانا بھی سامنے آگیا ہی

لوگ کہا پی کر، اُٹھ کھڑے ہوئے، اِسکو اس طرح ادا کرتا ہے۔

	پے مشورہ مجلس آراستند		نشستند و گفتند و برخاستند

آٹھوین خصوصیت

۸. صنائع بدائع، شاعری کے زوال کا پیش خیمہ ہین، اسلیئے فردوسی کے کلام مین اسکو ڈھونڈھنا نہین چاہیے، لیکن جو محاسن شاعری ضمناً کسی صنعت مین آجاتے ہین اسکے کلام مین پائے جاتے ہین، اور اعلیٰ درجہ پر پائے جاتے ہین، مثلاً لف و نشر مرتب۔

	بروزِ نبرد آن یلِ ارجمند		بہ شمشیر و خنجر بگرز و کمند
	دریدو برید و شکست و ببست		یلان را سر و سینہ و پا و دست

لف و نشر مع طباق و مقابلہ۔

	ز شد بہ ماہی و بر شد بہ ماہ		بُن نیزہ و قُبّہ بارگاہ
مبالغہ	ز بس گردِ میدان کہ بر شد بہ دشت		زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

رزمیہ شاعری | رزمیہ شاعری جسکو انگریزی مین ایک پوئم کہتے ہین، شاعری کے انواع مین سے بہترین انواع ہے، یورپ کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا شاعر ہومر ہے اُسکا کارنامہ فخر یہی رزمیہ شاعری ہے، مہابھارت جسکو ہند و آسمانی کتاب سمجھتے ہین وہ بھی ایک رزمیہ نظم ہے، اور اگر ان دونون کے پہلو مین کسی کو جگہ دیجا سکتی ہے تو وہ شاہنامہ ہے،

رزمیہ شاعری کے کمال کے چند شرائط ہین، واقعہ ایسا اہم بالشان ہو جس نے

دنیا کی تاریخ مین کوئی انقلاب پیدا کر دیا ہو، لڑائی کے ہنگامہ کا بیان اس زور شور در پُر رعب طریقہ سے کیا جائے کہ دل دہل جائین، معرکۂ جنگ کے تمام ساز و سامان اور آلات و اسلحۂ جنگ تفصیل سے بیان کئے جائین، سالار فوج اور مشہور بہادر کی لڑائی کے بیان مین لڑائی کے تمام داؤن پیچ ایک ایک کر کے دکھائے جائین، شاہنامہ مین یہ تمام باتین اعلیٰ درجہ پر پائی جاتی ہین۔

ہنگامۂ جنگ اور ہل چل	ز لشکر بر آمد سراسر خروش	زمین پُر خروش و ہوا پُر خروش
	جہان لرزلرزان شد و دشت و کوہ	زمین شد ز نعل ستوران ستوہ
	درفش اندر درفش گروہ از گروہ	گسستہ نشد شب بر آمد ز کوہ
	درخشیدن تیغہائے بنفش	ازان سایۂ کاویانی درفش
	تو گفتی کہ اندر شب تیرہ چہر	ستارہ ہمے بر فشاند سپہر
	زمین گشت جنبان چو ابر سیاہ	تو گفتی ہمے بر نتابد سپاہ
	بلند آسمان چون زمین شد ز خاک	ز ہر سو ہمی بر شدہ چاک چاک
	دل کوہ گفتی بدرد ہمے	زمین با سواران بپرّد ہمے
	ز بس نعرۂ نالۂ کرنائے	ہمے آسمان اندر آمد ز جائے
	چنان تیرہ شد روی گیتی ز گرد	تو گفتی کہ خورشید شد لاجورد
	بزد مہرہ بر کوہۂ ژندہ پیل	زمین جنب جنبان چو دریائے نیل
	ز گرد سواران ہوا بست میغ	چو برق درخشندہ پولاد تیغ

زجوش سواران و آواز کوس	هوا تیرگون شد زمین آبنوس
تو گفتی زمین موج خواهد زدن	وزان موج بر اوج خواهد زدن
زبس گرد میدان که بر شد بدشت	زمین شش شد و آسمان گشت هشت
زبس نیزهٔ و گرز و گوپال و تیغ	تو گفتی هوا ژاله بارد ز میغ
ز کشته همه دشت آوردگاه	تن و دست و سر بود و ترک کلاه
بپوشید دشت و بتوفید کوه	ز جوش سواران هر دو گروه
تو گفتی که روی زمین آهن است	ز نیزه هوا نیز در جوشن است

شاہنامہ میں لڑائی کے سامان اور اسلحہ جنگ کی اس قدر تفصیل پائی جاتی ہے کہ ہم بہ تفصیل بتا سکتے ہیں، کہ آج سے دو ہزار برس پہلے آلات جنگ کیا کیا تھے پہلوان اور بہادر کیا کیا ہتھیار لگاتے تھے لباس جنگ کیا کیا تھے، مثلاً لڑائی کے وقت جو باجے استعمال ہوتے تھے، اُنکے یہ نام ہیں، تبیرہ - گاؤدم - خرمہرہ - کوس - طبل نقّارہ - کرنا ے - سرغین -

اسلحہ جنگ یہ تھے، زرہ - جوشن - خود - مغفر - چار آئینہ - خفتان - ترک - ببر بیان - برگستوان -

آلات اور سامان جنگ یہ تھے، گوپال - گرز - تیغ - سپر - درفہ - خنجر ژوبین - ناوک - خشت - تیر - خدنگ - کمند - سنان - نیزہ - ژوپین پرتاب - تبرزین - دبوس - قاروره - شراع - عرّاده -

رایت۔ علم۔ درفش۔ اختر۔ سراپردہ۔

اقسام فوج، قلب۔ میمنہ۔ میسرہ۔ طلایہ۔ ساقہ دمدار۔

اُس زمانہ مین مجموعی فوج کے لڑانے کا فن نہ تھا اسلیے یہ پتہ نہین لگتا کہ سپہ سالار کس طریقہ سے فوج کو لڑاتے تھے، رستم اگرچہ سپہ سالار تھا اور شاہنامہ سرتاپا گویا اُسی کی داستان ہے تاہم کہین یہ پتہ نہین لگتا، کہ اُسنے فوج کو کیونکر لڑایا، طریقۂ جنگ یہ تھا کہ ایک ایک پہلوان میدان مین آتا تھا، اور معرکہ آرا ہوتا تھا، ان معرکہ آرائیون کو فردوسی اس تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ سماباندھ دیتا ہے۔

لڑائی کے جتنے طریقے تھے، یعنی کُشتی لڑنا، تلوار چلانا، تیر مارنا، کمند پھینکنا، برچھی چلانا وغیرہ وغیرہ شاہنامہ مین سب بہ تفصیل پائے جاتے ہین، اور جس چیز کو جہان لکھا ہے اس طرح لکھا ہے کہ اسکا نقشہ آنکھون مین پھر جاتا ہے۔

کمند اندازی	تہمتن ز الوای شد دردمند	ز فتراک بگشاد پیچان کمند
	چو آہنگ رزم یلان داشتے	کمندے دگر زیر ران داشتے
	(نام پہلوان) بیامد بغرید چون پیل مست	کمندے بہ بازو در گرزے بدست
	بدو گفت کاموس چندین مدم	بہ نیروے این رشتۂ شصت خم
	برانگیخت کاموس جنگی نبرد	ہم آوردرا دید بازو و برد
	بینداخت تیغ پرند آورش	ہمی خواست از تن گسستن سرش
	سرِ تیغ بر گردن رخش خورد	ببرید بر گستوان نبرد

نیامد تن رخش را زان گزند — گو پیلتن، حلقه کرد آن کمند

پهلوان

بینداخت و افگندش اندر میان — برانگیخت از جای رخش دمان

به ران اندر آورد گردش دوال — عقابی شده رخش با پر و بال

به رای و دلیری بیفشرد ران — گران شد رکیب و سبک شد عنان

همی خواست آن خام خم کمند — به نیروی تن بگسلاند ز بند

شد از هوش کاموس نگسست خام — گو پیلتن رخش را کرد رام

عنان را بپیچید و او را ز زین — نگون اندر آورد و زد بر زمین

دو دست از پس پشت بستش چو سنگ — به خم کمند اندر آورد چنگ

تیراندازی

تهمتن به بند کمر برد چنگ — گزین کرد یک چوبه تیر خدنگ

خدنگی بر آورد پیکان چو آب — نهاده بر او چار پر عقاب

بمالید چاچی کمان را بدست — به چرم گوزن اندر آمد شکست

ستون کرد چپ را و خم کرد راست — خروش از خم چرخ چاچی بخاست

چو سوفارش آمد به پهنای گوش — ز چرم گوزنان بر آمد خروش

چو پیکان ببوسید انگشت او — گذر کرد از مهره پشت او

چو زد تیر بر سینه اشکبوس — سپهر آن زمان دست او داد بوس

قضا گفت گیر و قدر گفت ده — فلک گفت احسن، ملک گفت زه

نیزه بازی

بر آشفت سهراب شد چون پلنگ — چو بدخواه او چاره جو شد به جنگ

	عنان برگرائید و بر داشت اسپ	بیامد بہ کردار آذر گشسپ
	چو آشفتہ شد شیر، تندی نمود	سر نیزہ را سوی او کرد زود
	بدست اندرون نیزہ جانستان	پس پشت خود گردش آنگہ سنان
	بزد بر کمر بند گرد آفرید	زرہ بر تنش یک بہ یک بر درید
	ززین برگرفتش بہ کردار گوی	کہ چوگان ز باد اندر آید بروی
کشتی گیری	گرفتند ازان پس دوال کمر	دو اسپ تگاور بہ آوردہ بر
	یکے بُد بدست یل اسفندیار	بدست دگر رستمِ نامدار
	نبرد کشیدند زی خویشتن	دو گُرد سرافراز و دو پیلتن
	ہمی زور کرد این بر آن آن بر این	نہ جنبید یک مرد بر پشتِ زین
	کف اندر دہان شان شدہ خون و خاک	ہمہ گبر و برگستوان چاک چاک
	چو رستم ورا دید نفشر دران	گرِدن برآورد گُرز گران
	چو تنگ اندر آورد با او زمین	فرد کرد گُرزگران را بہ زین

شاہنامہ کا اثر شاہنامہ کے مقبول عام ہونے کے مخالف بہت سے اسباب جمع تھے، سب سے مقدم یہ کہ وہ سرتاپا غیر قومون کا کارنامہ تھا اور مسلمانون کا جہان جہان ذکر آگیا تھا نہایت حقارت سے انکو یاد کیا تھا۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجاے رسید ست کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

قادسیہ کے معرکہ مین مسلمانون نے بے نظیر شجاعت کے جوہر دکھلائے تھے فردوسی نے اسکو بھی مذمم کرکے دکھایا تھا، اس بات پر مذہبی گروہ مین عام ناراضی پھیلی، چنانچہ اسی زمانہ مین عمر نامہ[1] ایک کتاب لکھی گئی، جسکے دیباچہ مین سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ فردوسی نے ایرانیون کے جھوٹ سچ قصے لکھکر ملک مین مشہور کردیے، اسلیے یہ کتاب حضرت عمر فاروق کے حالات مین لکھی گئی، کہ لوگون کی توجہ اُدھر سے ہٹ جائے۔

چونکہ فردوسی نے سلطان محمود کی، ہجو لکھکر شاہنامہ مین اسکو منضم کردیا تھا اسلیے لوگ شاہنامہ کو ہات لگاتے ڈرتے تھے، فردوسی چونکہ معتوب شاہی تھا اسلیے بھی اُسکی تصنیف مقبول عام نہو سکتی ہوگی۔

یہ سب تھا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ خراسان سے لیکر بغداد تک در و دیوار سے شاہنامہ کی صدا آنے لگی، تقریر، تحریر، تصنیف تالیف، خلوت و جلوت، کوچہ و بازار، اسکی آواز بازگشت سے گونج اُٹھے، لوگ جب کام سے فارغ ہوکر بیٹھتے تو کوئی خوش لہجہ شخص حفظ شاہنامہ کے اشعار پڑھتا، اور شجاعت، جانبازی، دلیری، حُبِ وطن کا اثر تمام مجلس پر چھا جاتا۔

سیکڑون برس تک، سلاطین و امراء کی باہمی خط و کتابت مین شاہنامہ کے اشعار جابجا درج ہوتے تھے، اور دلیری اور بہادری کے موقعون پر بے ساختہ

---

[1] یہ کتاب میری نظر سے گزری ہے۔

اسکے اشعار زبان سے نکل جاتے تھے، میدان جنگ مین رجز کے بجائے شاہنامہ کے اشعار پڑھے جاتے تھے، سلجوقیون کے اخیر فرمانروا طغرل ارسلان نے میدان جنگ مین لڑکر جان دی تو شاہنامہ کے یہ اشعار زبان پر تھے۔

من آن گرز یک زخم بر داشتم		سپہ را ہمان جائے بگزاشتم	
چنان ؟ بر خروشیدم از پشت زین		کہ چون آسیا شد، پر یشان زمین	

شاہنامہ ہی کے اثر نے، سیکڑون برس تک، ایران کی شاعری کو غزل سے پاک رکھا، امتداد زمانہ سے جب اسکا اثر گھٹا، اور عشق و عاشقی کے خیالات قوم مین پھیلنے لگے، تو دفعۃً تاتاریون کے طوفان نے مسلمانون کی خاک تک اڑادی

شاہ نامہ کی زبان

شاہ نامہ کی زبان، آج کی زبان سے اسقدر مختلف ہو کہ گویا دو زبانین الگ الگ ہین، اور یہ شاہ نامہ کی تخصیص نہین، اُس زمانہ کے شعرا کی عام زبان یہی تھی لیکن چونکہ اور کسی شاعر نے اسقدر الفاظ استعمال نہین کیئے اسلیئے فردوسی کی زبان بہ نسبت اور شعرا کے زیادہ بیگانہ اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہو۔

شاہ نامہ کی زبان کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

ا ضمیرون کی ترکیب، مثلاً۔

ع زشادی رخان شان چو گل بر دمید،

اب یون کہین گے رخ ہای ایشان،

۲۔ غیر جاندار چیزون کی جمع الف و نون سے مثلاً

اگر عمر باشد مرا سالیان، یعنی سالہا،

۳۔ اسم اور فعل کے آخر میں الف زائد مثلاً

ع سیا یک بر آمد برہنہ تنا، یعنی تن،

ع بہ سی روز گیتی بہ پیمایدا

۴۔ فارسی الفاظ پر تشدید مثلاً خوشّی۔ زرّہ۔ پرّہ۔ ہمّہ۔ مژّہ۔ زرّبفت۔ کرّتّہی۔

۵۔ بعض زائد حرف، مثلاً چنان کے بجائے چونان۔ اشیا کے بجائے اشیا اور چنین کے بجائے چونین۔ فرشتہ کے بجائے فریشتہ۔

۶۔ در کے بجائے اندرون مثلاً۔

بہ جنگ اندرون گرزہ گاؤ رنگ،

۷۔ متحرک بجائے ساکن، اور ساکن بجائے متحرک، مثلا

ع۔ بگویم زمادرش وہم از پدرش ع نیامد ستا از شیر و ز دیو باک۔

ع بہ شادی ہمہ جان بر افشاندند۔

۸۔ بے کے پہلے الف زائد،

ع ابے او نباشیم در جنگ شاد۔

۹۔ د یا بجائے یا

دیا بارۂ رستم جنگجوے،		بہ آخر نہد بے خداوند روے،	

۱۰- کجا بہ معنی کہ

ع درفشش کجا پیل پیکر بود،

۱۱- از بر بمعنی بر-

ع نشست از بر کوہۂ تند پیل یعنی بر کوہ،

۱۲- ایچ بمعنی ہیچ-

ع زپیکان نبود ایچ پیدا سرش،

۱۳- تاے خطاب کا استعمال مثلاً

ع- ہزارانت کو دک دہم نوش لب یعنی ہزاران ترا،

چو آمی ُخنیان کت مراد ہوا است، یعنی کہ ترا

۱۴ اورا بمعنی اورا

چو رستم ورا دید خیرہ بماند، یعنی چو رستم اورا دید،

۱۵- ازو کے بجاے ازدی،

بر مادر آمد بہ پرسید ازوی بدو گفت گستاخ بامن بگوی

۱۶- ازیرا بجاے ازین رو-

ع ازیرا سرت زآسمان برتر است - یعنی ازین رو،

۱۷ -آزمایش کے بجاے آزمون

نہادی برودست را آزمون	شکم برزمین برنہادی ہیون

۱۸۔ میم متکلم کا حذف۔

اگر من نہ رفتے بہ ماژندران   یعنی اگر من نہ رفتمے

ان تصرفات کے علاوہ سیکڑون الفاظ ہین جو بالکل متروک ہوگئے یا اُن کی صورتین بدل گئین، یا اُنکے بجاے اور اور الفاظ استعمال ہین ہین، مختصراً چند الفاظ ذیل مین درج ہین۔

لفظ	معنے	لفظ	معنے
ویژہ	خاص	تال و مال	ریزہ ریزہ
مر	شمار	تخش	تیر
ایدون	حالا	ترک	کلاہِ آہنی
ایدر	اینجا	ترنگ	صدای کمان
آخرُ	اصطبل	تلاش	پراگندہ
آذین	زینت و آرایش	تنگ آمدن	نزدیک آمدن
آذرگشسپ	برق	جوال	ظرفیست کہ از پشم بافند
آستی	آستین	چاک	سفیدۂ صبح
برسان	بسان	چاک چاک	صدائے آزدن شمشیر
آغاز	ارادہ	چرنگیدن	آواز گرز
افسوس	ظلم و ستم	چک	قبالہ اور دستاویز

اَنْدُ	چند، یا اندک	سه دیگر	سیوم
اندرخور	لائق	شارسان	شهر و شهرستان
انوشه	آفرین	شبگیر	صبح
بادسر	مغرور	شخودن	خراشیدن
بارگی و باره	اسپ	شکردن	پاره کردن
باژ	خراج	غُرم	میش کوهی
بخش	حِصّہ	غرچه	مخنث و نامرد
برتر	بلندی	غو	خروش
بسنده	کافی	گو	پهلوان
بسیج	قصد و کارسازی	فرو ریختن از اسپ	فرود آمدن
بگماز	شراب	فزونی	فضیلت و بزرگی
پازهر	تریاک	فسیله	گله اسپ
پذیره	استقبال کردن	فش	دُم و یال اسپ
پدرام	آراسته	قاروره	آله ایست از آلات جنگ
پهلوانی	زبان پهلوی	خشت	نیزه کوچک
در	دره کوه، و مرتبه	دبوس	گرز
۶ گفتش به راز این سخن در بدر		درع	پیراهن زنان

لفظ	معنی	لفظ	معنی
درخت	دار ایساسته	سبز در سبز	نام لکھنے است
درقه	سپر چرمین	ستاده	خیمه
دستار	دستر خوان	ستاره	مهری
دستبند	زنان رقاص	ستودان	دخمه
دست حایه	جامه سروپا	ستیخ	راست وبلند
دست راست	وزیر اعظم	سرسری	فرومایه
دستوار	عصا	سرون	شاخ گاو
دفتر شکستن	دفتر ساختن	سفت	دوش
دمداره	ساقه لشکر	شیب	دنباله تازیانه
دواج	لحاف	ماروچ	گچ
دیدار	چشم و رخ، و پدیدار گشتن	صُلّاب	اصطلاب
رده	صف	طبرخون	بید سرخ
رزمه	بقچه	طُغرل	نوعی از مرغ شکاری
رسته	صف زده	قُرطه	کُرته
رفت آوری	آمد و رفت کردن	کاتوزی	زاهد
رنج	رنگ	کالوشه	دیگچه

روزبان	دربان	کشکین	نانِ جوین
روسپی	فاحشه	کفچ	آبِ دهن
ریدک	غلام وامرد	کلک	کمان
ریمن	مکار	کنارنگ	بزرگ قوم
زحیر	پیچ وتاب	کندآور	پہلوان
زخم	عمارت	کوهسر	کوهسار
زمزم	کلمات مُغان که وقت	گردگاه	تہی گاه وکمر
	پرستش گویند	گردگان	مرہون
زمی	زمین	گریغ	گریز
زنهارخوردن	عهد شکستن	گشن	بسیار
زوار	خادم زندان خانه	ماهار	مهار شتر
زکیدن	آهسته زیرلب گفتن	مزیح	طعنه وظرافت
سان	عرض لشکر	منجوق	ماہچہ علَم
سہت	سنگین وگران	دیله	نعره
ناباک	بے باک	هرکاره	دیگ سنگی
نخ	صف لشکر	هزمان	هر زمان
نوز	هنوز	همانند	مانند

نیو	پہلوان	ہوش	جان
دان	نگہبان	لیشک	چاروندان پشیین
ویر	بادوفہم		جانوردرندہ،

اسدی طوسی

اقلیم سخن (رزم) کا یہ دوسرا تاجدار ہے، صاحب آتشکدہ نے اسکو سلطان محمود کی سبعہ سیارہ مین شمار کیا ہے۔

اسدی کا نام علی بن احمد اور کنیت ابو نصر ہے، سلسلۂ نسب شاہان عجم سے ملتا ہے تحصیل علوم کے بعد عراق کا سفر کیا، اور دیلمیون کے دربار مین رسائی حاصل کی، عراق سے آذربایجان آیا، یہان کا رئیس ابو دلف کرکری تھا، اسکا وزیر نہایت قدردان علم وفن تھا، اُسنے اسدی سے کہا کہ فردوسی نے شاہنامہ لکھکر، عجم کو زندہ کیا، تم اُسی کے ہموطن اور ہم فن ہو تم بھی کچھ یادگار چھوڑ جاؤ، اسدی نے گرشاسپ نامہ لکھکر، ہم فنی کا حق ادا کیا، چنانچہ ان تمام واقعات کو خود دیباچہ مین لکھا ہے۔

یکے بود سردار دنیا و دین	گران مایہ دستور شاہ زمین
بمن گفت فردوسی پاک مغز	بداد است داد سخنہاے نغز
بہ شہنامہ گیتی بیاراست است	و زان نامہ نام نکو خواست است
تو ہم شہری او در او ہم پیشۂ	چو او در سخن چابک اندیشۂ

ازان ہمرہان نامۂ باستان　　　　بہ نظم آر خرّم یکے داستان

دولت شاہ نے لکھا ہے، اور اور تذکرہ نویسون نے بھی اس کی تقلید کی ہے

کہ فردوسی جب غزنین سے بھاگ کر مختلف شہرون سے گزرتا ہوا، وطن مین آیا، اور

زندگی کے دن قریب آ گئے، تو اسدی کو بلا کر کہا کہ شاہنامہ کا کچھ حصّہ ناتمام رہ گیا ہے

میرے بعد کون اسکو پورا کر سکے گا، اسدی نے کہا جان اُستاد! کچھ اندیشہ کی بات نہین

مین اس خدمت کو انجام دونگا، چنانچہ ایک رات دن مین چار ہزار شعر لکھکر فردوسی کو

سنائے۔ فردوسی نہایت خوش ہوا اور وہ اشعار شاہنامہ مین داخل کر لیے یہ وہ اشعار ہین جہان عرب کے

حملے اور ایران کی شکست کا ذکر ہے،

لیکن ہمارے نزدیک، یہ روایت، محض فرضی اور غلط ہے، نہ شاہنامہ ناتمام

رہا تھا نہ اسدی فردوسی کا اُستاد تھا[1]، نہ فردوسی، اسدی سے ایسی فرمایش کر سکتا تھا،

نہ ایک رات دن مین اسدی سے چار ہزار شعر لکھے جا سکتے تھے، ان سب پر مستزاد یہ

کہ اسدی کے انداز سے، ان اشعار کو مطلقاً مناسبت نہین۔

شاعری پر اسدی کا ایک احسان یہ ہے کہ قصائد مین جدت کا راستہ نکالا،

اکثر قصائد مین مناظرات لکھے ہین اور یہ اُسکا خاص ایجاد ہے، وہ دو چیزون کو لیکر

---

[1] اسدی نے گرشاسپ نامہ مین فردوسی کا نام جس طرح لیا ہے، اس سے قطعی ثابت ہوتا ہے کہ

فردوسی اسکا شاگرد نہ تھا، یہ شعر ملاحظہ ہو۔

بہ شہنامہ فردوسی نغز گوے　　　　چو از پیش گویندگان برد گوے

باہم مناظرہ کرتا ہے ہر ایک کی طرف سے ترجیح کے دلائل پیش کرتا ہے، اور بالآخر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز کرتا ہے، چنانچہ رات دن، زمین آسمان، گبر و مسلم، قوس و رمح، شب و روز کا مناظرہ مجمع الفصحا مین نقل کیا ہے،

اسدی سب سے پہلا شخص ہے جسنے مصطلحات فارسی پر کتاب لکھی، چنانچہ اسکے خاص ہات کا لکھا ہوا نسخہ دیانات کے کتب خانہ مین موجود ہے، سلگمین سنے اس کتاب کو چھاپ کر شائع بھی کیا ہے[۱]۔

کلام پر رائے

اسدی اگرچہ فردوسی وغیرہ کا ہمعصر ہے، لیکن تشبیہات اور مضمون بندی کے لحاظ سے، نظامی سے دوش بدوش ہی، ایک جنگل کی تعریف مین لکھتا ہی،

چنان تنگ و درہم یکے بیشہ بود	کہ رفتن دران کار اندیشہ بود
اس طرح کا گھنا جنگل تھا	کہ اُس مین صرف خیال چل سکتا تھا،
درختانش سر در کشیدہ بہم	چو خطّ دبیران یک اندر دگر
اسکے درخت اس طرح پاس پاس تھے	جس طرح خوشنویسون کی سطرین ہوتی ہین
ہمہ شاخہا تا بہ چرخ کبود	ہم در شدہ تنگ چون تار و پود
تمام شاخین آسمان تک	اسطرح لپٹی ہوئی تھین جسطرح کپڑے مین تانا بانا ہوتا ہے
تو گفتی سپاہی است در جنگ سخت	وز و ہست گرد و گرہ ہر درخت
یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فوج لڑائی مین مصروف ہے	ہر درخت پہلوان ہے

[۱] مسٹر براون کی کتاب جلد دوم تذکرہ اسدی۔

کمان شاخہا شان، ہمہ گرز بار شاخین، کمان تھین، گرز پھل تھے نتابیدہ اندر وے از چرخ ہور آفتاب کبھی اس مین چمکا نہین تھا	سپر برگہا و سنان نوک خار پتے سپر، اور کانٹے برچھیان تھین ز تنگی رہش پوست رفتے زمور اسقدر گنجان تھا کہ چیونٹی اسمین چلتی تو اسکی کھال اتر جاتی

اس قسم کی تشبیہات، اور اس قسم کا مبالغہ، متوسطین بلکہ متاخرین کا انداز ہی بااین ہمہ واقعہ نگاری اور صورت حال کے منظر دکھانے مین اسدی کو فردوسی سے کم مایہ نہین کہہ سکتے، گرشاسپ نے جہان اژدہا کو مارا ہے، اس موقع پر اژدہا کی تصویر دیکھو کس طرح کھینچی ہے، اگلے زمانہ مین اژدہا کی تصویر جو لوگون کے ذہن مین تھی، یہ تھی کہ بیس تیس گز کا لمبا ہوتا ہے، آگے دو بڑے بڑے دانت ہاتھی کی طرح نکلے ہوتے ہین، سانس لیتا ہے تو منھ سے شعلے نکلتے ہین، سر پر کانٹے کی طرح بال ہوتے ہین، جسم پر ہاتھی کے کان کے برابر چھٹے ہوتے ہین جنکو کبھی سمیٹ لیتا ہی اور کبھی پھیلا دیتا ہے، آنکھین ستارہ کی طرح دور سے چمکتی ہین،

شدہ اندر و درہ ہر سوے نگرید بران پشتہ اہ، سینہ سایان کین چو تاریک غارے دہن کردہ باز دہان و نفس دود و آتش بہم زتف دہانش، دل خارہ موم گرمی ۱۲ پتھر ۱۲	ناگاہ آن اژدر آمد پدید زپیچیدنش جنبش اندر زمین دو شکیش چو شاخ گوزن دراز دانت ۱۲ دہان کورۂ آہن و شعلہ دم بھٹی ۱۲ ز زہر و مش باد گیتی سموم

به دُود نفس هر دو جنبش ز نور	درخشان چو در شب ستاره ز دور
گره در گره خم دُم تا به پشت	همه سرش چون خار و موها درشت
پشیزه پشیزه تن از رنگ نیل	ازان هر پشیزه همه از گوش فیل (بڑا ۱۲)
گهی چون سپر بر فگندیش باز	گهی همچو جوشن کشیدی دراز
چو بر کوه سُودے تن سنگ رنگ	بفرسنگ رفتے چکاکاک سنگ

غرض شاہنامہ اور سکندر نامہ کی بیچ کی کڑی گرشاسپ نامہ ہے، نظامی نے غالباً گرشاسپ نامہ کو سامنے رکھکر سکندر نامہ لکھا ہے،،

منوچہری

دامغان وطن ابو النجم کنیت احمد نام شصت کلہ لقب اور منوچہری تخلص تھا دولت شاہ نے اسکو بلخی لکھا ہے، چونکہ نہایت دولتمند تھا، اسلیے شصت کلہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، امیر منوچہری بن شمس المعالی امیر قابوس بن وشمگیر جو مشہور رئیس اور جرجان کا فرمانروا تھا اور ۴۰۳ھ میں تخت نشین ہوا تھا، یہ اس کے دربار میں ملازم تھا، اس مناسبت سے منوچہری تخلص کیا تھا، ۴۳۲ھ میں منوچہری نے انتقال کیا تو یہ غزنین میں آیا اور عنصری کی مدح میں قصیدہ لکھا جو اسکے دیوان میں موجود ہے، مدح کے چند شعر یہ ہیں،

اوستاد اوستادان زمانہ عنصری	عنصرش بے عیب و دل بے غش و دینش بے فتن
شعر او چون طبع او ہم بے تکلف ہم بدیع	طبع او چون شعر او ہم با ملاحت ہم حسن
کو جریر و کو فرزدق کو ولید و کو لبید	رو بہ و عجاج و دیک الجن و سیف ذی یزن
گو فراز آیند و شعر اوستادم بشنوند	تا عزیزی روضہ بینند و لطیفی نسترن
شعر او فردوس را ماند کہ اندر شعر او	ہر چہ در فردوس ما را وعدہ کردہ ذو المنن
کوثر است الفاظ عذب او معنی سلسبیل	لفظ او انہار خمر و وزن اش انہار لبن

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ اسنے عنصری کی شاگردی بھی اختیار کی لیکن یہ بھی

خوشامد کا ایک پہلو تھا، جس طرح قلعہ مین لوگ بہادر شاہ سے گلستان پڑھنے جایا
کرتے تھے، بہرحال عنصری نے اسکو دربار شاہی مین پہنچایا اور سلطان محمد ابن
محمود کے حضور مین تر خانی کا منصب ملا یعنی جب چاہتا دربار مین چلا جاتا
کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ محمد[۵۱] چند روز کی سلطنت کے بعد یعنی ۴۲۱ھ مین گرفتار ہو کر
قید ہوا اور اُسکے بھائی سلطان مسعود نے تخت سلطنت پر جلوس کیا، منوچہری
کے اکثر قصائد مسعود ہی کے مدح مین ہین مسعود بھی اسکا نہایت قدردان تھا،
یہانتک کہ دربار کے شعرا اسپر رشک کرتے تھے ایک قصیدہ مین منوچہری نے
فخر کے لہجہ مین اسکا ذکر کیا ہے، تقی کاشی نے خلاصۃ الافکار مین لکھا ہے کہ منوچہری
عنصری، وعسجدی کا ہمعصر تھا، اور دربار مین عنصری کے سوا اور تمام شعرا یہانتک
کہ فردوسی اور فرخی تک اس سے نیچے بیٹھتے تھے، لیکن منوچہری کے دیوان
مین سلطان محمود کی شان مین کوئی قصیدہ نہین اس سے قیاس ہوتا ہے کہ
وہ سلطان محمود کے مرنے کے بعد غزنین مین آیا ہے! اور اسلیے فردوسی کا ہم
بزم نہین ہو سکتا تھا۔

منوچہری فطرۃً شاعر تھا، نہایت کم سنی مین لوگ مشکل طرحین دیتے تھے
اور وہ برجستہ ان طرحون مین قصیدے اور غزل کہتا تھا[۵۲]
دیوان جو آج موجود ہے، اس مین تین ہزار شعر ہین علی قلی خان ہدایت

[۵۱] مجمع الفصحاء

[۵۲] مجمع الفصحاء بحوالہ لب الالباب عوفی یزدی

نے بڑی تلاش سے بہم پہنچایا اور شائع کیا، فرانس مین اسکا دیوان نہایت اہتمام اور تکلف سے چھپا ہے، فرہنگ بھی ہی اور تمام مشکل اشعار کو حل کیا ہے یہ نسخہ میری نظر سے گزرا ہے اور مین نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے، منوچہری نے سنہ ۴۳۲ھ مین انتقال۔

کلام کی خصوصیات منوچہری کے کلام مین اکثر ایسے خصوصیات ہین جن سے اسکے معاصرون کا کلام بالکل خالی ہے، بلکہ مابعد کے شعراء مین بھی ان کے نمونے خال خال پائے جاتے ہین۔

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شعراے عرب کی زیادہ تر تقلید کرتا ہی اسنے متعدد قصیدے عربی قصائد کے بحر اور قافیہ مین لکھے ہین، ابو الشیص کا ایک قصیدہ ہے۔

سالقاک واللیل ملقی الجران   غراب منوح علی غصن بان

منوچہری اسکے جواب مین لکھتا ہے۔

جہانا چہ بدمہر و بدخو جہانی	چو آشفتہ بازار بازار گانی

مزہ وہان آتا ہے جہان چند شعراے عرب کے نام لیکر کہتا ہی کہ فلان شاعر نے خلیفہ اور امیر کی مدح مین زور کے قصیدے لکھے اور ایسے بڑے بڑے صلے حاصل کیے، مین بھی اسی طرح تیرے دربار مین آیا ہون۔

شنیدم کہ عشی بہ شہر یمن شد   سوے سودۃ بن علی الیمانی

برد خواند شعرے بالفاظ تازی	بہ شیرین معانی و شیرین زبانی
یکے کاروان اشتر کشن دادش	ہر اشتر بسان کہے از کلانی
سوے تاج عمرانیان ہم بدیسان ۱۲ یعنی قوی	بیاید منوچہری دامغانی ۱۲ کوہ

دیکھو تخلص کس لطف سے کھپایا ہے۔

آخر مین تصریح کی ہی کہ یہ قصیدہ مین نے ابو الشیص کے جواب مین لکھا ہے ساتھ ہی قصیدہ کا مطلع بھی تضمین کیا ہے۔

بدان وزن این شعر گفتم کہ گفتست	ابو الشیص اعرابی باستانی
سالقاک واللیل ملقی الجران	غراب ینوح علی غصن بان

ابن المعتز کا ایک قصیدہ، سادات علوی کے معارضہ مین ہی۔

ونحن بنو العمرا و لالے بھا

اس قصیدہ پر منوچہری نے قصیدہ لکھا ہے، اور لطف یہ کیا ہے کہ عربی ضمیر کی جو تھی اس سے فارسی مین جمع کا کام لیا ہے۔

چو از زلف شب باز شد تابہا	فرو مرد قندیل محرابہا
سپیدہ دم از بیم سرماے سخت	بپوشید بر کوہ سنجابہا
بمیخوارگان ساقی آواز داد	فگندہ بزلف اندرون تابہا
ببانگ نخستین ازین خواب خوش	بجستیم ماہمچو طبطابہا
منجم بیام آمد از نور مے	گرفت ارتفاع سطرلابہا

فارسی کے اور شعرا کے برخلاف منوچہری کو شعراے عرب کے اکثر دیوان حفظ یاد تھے، اور اسپر فخر کرتا تھا - ایک قصیدہ مین حاسد کو خطاب کرکے لکھتا ہی

من بسے دیوان شعر تازیان دارم زبر — تو ندانی خواند الاہبی بصحنک فاصبحین

(عرب ۱۲)

یعنی مجکو عرب کے بیسون دیوان ازبر ہین — اور تو سبعہ معلقہ کا یہ قصیدہ بھی نہین پڑھ سکتا

الا ھبی بصحنک فاصبحینا — ولا تبقی خمور الاندرینا

عربی پر اسکو یہ قدرت حاصل تھی کہ اپنے کلام مین عربی قصائد کی طرف اشارے کرتا ہے اور اُنکے وہ ٹکڑے جنکے نام سے وہ قصیدے مشہور ہین بے تکلف تضمین کرتا جاتا ہے ایک قصیدے مین لکھتا ہی -

امرء القیس و لبید و اخطل و اعشیٰ و قیس — بر طلل ہا نوحہ کردندے و بر رسم تلی

شاعری عباس کرد و حمزہ کرد و طلحہ کرد — جعفر و سعد و سعید و سید ام القری

آنکہ گفتست اذ ننا آنکہ گفتست الاہبی — آنکہ گفت السیف اصدق آنکہ گفت ابلی الھوی

اس شعر مین چار قصیدون کے مطلعون کی طرف اشارہ ہی، یعنی

اذ ننا ببینہا الاسماء — (سبعہ معلقہ کا قصیدہ ہی)

الا ھبی بصحنک فاصبحینا — (سبعہ معلقہ)

السیف اصدق انباء من الکتب — (ابو تمام کا مشہور قصیدہ ہی جو معتصم کی مدح مین عموریہ کی فتح کی تقریب پر لکھا گیا تھا)

ابلی الھوی — (متنبی کا قصیدہ ہی)

اسکے کلام مین اکثر عربی تلمیحات ہین یہانتک کہ محض فارسی دان اسکے

کلام سے پورا لطف نہین اُٹھا سکتے، ایک قصیدہ کا مطلع ہے۔

نوروز برنگاشت بصحرا و مشک و مے	تمثالہاے غرہ و تصویرہاے مے

عرب مین لیلیٰ و شیرین کے بجاے جن معشوقون کا نام آتا ہے، لیلےٰ، سلمےٰ، رباب، عزۃ، میہ، ثبنیہ، وغیرہ ہین، عزۃ، کثیر کی معشوق تھی، جو بنو امیہ کے زمانہ کا مشہور شاعر تھا، میہ، ذوالرمہ کی معشوق تھی، اسی میّہ کو منوچہری نے قافیہ کی ضرورت سے کہدیا ہے۔

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے،

با دیزین صناعت مانی کند ہمی	مرغ حزین روایت معبد کند ہمی

معبد بنو امیۃ کے زمانہ کا مشہور مغنی تھا،

روایت کردن کے معنی گانے کے ہین، مرغ حزین سے بلبل مراد ہے یعنی بلبل معبد کے راگ گاتی ہے۔

زمین محراب داؤد ست از بس سبزہ بندی	گشادہ مرغکان بر شاخ چون داؤد حنجرہا
بانظم ابن رومی و با نثر اصمعی	با شرح ابن جنی و با نحو سیبویہ
آن جایگاہ انجمن سرکشان بود	تو بو فلانی آن دگران انبہ دُبنی

(۲) اسکے کلام کی بڑی خصوصیت برجستگی روانی اور رختگی ہے، یہ جوہر اگرچہ اسکا عام خاصہ ہے لیکن اسکے ساتھ اور مختلف باتین جمع ہو گئی ہین جنسے اور زیادہ شیرینی اور دلاویزی پیدا ہو جاتی ہے، وہ اکثر شگفتہ ردیفین پیدا کرتا ہے،

کہین کہین ممدوح کے نام کو ردیف کرتا ہے اور وہان گریز کے موقع پر ممدوح کے نام سے خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے، بعض جگہ کئی کئی شعر تنسیق الصفات[1] کی صنعت مین لکھتا جاتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریشم پر موتی ڈہلکتے چلے آتے ہین۔

ماہ رمضان رفت و مرا رفتن آن بہ | عید رمضان آمد والمنۃ للہ
بر آمدن عید و برون رفتن روزہ | ساقی بدہم بادہ بہ باغ و بہ سبزہ
بزنہ بکف دستم آن جام چو کوثر | جام دگر آور بکف دست دگر نہ
من می نخورم تا نبود بر دو کفم جام | یا ساتگنی بر سر خوانم نہنی سہ
چون می بدہی نوش ہمی گوئی بادش | چون می بخورم جام ہمی گیر وہی جہ

دلم اے دوست تو دانی کہ ہوائے تو کند | لب من خدمت خاک کف پای تو کند
رایگان مشک فروشی نکند ہیچ کسے | در کند، ہیچ کسے زلف دوتائے تو کند
چہ دعا کردی جانان کہ چنین جب شدی | تا چو تو جا گر تو نیز دعائے تو کند
از لطیفی کہ توئی اے بت و از خیرگی | ملک مشرق ہمہ بست کہ رائے تو کند
این جہان کرد برائے تو خداوند جہان | وان جہان تیر برا ہم کہ برائے تو کند

صنما از تو دلم ہیچ شکیبا نہ شود | اگر امروز شود بیشک فردا نہ شود
تجربت کردم و دانا شدم از کار تو من | تا مجرب نہ شود مردم دانا نہ شود
نہ کشم ناز ترا و نہ دہم دل بہ تو ہم | تا مرا آشتی و مہر تو پیدا نہ شود

[1] تنسیق الصفات کی مثال گھوڑے کی تعریف مین آئیگی۔

گوئی از دو لب من بوسه تقاضا چه کنی — وام خواهی نبود کو بتقاضا نه شود

به مدارا دل تو نرم کنم و آخر کار — به درم نرم کنم گر به مدارا نه شود

وگر این عاشق نومید شود از در تو — از در خسرو شاهنشه دنیا نه شود

صنما گرد سرم چند همی گردانی — زشتی از روی نکو زشت بود گردانی

یا مکن آنکه شب و روز همی وعده دهی — یا مکن وعده هر آن چیز که می نتوانی

دل من بردی و از خویشتنم دور کنی — بر نیاید صنما کار بدین آسانی

مهربانی نه کنی بر من و مهرم طلبی — نه دهی داد من و داد ز من بستانی

بیوفائی کنی و نادان سازی خویشتنا — نیستی ای بت یکباره بدین نادانی

از تو ما را نه کنار و نه پیام و نه سلام — مکن ای دوست که کیفر بری و درمانی

مکن ای دوست که بیداد نشائی نگذشت
عدل باز آمده با بو الحسن عمرانی

نوروز روزگار و نشاط است و ایمنی — پوشیده ابر دشت به دیبای ارمنی

خیل بهار خیمه بصحرا برون زند — واجب کند که خیمه بصحرا برون زنی

بر گل همی نشینی و بر گل همی خوری — بر خم همی خرامی و بر دن[۱] همی دنی

دُرّ است ناخریده و مشک است رایگان — هر چند بر فشانی و هر چند بر چنی

شاخ بنفشه بر سر زانو نهاده سر — مانندهٔ مخالف بو سهل زوزنی

[۱] دن یعنی خم شراب دنی، دنیدن سے مشتق ہے جسکے معنی اکڑ کے چلنے کے ہیں۔

باد نوروزی ہمی در بوستان ساحر شود	تا بہ سحرش دیدۂ ہر گلبنی ناظر شود
باد ہچون زرگر دو ہر سوی بیارایے	بوستان آراستہ چون کلبہ تاجر شود
تو بہارا این جامہ صدرنگ پوشند اگر	دوستار و دستان خواجہ ابوطاہر شود

منوچہری مناظر قدرت کا نقشہ نہایت خوبی سے کھینچتا ہے، صحرا، سبزہ، بادل، سیلاب، ہوا، وغیرہ وغیرہ کے اوصاف اکثر قصائد کی تمہید مین لکھے ہین اور اس خوبی سے لکھے ہین کہ اگر اس قسم کے اشعار الگ جمع کر دیے جائین تو نیچرل شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ تیار ہو جائیگا، ایک قصیدہ مین سفر کا حال لکھتے لکھتے آب وہوا کے طوفان کا حال لکھا ہے اس موقع پر ہوا کے جھونکے، بجلی کی چمک، بادلون کی گرج، پانی کے سیلاب کا نقشہ دیکھو کس طرح کھینچا ہے۔

بر آمد بادے از اقصائے بابل	ہبوبش خارہ دز و بارہ (قلعہ) افگن
تو گفتی کز ستیغ (چوٹی ۱۲) کوہ سیلی	فرو بارد ہمے احجار صد من
ز روے بادیہ برخاست گردے	کہ گیتی کرد ہچون خز ادکن (کیچڑ ۱۲ سیاہ ۱۲)
چنان کز روے دریا بامدادان	بخار آب خیزد ماہ بہمن
بر آمد زاغ رنگ و مار پیکر	یکے میغ (بادل ۱۲) از ستیغ کوہ قارن
چنان چون صد ہزاران خرمن تر	کہ عمدا درزنی آتش بہ خرمن
بجستے ہر زمان از میغ برقی	کہ کردے گیتی تاریک روشن
خروشی برکشیدے تندر (کڑک ۱۲) تندر	کہ موے مردمان کردے چو سوزن
تو گفتی نائے رومی ہر زمانے	بگوشش اندر دمیدے یکے میدن

بلرزید ے زمین از زلزلہ سخت — کہ کوہ اندر رقاد ے زو بگردن
تو گفتی ہر زمانے زندہ پیلے — بلرزد اندر رنج پیشگان تن
فرو بارید بارانے ز گردون — چنان چون برگ گل بار و ز گلشن
و یا اندر تموزی مہ ببارد — ز چرا و نتشر بر بام و برزن (ٹنڈی) (گلی و کوچہ)
ز صحرا سیلہا برخاست ہر سو — در از آہنگ پیچان و زمین گن
چو ہنگام عزایم زی معزم — تبک خیزند ثعبانان رمین (سبک ۱۲) (اژدہا ۱۲)
نماز شامگاہان گشت صافی — ز روے آسمان ابر معکن

بہار کی تعریف شعراے ایران کا ایک عام موضوع ہے جسپر ابتدا سے آج تک سب طبع آزمائیان کرتے آئے ہین، لیکن قدما اور متاخرین مین سے کسی نے منوچہری کی طرح نیچر کی تصویر نہین کھینچی، اسنے سیکڑون جگہ بہار کا نقشہ دکھایا ہے، اور ہر جگہ گویا فطرت کی تصویر کھینچکر رکھدی ہے، وہ اور شعرا کیطرح صرف گُل وبُلبُل پر قناعت نہین کرتا، بلکہ ایک ایک پتے، پھول، پھل، شاخ، درخت، اور ان سب سے بڑھکر جانورون اور پرندون کی صورت اور حالت دکھاتا ہے،

پرندون کی حالت۔

کبکان بے آزار کہ بر کوہ بلنداند — بے قہقہہ یکبار ندیدم کہ بخندند
جز خار[۱] زبان جائیگہ خود نہ پسندند — بر پہلو آزین نیمہ بہان نیمہ بدندند[۲]

[۱] خار زبان۔ خار زار [۲] دندند۔ منخر اندر۔

هر ساعتگی سینه بمنقار بزنند
چون جزع[۱] بر و سینه و چون لبد[۲] منقار

شبگیر زگل فاختگان بانگ[۳] برآرند (وقت صبح ۱۲)
ماه سه شبه از بر گردن بنگارند (یعنے ہلال ۱۲)
گوئی که سحرگاه همی خواب گزارند
از غالیه بی آنکه همی غالیه دارند

صد بار بروزی در پرّ[۴] ها بشمارند
چون نیم دبیری که غلط کرده با[۴]شمار

هر ساعتگی بط سخنی چند بگوید
در آب کند گردن و در آب بپوید
در آب چه جامه دگر بار بشوید
گوئی که مگر چیزی در آب بجوید

چون سینه بجنباند و یک لخت بپوید
از هر پر یش بجهد صد دُرّ شهوار

آمد نوروز ده سم از بامداد
باز جهان خرم و خوب ایستاد
آمدش فرّخ و خرخنده باد
مُرد زمستان و بهاران بزاد

زابر سیه روی سمن بوی راد
گیتی گردید چو دار القرار

روی گل سرخ بیاراستند
زلفک شمشاد بپیراستند

۱ جزع مهرهٔ سلیمانی که سفید و سیاه باشد ۲ لبد. یاقوت. ۳ کہتا ہے کہ قمریاں اس طرح بار بار اپنے پر دنکو گنتی ہیں کھولتی
ہیں، جس طرح کہ نوآموز حساب دان بار بار حساب بھول جاتا ہے اور ہر کاغذ کو الٹتا ہے۔ ۴ اشمار، شمار۔

کبکان بر کوہ تبک خواستند — فاختگان ہمبر بنشاستند

بلبلکان زیر وستا خواستند
(زیر و بم ۱۲)
نائے زنان بر سر شاخ چنار

طوطیکان بر گلکان تاختند — آہوکان گوش برافراختند

گورخران پیمہا ساختند — زاغان گلزار بپرداختند

بیدلکان در پے دل تاختند
(عاشق ۱۲)
باترکان چگل و قندہار

مرغ نہ بینی کہ چہ خواند ہمے — میغ نہ بینی کہ چہ راند ہمے

دشت نہ بینی بچہ ماند ہمے — دوست نہ بینی چہ ستاند ہمے

باغ بتان را بنشاند ہمے
برسمن و نسترن و لالہ زار

کردہ گلو پر ز باد قمری سنجاب پوش — کبک فرو ریختہ مشک بسوراخ گوش

بلبلکان با نشاط قمریکان با خروش — در دہن لالہ مشک در دہن نحل نوش

سوسن کافوربوی گلبن گوہر فروش
از مہ اردی بہشت دہر بہشت برین

چوک ز شاخ درخت خویشتن آویختہ — زاغ سیہ پر و بال غالیہ آمیختہ
(نام مرغیست ۱۲)

ابر بہاری زد و راسپ برانگیختہ
وز سم اسپ سیاہ لولو تر ریختہ

در دہن لالہ باد ریختہ مرو بخیتہ
ریختہ مشک سیاہ بیختہ در تشین

سرو سماطی کشید بر دو لب جویبار
چون دو رده چتر سبز در دو صف کارزار

مرغ نہاد آشیان بر سر شاخ چنار
چون سپر خیزران بر سر مرد سوار

گشت نگارین تذرو پنہان در کشت لہ
ہمچو عروسی غریق در بن دریای چین

گوئی بط سفید جامہ بصابون زدہ است
کبک دری ساق پای در قدح خون زدہ است

بر گل تر عندلیب گنج فریدون زدہ است
لشکر چین در بہار در کہ ہامون زدہ است

لالہ سوے جویبار خرگہ بیرون زدہ است
خرگہ او سبز گون خیمہ او آتشین

بادل جب برستے ہین تو کبھی قطرہ افشانی ہوتی ہے، کبھی ننھی ننھی پھوہار پڑتی ہے، کبھی جھڑی لگ جاتی ہے، سبزہ پر مختلف قسم کے پھولون پر، تالاب کی سطح پر بوندون کے پڑنے سے طرح طرح کی صورتین پیدا ہوکر ہر ایک کا الگ الگ سما نظر آتا ہے، منوچہری نے ایک موقع پر تشبیہات کے پیرایے مین اسکی تصویر کھینچی ہے۔

آن قطرہ باران بین از ابر چکیدہ
گشتہ سر برگ ازان قطرہ بہ آنار

آویخته چون ریشهٔ دستارچهٔ سبز ‖ سیمین گرهی بر سر هر ریشهٔ دستار

یا همچو زبرجد گون یک دسته سوسن ‖ اندر سر هر سوسن یک لؤلؤ شهوار

وان قطرهٔ باران که فرو بارد شبگیر (صبح) ‖ بر طرف چمن بر دو رخ سرخ گل نار

گویی به مثل بیضهٔ کافور ریاحی ‖ بسیرم حمرا به پراگندش عطار

وان قطرهٔ باران که فرود آید از شاخ ‖ بر تازه بنفشه نه به تعجیل به ادرار

گویی که مشاطه ز بر فرق عروسان ‖ ماورد (گلاب ۱۲) همی ریزد باریک (آهسته آهسته) به مقدار

وان قطرهٔ باران که چکد از بر لاله ‖ گرد و طرف لاله ازان باران بنگار

پنداری تبخاله (آبله ۱۲) خردک بدمیده است ‖ بر گرد عقیقین (نگین ۱۲) دو لب دلبر عیار

وان قطرهٔ باران که بر افتد بسر خوید ‖ چون قطرهٔ سیماب بر افتاده به زنگار

وان دائره ها نگر اندر شمر (تالاب) آب ‖ هرگه که دران آب چکد قطرهٔ امطار

چون مرکز پرگار است آن قطرهٔ باران ‖ وان دائرهٔ آب بسان خط پرگار

هرگه که ازان دائره انگیزد باران ‖ ز باد دمد چین و شکن خیزد هموار

گویی علمی از سقلاطون (اطلس ۱۲) سپید است ‖ ز باد جهنده متحرک شده بسیار

وانگه که فرو بارد باران به قوت ‖ گیرد شکن آب دگر صورت و آثار

گرد و شمر آیدون چه کپی دام کبوتر ‖ دیدار (یعنے نظر آتا ہے) ز یک حلقه بسی سیمین منقار

سراپا نگاره

حلیہ نگاری یعنی کسی خاص چیز کا سراپا لکھنا اور اُسکے تمام اوصاف کا بیان کرنا منوچہری اسکا گویا موجد ہے قصائد مین شعرا بادشاہ کی مدح کے ساتھ تلوار

گھوڑے وغیرہ کی تعریف بھی کرتے ہین، عبدالواسع جبلی اور عرفی شیرازی اس میدان مین سب سے آگے ہین، لیکن ان کے ہان محض خیالی باتین ہین بخلاف اسکے منوچہری نے تصویر کھینچکر رکھدی ہے اسکے ساتھ اکثر صنعت تنسیق الصفات کا التزام کیا ہے، اور وہان اسکی قدرت زبان کا اندازہ ہوتا ہے کہ بے تکلف موزون اور متناسب الفاظ کا انبار لگاتا چلا جاتا ہے۔

گھوڑا

حبذا اسپے محجل مرکبے (گھوڑا) تازی نژاد | نعل او پروین نشان و سم او خارا شکن
رام زین و کش خرام و خوش عنان و تیزگام | شخ (زمین سخت ۱۲) نورد و راہ جوی و سیل بُرد و کوہ کن
پشت اوی و دست وی و گوش اوی و گردنش | چون کمان و چون تاج و چون سنان و چون مجن (سپر ۱۲)
گاہش اندر نشیب تازم گاہ تازم بر فراز | چون کسی کو گاہ بازی بر نشیند بر رسن

دیرخواب و زودخیز و تیز سیر و دوربین | خوش عنان و کش خرام (خوش خرام ۱۲) و پاک زاد و نیکخوی
سخت پای و ضخم ران و راست دست و گرد سم | تیز گوش و پہن پشت و نرم جرم و خرد موی
ابر سیر و باد گرد و رعد بانگ و برق جہ | کوہ کوب و سیل بُرد و شخ نورد و راہ جوی
گور ساق و شیر زہرہ یوز تاز و غرم (پیتا ۱۲ بز کوہی ۱۲) تگ | پیل گام و گرگ سینہ رنگ تاز و گرگ پوی
تیز چشم آہن جگر فولاد دل گنجشت لب | سیم دندان چاہ بینی (گیندا ۱۲) تادہ کام و لوح روی
نیزہ و گرز و کمند و تاج و تیر و کمان | گردن و گوش و دم و سم و دہان و ساق اوی

سیر چہ باد گر یوز دوا و کوہ قرار | شیر تگ پیل قدم گور دو آہو پرواز
گوش و پہلو و میان و کتف و جبہہ و ساق | تیز فربی (فربہ ۱۲) و نزار و قوی و پہن و دراز

رہ بر و تیغ شکن، و شیر دل، و ببر عنان خوش دو، و سخت سم و پاک تن، و خنگ آغاز

منوچہری نے اگرچہ کوئی مثنوی نہین لکھی جس سے واقعہ نگاری کی ترقی کا قدم آگے بڑھتا، لیکن اکثر قصائد کی تمہید مین وہ واقعہ نگاری کا پیرایہ ڈھونڈھ لیتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلسل داستان لکھ رہا ہے، ان موقعون پر اس کی قوت بیان کا اندازہ ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے، کہ وہ محض مداحی کے لیے قصیدہ نہین کہتا، بلکہ زبان کی ترقی دینے کو پیش نظر رکھتا ہے، ایک قصیدہ مین عرب کے انداز پر قافلہ کی روانگی، محبوب کی رخصت، اور سفر کے حالات لکھے ہین۔

الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل،	کہ پیش آہنگ بیرون شد ز منزل
تبیرہ (نقارہ ۱۲) زن بزد طبل نخستین	شتربانان ہمے بندند محمل
نماز شام نزدیک است امشب	مہ و خورشید را بینم مقابل
ولیکن ماہ دارد قصد بالا	فرو شد آفتاب از کوہ بابل
چنان دو کفۂ زرین ترازو	کہ این کفہ شود زان کفہ مائل
نگارِ من چہ حالِ من چنان دید	بباریدہ از مژہ بارانِ وابل
بیامد او وقتان خیزان بر من	چنان مرغے کہ باشد نیم بسمل (مجھلی ۱۲)
دو ساعد را حمائل کرد بر من	فرو آویخت از من چون حمائل
چو برگشت از من آن معشوق ممشوق	نہادم صابری را سنگ بر دل
نگہ کردم بہ گرد نگاردان گاہ	بہ جاے خیمہ و جاے رواحل (کجاوہ ۱۲)

نہ وحشی دیدم آنجا و نہ انسی	نہ راکب دیدم آنجا و نہ راجل (پیادہ ۱۲)
نجیب خویش را دیدم بہ یکسو (گھوڑا ۱۲)	چو دیوے دست و پا اندر سلاسل
کشادم ہر دو زانو بندش از بند	چو مرغے کش کشاید از حبایل
بر آوردم زمامش (باگ ۱۲) از بناگوش	فرو ہشتم ہویدش تا بہ کاہل
چو مستاجی کہ پیماید زمین را	بہ پیمودم بپائے او مراحل
ہمی رفتم شتابان در بیابان	ہمے کردم بیک منزل دو منزل
ہمی بگداخت برف اندر بیابان	تو گوئی داردش بیماری سل
چو پاسے از شب دیزندہ بگذشت	بر آمد شعریان از کوہ موصل
رسیدم من فراز کاروان تنگ (قریب ۱۲)	چو کشتی کو رسد نزدیک ساحل
جرس دستان گوناگون ہمیزد	بسان عندلیبے از عنادل
ز نوک نیزہ ہائے نیزہ داران	شدہ وادی چو اطراف سنابل
نجیب خویش را گفتم سبکتر	الا یا دستگیر مرد فاضل
بحرکت عنبرین بادا چراگاہ	بچشم کیت آہنین بادا مفاصل
بیابان در نورد و کوہ بگذار	منازلہا بکوب و راہ بگسل
فرود آور بہ درگاہ وزیرم	فرود آوردن اعشی بہ باہل

قسام سخن میں سے منوچہری کے مسمطات[1] مشہور ہیں، وہ درحقیقت اس طرز کا موجد ہے

[1] مسمط میں چھ مصرعے ہوتے ہیں جنمیں سے پانچ مصرعوں کے قافیے متحد ہوتے ہیں۔

اور خود بھی اسکو اسپر ناز ہے، چنانچہ کہتا ہے۔

طاؤس مدح عنصری خواند　　　　دُرّاج مُسمّطِ منوچہری،

ان مسمطات مین اکثر جگہ واقعہ نگاری کے نئے نئے اسلوب اختیار کئے ہین، ایک مسمط مین انگورون کے پھلنے اور اُن سے شراب کھینچنے کو ایک حکایت کے پیرایہ مین ادا کیا ہے، یعنی انگور ایک عورت ہے اُسنے لڑکیان جنی ہین، انگور والا خوش ہو کہ یہ میری لڑکیان ہین، اکثر آ آکر دیکھتا ہے، اور خوش ہوتا ہے، اتفاق سے اُسے باہر جانا پڑا آکر دیکھا تو بچون کے سُرخ سفید چہرے سیاہ ہو گئے ہین، اور اُنکے پیٹ نکل آئے ہین، اُسکو سخت رنج ہوا کہ یہ لڑکیان بدکار نکلین، لڑکیون نے عذرخواہی کی لیکن اُس نے نہ مانا اور اُنکے گلے کاٹ ڈالے، اسی طرح شراب کھینچنے کی اخیر حالت تک حکایت کے پیرایہ مین بیان کی ہے۔

شاخ انگور کہن دخترکان زاد بسے　　　　کہ نہ از درد بنالید و نہ برزد نفسے
ہمہ را داد بیکدفعہ نہ پیش و نہ پسے　　　　نہ ورا قابلہ بود و نہ فریاد رسے

این چنین آسان فرزند بیت کسے
کہ نہ دردے بگرفتش متواتر نہ تبے

چون نگہ کرد بران دخترکان رز پیر　　　　سیر بودند یکایک چہ صغیر و چہ کبیر
کرد شان مادر بستر ہمہ از سبز حریر　　　　نہ خورش داد مران بچگان را ہیچ و نہ شیر

نہ شغب کرد نداٰن بچگان نہ ہیچ نفیر

بچۂ گرسنہ دیدی کہ ندارد شغبے

بچگانش بنہادند تنِ خویش بر آب — نہ جہیدند و نہ جستند ازان بستر خواب

گرد کردند سرین، محکم کردند تا ب — رویہا یکسرہ کردند بہ زنگار خضاب

داد شان رز بان پیوستہ شرابے چو گلاب

نشد از جانب شان غائب روز و نہ شبے

گفت پندارم کین دخترکان من اند — چون دل و چون جگر و چون تن و چون جانِ من اند

تا بباشند درین رز ندرہ مہمان من اند — رز فردوس من ست ایشان رضوان من اند

تا درین باغ و درین خان و درین مان من اند

دارم اندر سر شان سبز کشیدہ شطبے

در چو بکشاد بدان دخترکان کرد نگاہ — دید چون زنگی ہر یک را دو روے سیاہ

جای جای بچہ تابان چون زہرہ و ماہ — بچۂ سرخ چو خون و بچۂ زرد چو کاہ

سرنگونسار ز شرم و رو تیرہ ز گناہ

ہر یکے با شکم حاملہ و با ناز بسے

زربان را بہ دو ابروی در افتادہ گرہ — گفت لا حول و لا قوۃ الا باللہ

این بلاے بچگان در حق من آمد زہ — ہمہ آبستن گشتند بیک شب کہ دمہ

نیست یکتن بمیان ہمگان ایدر بہ

این چنین زانیہ باشد بچۂ ہر عنبے

دختران رزگویند کہ ما بے گنہیم
ما ہمہ سر بسر آبستنِ خورشید وہیم

ما تن خویش بدست بنی آدم ندہیم
ما توانیم کہ از خلق جہان دور رہیم

نتوانیم کہ از ماہ و ستارہ برہیم
زآفتاب و مہ مان سود ندارد ہربے

روز ہر روز ہمی خورشید بتابد برما
چون شب آید برود خورشید از محضر ما

خویشتن در فگند بر تن ما و سر ما
ماہتاب آید و برچپد در پیکر ما

وین دو تن دور نہ گردند ز بام و در ما
نکند ہیچ کس این بے ادبان را و بے

منوچہری کی خصوصیات میں ایک بڑی چیز تشبیہہ کی صنعت ہے، جہان کسی منظر یا حالت کا بیان کرتا ہے، سیکڑون نئی تشبیہین پیدا کرتا جاتا ہے، اور یہ اسکا خاص انداز ہی اس بہات کے ساتھ کوئی تشبیہہ جدت سے خالی نہین ہوتی، اس زمانہ تک خیالی اور فرضی تشبیہین پیدا نہین ہوئی تھین اسلیئے عموماً تمام شعرا محسوسات اور مادیات سے تشبیہہ دیتے تھے، لیکن وہی چند مفرد تشبیہین تھین جو بار بار ادا ہو کر تبدل ہو گئی تھین منوچہری کی اکثر تشبیہین مرکب ہین اور اسکے ساتھ خاص جدت ہے، مثالین ملاحظہ ہون۔

آفتاب کا صبح کے وقت بتدریج طلوع ہونا۔

بکردار چراغ نیم مُردہ کہ ہر ساعت فزون گردد ش روغن

یعنی آفتاب کی روشنی اس طرح آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے کہ جس طرح ایک چراغ جو بجھ

چلاتا تھا، اسمین کوئی شخص بتدریج تیل ڈالتا جاتا ہے۔

زمین کا بھونچال سے لرزنا۔

تو گفتی ہر زمانے زندہ پیلے	بلرزاند ز رنج پشہ گان تن

یعنی زمین بھونچال سے اس طرح جنبش مین ہے جسطرح ہاتی مچھرون کی اذیت دینے سے جھرجھریان لیتا ہے۔

ہلال

چنان چون دو سرانہ ہم باز کردہ	ز زر سرخ یک دست آورنجن

یعنی پہلی رات کا چاند اس طرح نظر آتا ہے کہ گویا کسی نے طلائی کڑے کے دونون سرے کھولدیے ہین۔

بید کے پتے

وان برگہاے بید تو گوئی کسی بقصد	پیکانہاے ہین زبرجد کند ہمے

بید کے پتے ایسے معلوم ہوتے ہین، کہ گویا کسی نے دانستہ زمرد کے پیکان چوڑے بناے ہین،

ہدہد اور اسکی کلغی

بو بو (ہدہد) یکے پیکے نامہ زدہ اندر سر خویش	نامہ گہ باز کند گہ شکند بر شکنا

ہدہد گویا نامہ بر ہے جسنے خط کو اپنی پگڑی مین کھونس لیا ہے، کبھی اسکو کھولتا ہی کبھی تہ کرکے لپیٹ لیتا ہے۔

ہدہد اکثر اپنی کلغی کو پھیلا دیتا ہے اور پھر سمیٹ لیتا ہے۔

مناظر قدرت کے اشعار جو اوپر گزرے ہین ان مین بھی اکثر تشبیہات ہین، ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

پانچوین اور چھٹی صدی

پانچوین صدی کے آغاز مین اگرچہ شاعری کی ترقی کی رفتار گھٹ گئی جسکی وجہ یہ تھی کہ اس صدی کے وسط مین غزنوی حکومت کا زوال شروع ہو چلا تھا اور نئی طاقتین ابھی شباب تک نہین پہنچی تھین، لیکن صدی کے ختم ہوتے ہوتے جبکہ غزنوی سلطنت کا زور سلجوقیہ کی طرف منتقل ہو گیا، دفعۃً بحر سخن مین طوفان آگیا، سلجوقیہ کا پہلا فرمان روا رکن الدین طغرل بک تھا جو محرم ۴۲۹ھ مین بمقام نیشاپور مسند نشین ہوا، اس سلسلہ نے اگرچہ صرف ۱۶۳ برس کی عمر پائی، لیکن اتنی ہی تھوڑی مدت مین جو باتین اسنے حاصل کین، تاریخ اسلام کو، اس سے گوناگون اور وسیع تعلقات ہین، اول تو اس سلطنت نے جو وسعت پیدا کی، ابتداے اسلام سے آج تک کبھی کسی عہد مین نہین ہوئی تھی، اسی کے ساتھ عدل و انصاف اور امن و امان کا یہ حال تھا کہ خراسان سے شام تک ایک رہرو تن تنہا سونا اچھالتا جاتا تھا اور کوئی خبر نہین ہوتا تھا، ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایران، عراق، روم مین جو بڑی بڑی پُر زور سلطنتین قائم ہوئین، سب کی سب اسی سلسلہ کی شاخین تھین، ترکون سے پہلے جو سلاطین شاہان روم کہلاتے تھے، اسی خاندان کی ایک شاخ تھے، سلاطین خوارزم شاہیہ جنکی شوکت و شان محتاج بیان نہین، اُنکا مورث اول، یعنی

توشتگین اسی خاندان کا غلام در غلام تھا، اتابکون کے متعدد خاندان جن مین سے نور الدین زنگی، سلطان صلاح الدین کا آقا، قزل ارسلان ظہیر فاریابی کا ممدوح اور اتابک ابو بکر بن سعد زنگی شیخ سعدی کا مربی اور سرپرست تھا، سب اسی خاندان کے غلام، یا خدمتگزار رکھے

سلجوقیہ کی اوج شباب کا زمانہ ملک شاہ اور سنجر[1] کا زمانہ ہے، اور یہی دور، فارسی شاعری کا معراج شباب ہے، سلجوقی شعرا کی فہرست نہایت وسیع ہی جنمین سے چند نام یہ ہین،

امیر معزی، ارزقی، لامعی، فخر الدین اسعد، شہابی خراسانی، عبد الواسع، جبلی، انوری، حسن غزنوی، رضی الدین نیشاپوری، ادیب صابر، علی باخرزی، فتوحی مروزی، فرقدی، کافی ہمدانی، نظامی عروضی، نظامی گنجوی، شمس الدین خراسانی، سوزنی، ابو المعالی، (مجمع الفصحاء کے دیباچہ مین اور بہت سے نام لکھے ہین)

اس دور کی چند خصوصیات لحاظ کے قابل ہین،

اس عہد تک شاعری نے اگرچہ بے انتہا ترقی کر لی تھی، لیکن یہ ترقی صرف مضمون اور فن کی حیثیت سے تھی، شاعری کی زبان اب تک ٹکسالی نہ تھی، شاعری کی بنیاد، سامانی حکومت مین قائم ہوئی، اور غزنویہ کے عہد مین اوج ترقی تک پہنچی، ان خاندانون کے پایۂ تخت، بخارا اور غزنین تھے، جہان کی مادری زبان، ترکی یا افغانی تھی، شعرا جسقدر تھے من حیث الاغلب سب کے سب انھین مقامات کے رہنے والے تھے، جو ایران کے

[1] ملک شاہ ۴۶۵ھ مین تخت نشین ہوا ۴۸۵ھ مین وفات پائی، اسکے بعد سنجر نے اپنے بھائیون کی طرف سے نیابۃً بیس برس تک اور پھر مستقل حکومت کی اور ۵۵۲ھ مین انتقال کیا۔

اصلی مرکز یعنی شیراز اصفہان و نیشاپور سے دور تھے، فرخی سیستانی تھا، عنصری بلخ کا رہنے والا تھا، منوچہری دامغان سے تعلق رکھتا تھا، عسجدی اور دقیقی مرو کے رہنے والے تھے۔

سلجوقیہ نے نیشاپور کو پایۂ تخت قرار دیا اس تعلق سے اُن لوگون مین شاعری پھیلی جو ایران کی زبان کے اصلی مالک تھے، اسی کا اثر ہے کہ اس عہد کے شعرا کی زبان زیادہ لطیف، شیرین، اور محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے۔

اس عہد مین فارسی زبان کی ترقی کی ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ اب تک، تمام اسلامی سلطنتون کی علمی اور دفتری زبان عربی تھی، سلطان محمود، اپنے ملکی اور قومی خصوصیات کا دلدادہ تھا تاہم دفتر کی زبان اس کے عہد مین بھی عربی ہی رہی، فرامین اور توقیعات تک اسی زبان مین لکھے جاتے تھے، لیکن الپ ارسلان سلجوقی جب تخت نشین ہوا تو اُسنے حکم دیا کہ دفتر کی زبان فارسی کردی جائے، چنانچہ دولت شاہ سلجوقی نے طبقۂ اول کے شعرا کا جہان ذکر شروع کیا ہے تفصیل سے اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ ظاہر ہے کہ فارسی زبان جسکے عنصر مین ترقی کا مادہ موجود تھا، سلطنت کی زبان بنکر کسقدر ترقی کرگئی ہوگی! سلطان سنجر کی قدردانی اور حاتمانہ فیاضی نے پھر وہی محمودی دربار قائم کردیا! میر معزی کو ملک الشعرا کا خطاب ملا اور بڑے بڑے شعرا پایۂ تخت کے شاعر قرار پائے دولت شاہ لکھتا ہی۔

اما از شعرای بزرگ کہ در دور سلطان سنجر بودہ اند، و مدح سلطان گفتہ اند،

وصلہ و تربیت یافتہ، ادیب صابر است و رشید وطواط و عبدالواسع جبلی و فرید کاتب، و انوری خاورانی، و ملک عماری، و سوزنی، و سید حسن غزنوی و حسنی دبیرہ کہ محبوب سلطان و ظریفہ روزگار بود[1]

سنجر کی شاعرانہ مذاق اور قدردانی کی داستانین اکثر تذکرون مین مذکور ہین، اُنسے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شاعری کی قدر و قیمت اسکے دربار مین کیا تھی،

ایک دفعہ ارکان دولت کے ساتھ، عید کا چاند دیکھنے نکلا، سب سے پہلے ہلال پر اُسی کی نظر پڑی، خوشی سے اُچھل پڑا، سب کو اُنگلی کے اشارہ سے بتایا، ساتھ ہی حکم دیا کہ کوئی شاعر فی البدیہ ہلال کی تعریف مین شعر سنائے، معزی اسوقت تک دربار مین اُمید واری کرتا تھا، موقع پاکر اُسنے برجستہ کہا۔

اے ماہ چو ابروان یاری، گوئی	یا ہیچو کمان شہریاری، گوئی
نعلے زدہ از زر عیاری، گوئی	در گوش سپہر گوشواری، گوئی

یعنی اے چاند، تو ابروی معشوق ہے، یا بادشاہ کی کمان، یا سونے کا نعل، یا آسمان کے کان کا آویزہ،

سنجر نے اسپ خاصہ اور پانچہزار درہم عطا کیے، معزی نے پھر برجستہ کہا۔

چون آتش خاطر مرا شاہ بدید	از خاک مرا بزبر ماہ کشید
چون آب یکے ترانہ از من بشنید	چون باد یکے مرکب خاصم بخشید

[1] دولت شاہ ذکر عمعق بخاری۔

سنجر نے ہزار دینار کے عطیہ کے ساتھ حکم دیا کہ شاہی لقب اسکے خطاب مین شامل کیا جائے،

چونکہ سنجر کا لقب معز الدین تھا اسلیے **معزی** لقب ملا جو آج تخلص ہوکر مشہور ہے۔

ایکدفعہ سلطان سنجر گیند کھیل رہا تھا، اتفاق سے گھوڑے نے شوخی کی، اور سنجر گھوڑے سے گر گیا، معزی نے برجستہ یہ رباعی پڑھی۔

شاہا ادبے کن، فلک بدخو را	کو چشم رسانید رخ نیکو را
گر گوی خطا کرد بہ چوگانش زن	ور اسپ خطا کرد بہ من بخش او را

یعنی اے بادشاہ! آسمان کو ذرا تنبیہ کر دیجیے، اُسنے آپ کو نظر لگادی، اگر گیند کی خطا ہے تو چوگان سے اُسکو مار دیے، اور گھوڑے کا قصور ہے تو میرے حوالہ فرمایئے

اخیر کا مصرع دو پہلو رکھتا ہے، سنجر نے گھوڑا معزی کو عنایت کیا، معزی نے دوبارہ رباعی پیش کی۔

رفتم بر اسپ تا بہ جرمش بکشم	گفتا کہ نخست بشنو این عذر خوشم
نے گاو زمینم کہ جہان بر گیرم	نے چرخ چہارمین کہ خورشید کشم

یعنی مین نے گھوڑے کو سزا دینی چاہی، اسنے کہا کہ پہلے میرا عذر تو سن لیجیے، مین کچھ گاو زمین تو نہین کہ عالم کا بار اُٹھالون، نہ چوتھا آسمان ہون کہ آفتاب کو لیے پھرون، مطلب یہ کہ سلطان سنجر کا بار اُٹھانا گاو زمین اور آفتاب کا کام ہے۔

سلہ مجمع الفصحا اور خزانہ عامرہ وغیرہ۔

مہستی ایک مشہور شاعرہ تھی جسکی حاضر جوابیان اور ظریفانہ فقرے مشہور عالم ہین، سنجر کی شاعرانہ صحبتون مین وہ بھی شریک ہوا کرتی تھی، ایک دفعہ مجلس عیش قائم تھی، مہستی بھی موجود تھی، کسی کام سے باہر نکلی تو دیکھا برف پڑ رہی ہے، واپس آئی، سنجر نے پوچھا ہوا کا کیا رنگ ہے مہستی نے فی البدیہ رباعی پڑھی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زین کرد	وز جملہ خسروان ترا تحسین کرد
تا در حرکت، سمند زرین نعلت	بر گل نہ نہند پاے از زمین سیمین کرد

یعنی آسمان نے اس غرض سے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤن خاک پر پڑنے نہ پائین زمین پر چاندی بچھادی، سنجر نہایت محظوظ ہوا، اور اُسی دن سے مہستی سنجر کی مقربین مین داخل ہو گئی۔

غزنوی خاندان نے بھی اس عہد مین سنبھالا لیا۔ بہرام شاہ جو سلطان محمود کی چوتھی پشت مین تھا، اور ۵۱۲ھ مین تخت نشین ہوا تھا، نہایت شان و شوکت کا بادشاہ اور نہایت علم دوست اور مربی فن تھا، تاریخ فرشتہ مین اسکا تذکرہ ان لفظون سے شروع کیا گیا ہی۔

او پادشاہے بود، ذی شوکت، و صاحب حشمت، با علماء و فضلا بسیار نشستے و صحبت ایشان دوست داشتے، و ہر کسی را بقدر علمش رعایت کردے لہذا فضلاے آن روزگار باسم شریفش کتب ساختہ اند و تصنیفات پرداختہ اند۔

کلیلہ دمنہ جسکا ترجمہ پہلوی زبان سے عبداللہ ابن المقفع نے عربی مین کیا تھا، بہرام شاہ کے حکم سے فارسی زبان مین ترجمہ کی گئی، اور یہ پہلا دن تھا کہ ایران اور ہندوستان مین اسکا عام رواج ہوا، بہرام شاہ ہی کو یہ فخر نصیب ہوا کہ حکیم سنائی نے جو تعلقات دنیوی سے آزاد ہو چکے تھے، اپنی کتاب حدیقہ اسکے نام پر لکھی (بہرام شاہ نے ۵۴۷ھ مین وفات پائی)

ان سلاطین کے علاوہ، اور بڑے بڑے دربار تھے جہان شاعری کی تربیت کیجاتی تھی ان مین سب سے زیادہ علم دوست طغان شاہ سلجوقی تھا، چہار مقالہ مین لکھا ہے۔

آل سلجوق ہمہ شعر دوست بودند، اما ہیچکس شعر دوست تر از طغان شاہ الپ ارسلان نبود، محاورت و معاشرت او ہمہ با شعرا بودند یان او ہمہ شعرا بودند، چون امیر عبداللہ قریشی و ابو بکر ازرقی، و ابو منصور یوسف، و شجاعی قوی و احمد بدیہی و حقیقی و نسیمی اینہا مرتب خدمت بودند و آیند و روند بسیار بودند،،

اسی طرح شروان شاہ کے دربار کا ملک الشعرا خاقانی اور خوارزم شاہ کا رشید الدین وطواط تھا۔

صوفیانہ شاعری

بہرام شاہ کے عہد کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ تصوف اور اخلاقی شاعری کا سنگ بنیاد اسی عہد مین رکھا گیا اور صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے، یہ عمارت گویا انجام کو پہنچ گئی، چنانچہ اسکی تفصیل حکیم سنائی، اوحدی

اور خواجہ فریدالدین عطار کے حالات مین آئیگی۔

فلسفیانہ شاعری

فلسفیانہ شاعری بھی اسی دور کی یادگار ہے، فلسفہ کے خیالات سب سے پہلے حکیم ناصر خسرو نے اشعار مین ادا کیے لیکن وہ محض فلسفہ ہی فلسفہ تھا، شاعری نہ تھی، برخلاف اسکے، اس عہد مین **عمر خیام** نے فلسفیانہ مسائل اور خیالات کو اس انداز سے ادا کیا کہ ظاہر بین آدمی کو اس مین صرف شاعری نظر آتی ہے، حالانکہ وہ فلسفیانہ نازک مسائل ہین جو دلکش اور دلفریب پیرایہ مین ادا کر دیے گئے ہین۔

اس عہد تک، شاعری مین عشق و عاشقی کی روح نہ تھی، تمنوی، رزم پر محدود تھی، قصائد کا مقصود مداحی تھا، تشبیب مین معشوق کا جو ذکر کرتے تھے، وہ صرف عرب کے قصائد کا اتباع تھا، ساقی اور حسین بچون کا ذکر کرتے تھے تو اس سے محض تفریح مقصود ہوتی تھی، جس طرح امرا کے ہان، تازگی نظر کے لیے پیش خدمت اور غلام حسین اور خوشرو رکھے جاتے تھے، اس عہد مین **نظامی** نے عشقیہ شاعری کی جداگانہ صنف قائم کر دی،

عشقیہ شاعری

عرب و عجم مین، عاشقی مین جو نامور تھے یعنی مجنون و فرہاد، انکے حالات مین تمنویان لکھین صرف عاشقانہ جذبات اور خیالات پر اکتفا نہین کیا، بلکہ بزم اور عاشقانہ خیالات کے اظہار کے لیے مستقل لٹریچر پیدا کر دیا جسپر آگے چلکر متاخرین نے بڑی بڑی عمارتین قائم کین، غزل گوئی کی ایجاد گو سعدی سے منسوب ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اس صنمکدہ کے آذر **نظامی** ہی ہین،

قصائد کی صنف کو چندان ترقی نہین ہوئی، مضامین مین تو کسی قسم کی جدت پیدا

نہین ہوئی، مداحی، خوشامد، مبالغہ پہلے سے بھی بڑھ گیا، البتہ لفظی صناعیان کمال کے درجہ کو پہنچ گیئن عبدالواسع جبلی، اور رشید الدین وطواط نے الفاظ پر اس قدر قابو پیدا کر لیا کہ جس نوع، جس ترکیب، جس انداز کے الفاظ چاہتے ہین، اُنکا انبار لگا دیتے ہین، قصیدے کے قصیدے ہین جن مین، تمام الفاظ ایک دوسرے کے متضاد ہین جسکو اصطلاح مین صنعت طباق کہتے ہین، بعض قصیدون مین التزام کر لیا ہے کہ الف کا حرف جو سبسے عام حرف ہے نہ آنے پاے، باوجود اسکے یہ قصائد ایسے برجستہ اور روان ہین کہ جب تک بتا نہ دیا جائے کہ اس مین اس صنعت کا التزام کیا گیا ہے، اس طرف خیال بھی منتقل نہین ہو سکتا، اکثر قصیدون مین یہ التزام ہے کہ ہر مصرع مین پانچ پانچ چھ چھ الفاظ ہین، اور پہلے مصرع مین جقدر الفاظ آئے ہین، دوسرے مصرع کے تمام الفاظ، بھی اُنھین الفاظ کے ہموزن، بلکہ ہم قافیہ ہین، باوجود اسکے کسی قسم کا تکلف نہین معلوم ہوتا۔

عبدالواسع جبلی نے مسجع کو قافیون تک پہنچایا جس سے وہ صورت پیدا ہو گئی جسکو عوام بحر طویل کہتے ہین، مثلاً۔

یا صاحبی ایش الحجر، زان سرو قد سیمبر، کز عشق او گشتم سمر، تشنہ لب و خستہ جگر، بر کندہ جان افگندہ سر، با کام خشک و چشم تر، گردہ زغم زیر و زبر، دنیا و دین، و جان و تن،

یہ ایک مصرع ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب بارش اچھی ہوتی ہے، تو جو اور گیہون کے ساتھ مختلف

قسم کی زہریلی گھانس اور خاردار درخت اور بوٹے بھی پیدا ہو جاتے ہین، چنانچہ شاعری کے چمن مین ہجو کا خارزار اسی عہد کی یادگار ہے، جسکے چمن آرا انوری اور سوزنی ہین ہم اس دور کے چند مشہور شعرا کا تذکرہ لکھتے ہین۔

حکیم سنائی

محدود نام، ابو المجد کنیت، سنائی تخلص، غزنین وطن تھا، ابتدا مین شاعری کا پیشہ کرتے تھے، چنانچہ بہرام شاہ کی مدح مین بہت سے قصائد لکھے جو دیوان مین موجود ہین، لیکن پھر خدا نے توفیق دی اور توبہ کی، توبہ کا سبب ایک دلچسپ قصہ ہی، بہرام شاہ ہندوستان کی مہم پر جا رہا تھا، حکیم سنائی نے چاہا کہ اس تقریب سے قصیدہ مدحیہ لکھکر پیش کرین، قصیدہ تیار کر کے، دربار کے قصد سے چلے، راہ مین ایک حمام تھا، یہان ایک پاگل رہا کرتا تھا، اسکا معمول تھا کہ شراب خانون سے شراب کی تلچھٹ مانگ لایا کرتا اور پیکر مست پڑا رہتا، اسی لیے اسکو لاے خوار کہتے تھے، حکیم سنائی حمام کے برابر سے نکلے، تو غنغنانے کی آواز سنی، ٹھہر گئے، دیکھا تو لاے خوار ساقی سے کہہ رہا ہے کہ ابراہیم شاہ کے اندھے پن کے صدقہ مین ایک پیالہ دینا، ساقی نے کہا کیا لغو بکتے ہو، ابراہیم شاہ نہایت عادل بادشاہ ہے، پاگل نے کہا، ابھی غزنین کے انتظام سے عہدہ برا نہین ہوا، دوسرے ملک کا ارادہ کرتا ہے اِس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی یہ کہہ کر پیالہ اٹھایا اور پی گیا، پھر ساقی سے کہا کہ سنائی کے اندھے پن کے

صد قے مین ایک پیالہ اور لانا، ساقی نے کہا، سنائی نہایت خوش فکر اور خوش طبع شاعر ہی اُسکی بُرائی کیون کرتے ہو، پاگل نے کہا اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی کہ دو چار جھوٹ سچ باتین جوڑکر، کسی بیوقوف رئیس کے پاس جاتا ہے، ادب سے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے، اور اُسکو سُناتا ہے قیامت مین اگر سوال ہوا کہ دربار مین کیا لایا ہے، تو کیا جواب دیگا[1]

حکیم سنائی پر یہ اثر ہوا کہ اُسی وقت سب چھوڑ چھاڑ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے اور یہ رتبہ حاصل کیا کہ یا تو بہرام شاہ کے دربار مین بھٹی کرتے تھے، یا بہرام شاہ نے اپنی بہن کو اُنکے عقد نکاح مین دینا چاہا اور اُنھون نے انکار کیا، چنانچہ بہرام شاہ کو جواب مین لکھا

من نہ مرد زن وزر وجاہم	بخدا اگر کنم وگر خواہم
گر تو تاجم دہی ز احسانم	بسر تو کہ تاج نستانم

ید بیضا مین لکھا ہے کہ سر و پا برہنہ حج کو گئے، وہان سے واپس آکر غزنین مین گوشہ نشینی اختیار کی ننگے پاؤن غزنین کے گلی کوچون مین پھرا کرتے تھے، اُنکے عزیزون کو رحم آتا، ان کو اس حالت مین دیکھتے تو بے اختیار رو دیتے، یہ اُنکو سمجھاتے کہ میری حالت پہ رونا نہین، بلکہ خوشی کرنی چاہیے، ایک دن لوگون نے جوتی لاکر پیش کی، اُن کی خاطر سے پہن لی، لیکن اتنا تعلق بھی اُن کی حالت مین خلل انداز ہوا، چنانچہ دوسرے دن جوتی اُتار کر پھینکدی اور کہا کہ جو بات مجھ مین کل تھی آج نہین، امیر خسرو نے اسی

[1] نفحات الانس مین بہرام شاہ کے بجائے سلطان محمود کا نام لکھا ہی، اسی بنا پر تاریخ فرشتہ مین اس واقعہ سے انکار کیا ہی،

واقعہ کی طرف ایک قصیدہ مین اشارہ کیا ہے[1]

نیست مدبر آن ترک از خود بدار دکفش انکہ	ہر تنگاف از پاتنسایش مین دولت را در است

ایک رئیس نے اُنکی خدمت مین حاضر ہونے کا ارادہ کیا، ان کو خبر ہوئی اُسیوقت رئیس کو خط لکھا کہ

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها گوشۂ دل این گوشہ گرفتہ را بہ تفقد ستایش خود خراب نہ کند جسم حقیر این بندہ نہ سزاے خشم خداوندی است[2]

اس زمانہ مین شیخ ابو یوسف ہمدانی مشہور مشایخ مین سے تھے حکیم سنائی نے اُن سے بیعت کی، شیخ ابو یوسف، ابو علی فارمدی کے مرید تھے جو امام غزالی کے پیر ہین اس رشتہ سے حکیم سنائی، امام غزالی کے برادر زادہ ہین۔

حکیم سنائی نے جب حدیقہ تصنیف کی، تو چونکہ اس مین ایسی باتین بھی ہین جو عام عقائد کے خلاف ہین، اسلیے علما نے سخت مخالفت کی، یہانتک کہ بہرام شاہ تک شکایت پہنچی، بہرام شاہ نے، دار الخلافۃ بغداد سے استفتا طلب کیا، وہان کے علما نے لکھا کہ یہ مسائل قابل اعتراض نہین، حکیم سنائی نے اپنی برارت کے متعلق، ایک خط بھی بہرام شاہ کے نام لکھا، عبد القادر بدایونی نے اس خط کو پورا نقل کیا ہے، اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس بات پر ناراض تھے کہ حکیم سنائی نے حدیقہ مین بنی اُمیۃ کی نہایت

---

[1] یہ تمام تفصیل دولت شاہ مین ہے ۱۲ [2] نفحات ۱۲

برائی لکھی تھی، اور اہل بیت کی مدح مین مبالغہ کیا تھا، حکیم سنائیؔ نے ان دونون باتون کو تسلیم کیا اور لکھا کہ آل مروان کی برائی خود احادیث مین آئی ہے، لیکن حکیم صاحب محدث نہ تھے ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ گو آل مروان کی برائی مین شک نہین، لیکن حدیثین جو انکی شان مین مذکور ہین، سب وضعی اور جعلی ہین۔

حکیم سنائیؔ کی وفات مین سخت اختلاف ہے تاریخ فرشتہ مین تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بہرام شاہ کے زمانہ مین وفات پائی، اسی تاریخ مین بعض فضلا کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ مین انتقال ہوا، اور اسی سنہ مین حدیقہ بھی تمام ہوئی تھی، دولت شاہ نے ۵۷۶ھ مین لکھا ہے، ریاض العارفین مین ۵۴۶ھ ہے۔

نفحات مین لکھا ہو کہ مرتے وقت یہ شعر زبان پر تھا۔

	بازگشتم زانچہ گفتم زان کہ نیست		در سخن معنے و در معنی سخن	

تصنیفات

حکیم سنائیؔ کی تصنیفات مین ایک کلیات ہے جس مین تیس ہزار شعر ہین، سات مثنویان ہین۔ حدیقہ، سیر العباد، کارنامہ بلخ، طریق التحقیق، عشق نامہ، عقل نامہ، بہروز و بہرام۔ حدیقہ چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے، باقی مثنویان ناپید ہین، البتہ سیر العباد کے بہت سے اشعار مجمع الفصحا، مین نقل کیے ہین، حدیقہ کی بحر اور وہی انداز ہے۔

کلیات مین قصائد، قطعے، غزلین، رباعیان سب کچھ ہے، اور افسوس یہ ہے کہ ان پھولون مین ہجو کے کانٹے بھی ہین۔

حکیم سنائیؔ کے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

ا۔ تشبیب اور قصائد مین اُنھون نے گو اپنے اور تمام معاصرین کی طرح کوئی جدّت نہین پیدا کی، لیکن پختگی، برجستگی، اور صفائی مین اُنکا کلام، تمام معاصرین سے ممتاز ہے اور قدما مین بھی، فرخی کے سوا، اس خصوصیت مین کوئی اُنکا ہمسر نہین، فرخی کے قصیدہ کا جو جواب لکھا ہے، اُسکے چند اشعار ملاحظہ ہون۔

دوش سرمست نگارینِ من، آن طرفه پسر		با یکے پیرہنے با کلہے طرفہ بہ سر
از سر کوچہ فرود آمد متواری وار		کردہ از غایت و تنگی صد گونہ بطر
نرم نرمک ہمی آن نرگس پُرخواب کشاد		ژالہ ژالہ عرق از عارض او کردہ اثر
بوسہ بر دو لب من داد ہمی از پے عذر		اینت شوریدہ نگارا اینت شکر بوسہ بسر
شادمان گشتم ازین کار و گرفتمش کنار		ہیچہ تنگ شکر و خرمنِ گلِ تنگ بہ بر
او شدہ خواب دمن از بوسہ زدن دو رخش		با دو چشم و دو رخش تا بہ سحر جفت سہر
خود کہ داند کہ دران نیم شب از مستی او		تا چہ برداشتم از بوسہ ہر چیزے بر

یہی مضمون ہے جسکو قاآنی نے زیادہ لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے۔

مست در بستر من خفتہ و رندان دانند۔		حالتِ مست کہ در بسترِ ہشیار افتد

خیالات اور طرز ادا مین کہین کہین جدّت بھی پائی جاتی ہے، مثلاً کمر بر، و شجر بر، کی طرح مین جو قصیدہ کہا ہے اُسمین ایک قطعہ بند ہے۔

در زینت و در رنگ کلاہ و کمر خویش		زحمت چہ کشی در طلب گوہر و زر بر
وین اشک من و رنگ رُخ من بہ بر شوخ	ق	این را بہ کلہ برزن و آن را بہ کمر بر

یعنی اے معشوق اپنے کمربند، اور کلاہ کی زینت مین اسقدر زحمت کیون اُٹھاتا ہی میرا آنسو، اور میرے چہرہ کا رنگ، لیکر کلاہ اور کمر پر لگالے کہ زر و گوہر کا کام دینگے آنسو گوہر اور چہرہ کا رنگ زردی کی وجہ سے زر کے مشابہ ہے۔

۲- حکیم سنائیؔ پہلے شخص ہین جنہنے تصوف، کو شاعری سے روشناس کیا اُس سی پہلے حضرت ابوسعید ابوالخیر کی چند رباعیان تصوف مین پائی جاتی ہین لیکن اُن مین صرف جوش عشق کو پر زور طریقہ سے ادا کیا ہے، تصوف کے مسائل، اسرار، اور معارف نہین، بخلاف اسکے حکیم سنائیؔ کی تصنیفات تصوف کی مستقل تصنیفین ہین خود حکیم صاحب کو بھی اسکا دعوی ہے چنانچہ حدیقہ مین کہتے ہین۔

کس نہ گفت این چنین سخن بجہان	ور کسی گفت، گو بیار و بخوان
زین نمط ہر چہ در جہان سخن است	گر یکے در ہزار، آن من است
چون ز قرآن گذشتی وز اخبار	نیست کس را ازین نمط گفتار

اس دعوی کو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہین مولانا رومؔ فرماتے ہین،

ترک جوشے کردہ من نیم خام	از حکیم غزنوی بشنو تمام
عطار روح بود سنائی دو چشم او	ما از پسِ سنائی و عطار آمدیم

حدیقہ مین تصوف کے تمام مقامات کو الگ الگ عنوان سے لکھا ہے، اور نہایت خوبی سے ادا کیا ہے، اس کتاب کے چوتھے حصہ مین جہان صوفیانہ شاعری پر ریویو ہوگا، حدیقہ کے انتخابات درج کیے جائین گے۔

۳- قدما کی شاعری اگرچہ نیچرل شاعری تھی، لیکن طرزِ ادا شاعرانہ تھا، جس بات کو کہنا چاہتے تھے، صاف بے تکلف، سیدھے سادھے طور پر کہدیتے تھے، معمولی بات کو انوکھے پیرایہ مین ادا کرنا، یا ایک معمولی واقعہ سے منطقیانہ استدلال پیدا کرنا، متوسطین اور متاخرین کا جوہر ہے، لیکن اسکے موجد حکیم سنائی ہین، اس اجمال کی تفصیل آگے آتی ہے۔

۴- اخلاقی شاعری کی بنیاد بھی حکیم سنائی نے قائم کی، اور گو آگے چلکر اس صنف کو بہت وسعت ہوئی، لیکن اُصول اور آئین حکیم سنائی نے قائم کردیے تھے،

اخلاقی شاعری کی سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ جو بات کہی جائے اُسکے لیے پیرایہ بیان ایسا ڈھونڈھا جائے کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ اس سے پہلے کسی نے اسکی اصلی حقیقت نہین ظاہر کی تھی، اور یہ کہ وہ جس کام کو معمولی بات سمجھتا تھا، وہ نہایت نفرت انگیز اور بدترین افعال ہے، اسکے لیے شاعر کو ضرور ہے کہ وہ سامنے کی باتون سے ایسے نتائج پیدا کرے جو بظاہر بالکل اچھوتے معلوم ہون، اور جس کی طرف خیال نہ گیا ہو، مثلاً یہ بات عام ہے کہ طبیب جس چیز کو منع کر دیتا ہے لوگ اُس سے پرہیز کرتے ہین لیکن شریعت کے احکام کی پابندی نہین کرتے، اب دیکھو حکیم سنائی اس واقعہ سے نصیحت کا کیا پہلو پیدا کرتے ہین، اُنھون نے دیکھا کہ طبیب اکثر پارسی، عیسائی، یہودی ہوتے ہین، یہ بھی دیکھا کہ جن چیزون کو طبیب منع کر دیتا ہے اکثر حلال ہوتی ہین، مثلاً حلوا مٹھائی وغیرہ، اور شریعت جن چیزون کو منع کرتی ہے، وہ مضر اور ناجائز ہوتی ہین، ان باتون سے انھون نے اس طرح کام لیا۔

ترا یزدان ہمے گوید کہ در دنیا مخور بادہ	ترا ترسا ہمے گوید کہ در صفرا مخور حلوا
ز بہر دین تو نگذاری حرام از حرمت یزدان	ولیک از بہر تن مانی، حلال از گفتۂ ترسا

یعنی خدانے حکم دیا کہ شراب نہ پیو، اور عیسائی (طبیب) کہتا ہے کہ حلوا نہ کھاؤ، حلوا حلال چیز تھی، اُسکو تو تم نے ایک عیسائی کے کہنے سے چھوڑ دیا، اور شراب جسکو تم خود بھی ناجائز سمجھتے ہو، خدا کے کہنے سے بھی نہین چھوڑتے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم خدا کے حکم کو ایک عیسائی کی بات کے برابر بھی نہین سمجھتے۔

اس قدر ہر شخص جانتا ہے کہ انسان مرکر تمام جھگڑون سے چھوٹ جاتا ہے، اس سے حکیم سنائی نے نصیحت کا یہ پیرایہ پیدا کیا ہے۔

با ہمہ خلق جہان، گرچہ ازان	بیشتر گمرہ و کم ترہ بردہ اند
آن چنان زی کہ چو میری برہی	نہ چنان زی کہ چو میری برہند

یعنی لوگون کے ساتھ اس طرح پیش آؤ کہ جب مرو تو تم جھگڑون سے چھوٹ جاؤ نہ یہ کہ جب تم مرو تو لوگ جھگڑے سے چھوٹین، یعنی تمہارے افعال سے ہر شخص تنگ آرہا تھا اسلیے جب تم مروگے تو لوگون کو نجات ہوگی،

شراب کی بُرائی کا یہ پہلو ہر شخص جانتا ہے کہ نشہ مین انسان بیہودہ بکتا ہے گالیان دیتا ہے، لڑتا ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ انسان نشہ کی حالت مین فیاض اور کرم گستر بن جاتا ہے اور یہ تعریف کا پہلو ہے، اب دیکھو شاعر اس تعریفی پہلو سے کیونکر شراب کی بُرائی کا یقین دلاتا ہے،

نکند عاقل مستی، نخورد دانا مے
نہ نہد مردم ہشیار سوی مستی پے
گر کنی بخشش گویند کہ مے کرد نہ او
ور نہ کنی عربدہ گویند کہ او کرد نہ مے

یعنی شراب ایسی چیز ہے کہ انسان اگر سخاوت بھی کرتا ہے تو لوگ اُس کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ شراب کا فیض ہے،

از پئے ردّ و قبول عامہ خود را خر مکن
زان کہ نبود کار عامہ، خرخری یا فرفری
گاو را دارند باور در خدائی عامیان
نوح را باور ندارند از پے پیغمبری

اس قدر سب جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے گوسالہ کی پرستش کی تھی، اور آج بھی ہندوؤں کے نزدیک، گائے نہایت مقدس چیز ہے، یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت نوح کو اُن کی اُمت نے پیغمبر تسلیم نہیں کیا، ان دونوں باتوں سے شاعر نے یہ نتیجہ نکالا کہ عوام کا ردّ و قبول کس قدر ناقابل اعتبار ہے، ماننے پر آئے تو گائے کے بچھڑے کو خدا بنا دیا، اور انکار کی طرف جھکے تو حضرت نوح کو پیغمبر بھی تسلیم نہیں کرتے۔

اختلاط اور صحبت میں خوبیاں بھی ہیں اور بُرائیاں بھی، اس لیئے ارباب حال دونوں طرف گئے ہیں، لیکن اس نکتہ کی طرف کسی کا ذہن نہیں گیا کہ خوبی کا جو پہلو ہے وہ بھی زحمت سے خالی نہیں،

کسے کش خرد رہنمون است ہر گز
بگیتی رہ و رسم اُلفت نورزد
کہ صحبت نفاقی است یا اتفاقی
دل مرد دانا ازین ہر دو لرزد

اگر خود نفاقی است جان را بکاہد   وگر اتفاقی است ہجران نیرزد

یعنی اگر صحبت، منافقون کے ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ سوہان روح ہے، اور اگر خاص احباب کے ساتھ ہے تب بھی اسلیئے بُری ہے کہ اس حالت مین جدائی کا صدمہ جانگزا ہوگا،

بحرص[1] ار شربتے خوردم مگیر از من کہ بد کردم
بیابان بود و تابستان و آب سرد و استسقا

چو[2] تو شدی پیر بلندی مجو
کان کہ ز تو زاد، بلند آن شود

روز نہ بینی کہ بہ پایان رسد
سایۂ ہر چیز دو چندان شود

زشت[3] باشد روے نازیبا و ناز
سخت باشد چشم نابینا و درد

با دو[4] قبلہ در رہ توحید نتوان رفت راست
یا رضای دوست باید، یا رضای خویشتن

سوی[5] آن حضرت نپوید ہیچ دل با آرزو
با چنین گلرخ نخسپد ہیچ کس با پیرہن

این[6] جہان بر مثال مرداریست
کرگسان گرد او ہزار ہزار

این مران را ہمی کشد، مخلب (چنگل)
آن مران را ہمے زند منقار

آخر الامر بر پرند ہمہ
وز ہمہ باز ماند این مردار

۵۔ جوش اور سرمستی جو حقیقی شاعری ہے ایشیا کے شعرا مین بہت کم پائی جاتی ہے فارسی شعرا مین مولانا روم پر نشہ چھایا ہوا ہے، خواجہ حافظ بھی کبھی کبھی بدمست

[1] گناہ کی معذرت ۱۲ [2] بوڑھے جوان کا مقابلہ نہین کر سکتے، ۱۲ [3] بے لیاقت آدمی کو غرور اور زیادہ بدنما ہے ۱۲ [4] یکسوئی ۱۲ [5] مقام وصال مین ترک آرزو [6] دنیا اور طالبان دنیا ۱۲

ہو جاتے ہین، لیکن حکیم سنائی ان سب کے پیشرو ہین، اشعار ذیل کو پڑھو اور انکے الفاظ، ترکیب، انداز بیان، مضمون، ایک ایک چیز کو دیکھو کس طرح جوش سے لبریز ہین!

یا برو، ہمچون زنان رنگی و بوی پیش گیر	یا چو مردان اندر آئے و گوی در میدان فگن
چون دو عالم زیر پایت نطع شد پای بکوب	چون دو کون اندر دو دستت جمع شد دستی بزن
سر بر آر از گلشن توحید تا در کوی دین	کشتگان زندہ بینی انجمن در انجمن
دی ز دلتنگی زمانے طوف کردم در چمن	یک جہان جان دیدم آنجا جستہ از زندان تن
بے طرب خوش دل طیور، و بے طلب جنبان صبا	بے دہان خندان درخت و بے زبان گویا چمن

طلب اے عاشقان خوش رفتار	طرب اے شاہدان شیرین کار
تا کے از خانہ، ہان رہ صحرا	تا کے از کعبہ ہین در خمار
در جہان شاہدی و ما فارغ!!	در قدح جرعۂ و ما ہشیار

بسکہ شنیدی صفت روم و چین	خیز و بیا ملک سنائی ببین
تا ہمہ دل بینی بے حرص و بخل	تا ہمہ جان بینی بے کبر و کین
پای نہ و چرخ بزیر قدم	دست نہ و ملک بزیر نگین
رستہ ز ترکیب زمان و مکان	جستہ ز ترتیب شہور و سنین
روح امین دادہ بدہش ہمانکہ	دادہ بہ مریم ز رہ آستین

۶۔ شاعری کے اجزا مین ایک بڑا ضروری جزو تمثیل اور تشبیہ ہے، شاعر کبھی کوئی اخلاقی دعویٰ کرتا ہے تو دلیل مین اسکو تمثیل پیش کرنی پڑتی ہے، کبھی کسی چیز کی

اچھائی یا بُرائی ثابت کرنا، یا کسی چیز کی تصویر اور ہیئت کھینچنا چاہتا ہے تو تشبیہ اور تمثیل کے بغیر چارہ نہین ہوتا اسی بنا پر اکثر بڑے بڑے شاعر مثلاً سعدی، صائب، کلیم وغیرہ تمثیل مین کمال رکھتے تھے، شاعری کی اس صنف کے موجد بھی حکیم سنائیؔ ہی ہین، ذیل کی مثالون سے معلوم ہوگا کہ اُنکی تمثیلین کسقدر نادر اور مؤثر ہوتی ہین،

ہر کسے از رنگ و رفتارے بدین رہ کے رسد	درد باید صبر سوز و مرد باید گام زن
ہفتہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل	شاہدی را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
ماہہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش	صوفیے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب	لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن
ساعت بسیار می باید کشیدن انتظار	تا کہ در جوف صدف باران شود در عدن
قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطف طبع	عالمے گویا شود یا فاضلے صاحب سخن
صدق و اخلاص و درستی باید و عمر دراز	تا قرین حق شود صاحبقرانے در قرن
[1] تو علم آموختی از حرص اینک ترس کاندر شب	چو دزدے با چراغ آید گزیدہ تر برد کالا
[2] چو تن جان را مزین کن بہ علم و دین کہ زشت آید	درون سو شاہ عریان و برون سو کوشک و دیبا

اب ہم حکیم سنائیؔ کے بعض قطعات وقصائد کے اشعار یکجا لکھتے ہین جس سے اُنکی عام شاعری کا اندازہ ہو سکیگا.

بکن در جسم و جان منزل کہ این دون است و آن والا	قدم زین ہر دو بیرون نہ نہ اینجا باش و نہ آن جا

[1] علم زیادہ پر خطر گناہ ہونیکا سبب ہو سکتا ہی ۱۲ [2] صفائی ظاہری کے ساتھ صفائی باطن بھی شرط ہی ۱۲

حصول مقصد کیلیے دیر اور انتظار شرط ہی

اور جو مقصد جسقدر اہم ہوگا اسیقدر زیادہ دیر ہوگی

بہر چہ از راہ باز افتی چہ کفر آن حرف چہ ایمان
بہر چہ از دوست وا مانی چہ زشت آن نقش چہ زیبا

چو علمت ہست خدمت کن چو بے علمان کہ زشت آید
گرفتہ چینیان احرام و مکی خفتہ در بطحا

مرا باری بحمد اللہ ز راہ حکمت و ہمت
بسوے خط وحدت برد عقل از خطہ اشیا

نخواہم لاجرم نعمت نہ در دنیا نہ در جنت
ہمے گویم بہر ساعت چہ در ضرا چہ در سرا

کہ یارب مر سنائی را سنائی دہ تو در حکمت
چنان کز وی برشک آید روان بو علی سینا

مگردان عمر من چون گل کہ در طفلی شوم کشتہ
مگردان حرص من چون مل کہ در پیری شوم برنا

بہر چہ از اولیا گفتند اذقنی و وفقنی
بہر چہ از انبیا گفتند امنا و صدقنا

پردہ دار عشق دان، رسم ملامت بر فقیر
پاسبان دور خناس این آب تلخ اندر بحار

اے بسا غبنا کہ اندر حشر خواہد بد ازان کہ
ہست ناقد بس بصیر و نقد ہا بس کم عیار

عقل جزوی کے تواند گشت بر گیہان محیط
عنکبوتے کے تواند کرد سیمرغے شکار

کے شود ملک دو عالم تا تو باشی ملک آن
کے بود اہل نثار آن کس کہ بر چیند نثار

باش تا کل یابی انہارا کہ امروزند جزو
باش تا گل یابی آن ہا را کہ امروزند خار

گوئی کہ بعد ما چہ کنند و کجا روند
فرزندگان و دخترگان یتیم ما

خود یاد ناوری کہ چہ کردند و چون شدند [شدند written above]
آن مادران و آن پدران قدیم ما

آدمی را دو بلا کرد رہے
داند از ہر دو بلا، روز بہی

یا کند پر شکم خویش زنان
یا کند پشت خود از آب تہی

عمرو خیام بن ابراہیم نیشاپوری

عمرو نام، خیام لقب نیشاپور وطن، غالباً آبائی پیشہ خیمہ دوزی تھا جسکی وجہ سے خیام کا لقب ملا، عمرو نے جب تحصیل شروع کی تو دو شخص اس کے ہم سبق تھے، ان مین رابطۂ محبت اس قدر بڑھا کہ سب نے عہد کیا کہ ہم مین سے جب کوئی شخص بڑے منصب پر پہنچے گا تو اپنے ساتھیون کو بھی اپنا ہمسر بنائے گا، اسوقت دنیا کو کیا معلوم تھا کہ یہ مکتب کے لونڈے جو اسوقت ایک خیالی منصوبہ باندھتے ہین، آگے چلکر دنیا کی تاریخ بدل دینگے، ان مین سے ایک کا نام حسن بن علی اور دوسرے کا حسن تھا حسن بن علی نے رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ الپ ارسلان سلجوقی کا وزیر ہو گیا اور سنہ ۴۶۵ھ مین جب الپ ارسلان نے وفات پائی اور ملک شاہ سلجوقی مسند آرا ہوا تو وہ کل سیاہ و سفید کا مالک تھا، یہی حسن ہے جو آج **نظام الملک** (بانی نظامیہ بغداد) کے نام سے مشہور ہے، عمرو خیام کو جب معلوم ہوا کہ میرا ہم سبق تاج و تخت کا مالک ہے تو اصفہان مین نظام الملک کے پاس آیا، نظام الملک نے بڑے احترام سے خیر مقدم کیا، نظام الملک کو اپنا عہد یاد تھا، خود پوچھا کہ آپ کیا

چاہتے ہین، خیام جو کچھ چاہتا، اسکو مل سکتا تھا لیکن ملک قناعت کے شہنشاہ نے صرف معمولی وجہ معاش کی درخواست کی، نظام الملک نے خیام کے وطن نیشاپور مین کم وبیش بارہ سو روپے سالانہ کی جاگیر مقرر کر دی[1] خیام نے اگرچہ صرف معمولی جاگیر پر قناعت کی، لیکن سلاطین و امرا اس سے برابری کا برتاؤ کرتے تھے، شمس الملوک خاقان بخاری اسکو تخت پر اپنے برابر بٹھاتا تھا، ملک شاہ سلجوقی جو دنیائے اسلام کا شہنشاہ اعظم تھا اس سے ندیمانہ تعلقات رکھتا تھا[1] دولت شاہ سلجوقی نے لکھا ہے کہ سلطان سنجر بھی اسکو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا لیکن شہرزوری کی تاریخ الحکما سے معلوم ہوتا ہے کہ سنجر کے ساتھ اسکے تعلقات اچھے نہ تھے شہرزوری نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جس زمانہ مین سنجر شاہزادہ تھا، اسکو چیچک نکلی خیام معالجہ کے لیے طلب ہوا، وزیر نے خیام سے پوچھا کہ بیمار کی کیا حالت ہے خیام نے کہا آثار اچھے نہین، یہ خبر کسی نے سنجر کو پہنچائی اس کو نہایت رنج ہوا اور یہ رنج ہمیشہ قائم رہا۔

۴۶۷ھ مین ملک شاہ نے ایک عظیم الشان رصد خانہ قائم کرنے کا ارادہ کیا، دور دور سے بڑے بڑے ہیئت دان اور منجم بلوائے[2] انمین ابو لمظفر اسفزاری، میمون بن نجیب واسطی، اور ہمارا نامور خیام بھی تھا،

---

[1] دولت شاہ۔ لیکن جاگیر کی آمدنی کی تعیین اور کتابون سے، ماخوذ ہے [2] تاریخ الحکما شہرزوری

ابن الاثیر نے جہان اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ اس رصد خانہ پر بیشمار دولت صرف ہوئی، اس رصد سے جو زیچ تیار ہوئی وہ خاص خیام کی طیار کردہ تھی، چنانچہ کشف الظنون زیچ ملک شاہی کے ذکر مین صاف تصریح ہو۔

خیام زیادہ تر فلسفۂ یونان کا درس دیتا تھا اور اسی قسم کے خیالات رکھتا تھا یہ خیالات جب زیادہ پھیلے تو عوام مین سخت برہمی پیدا ہوئی یہانتک کہ لوگون نے اسکو بیدین قرار دیکر قتل کر دینا چاہا، مجبوراً اسنے حج کا ارادہ کیا کہ حرم مین کوئی کسی کو ستا نہین سکتا، حج سے فارغ ہوکر بغداد مین آیا، یہان لوگون نے نام سُنا تو ہر طرف سے ٹوٹ پڑے کہ علوم فلسفیہ سیکھین، لیکن اسنے انکار کیا، اور بغداد سے چلکر وطن مین آیا[1]

وفات اس کی وفات کا دلچسپ قصہ ہے، ایک دن بو علی سینا کی کتاب الشفا ر مطالعہ کر رہا تھا، جب وحدت و کثرت کی بحث آئی تو اُٹھ کھڑا ہوا، عادت تھی کہ ہر وقت خلال پاس رکھتا تھا، اسکو ورق مین رکھ کر اُٹھا، نماز پڑھی، وصیت کی، شام تک کچھ نہ کھایا، نماز عشا پڑھکر سجدہ کیا اور کہا اے خدا جہانتک میرے امکان مین تھا مین نے تجھکو پہچانا، اس لیے مجھکو بخش دے۔ یہی کہتے کہتے جان نکل گئی مجمع الفصحا مین ہے کہ ۵۱۷ھ مین وفات پائی۔

دفن کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے، **نظامی عروضی** اس زمانہ کا مشہور

[1] تاریخ الحکما جمال الدین قفطی۔

شاعر ہے جس کی کتاب چار مقالہ چھپکر شائع ہو چکی ہے، اسکا بیان ہے کہ ۵۰۶ھ مین مین بلخ گیا معلوم ہوا کہ خیام آجکل یہین امیر ابو سعید کے مکان پر مقیم ہے، مین خدمت مین حاضر ہوا، باتون باتون مین خیام نے کہا کہ میری قبر ایسے مقام مین بنے گی کہ ہر سال دو دفعہ، درخت اسپر پھول برسائین گے مجھکو تعجب ہوا، ساتھ ہی خیال آیا کہ ایسا بڑا شخص لغو گو نہین ہو سکتا، ۵۳۰ھ مین مین جب نیشاپور پہنچا تو حکیم موصوف کا چند برس پہلے انتقال ہو چکا تھا، چونکہ مجھپر شاگردی کا حق تھا، ایک آدمی کو ساتھ لیا کہ قبر کا پتہ بتائے، وہ قبرستان حیرہ مین لو گیا، دیکھا تو باغ کی دیوار کے نیچے قبر ہے سرہانے امرود اور زرد آلو کے درخت ہین، شگوفہ جھڑ کر اسقدر ڈھیر ہو گئے ہین کہ قبر ڈھک گئی ہے، مجکو حکیم موصوف کا قول یاد آگیا اور بے اختیار آنسو نکل پڑے[1]۔

فضل و کمال خیام کو آج زمانہ شاعری کی حیثیت سے جانتا ہی لیکن وہ فلسفہ مین بو علی سینا کا ہمسر اور مذہبی علوم اور فن ادب و تاریخ مین امام فن تھا، جمال الدین قفطی نے تاریخ الحکما مین اسکا نام ان القاب سے شروع کیا ہے امام خراسان و علامۃ الزمان شہرزوری تاریخ الحکما مین لکھتے ہین کان تلو ابی علی فی اجزاء علوم الحکمۃ و کان عالما باللغۃ و الفقہ و التواریخ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اصفہان مین ایک کتاب نظر سے گزری، سات دفعہ اسکا مطالعہ کیا، نیشاپور مین واپس آیا تو ساری کتاب زبانی لکھوادی، اصل سے مقابلہ کیا گیا تو خفیف فرق نکلا[2]۔

---

[1] چہار مقالہ ذکر منجم ماہر ۱۲ [2] شہرزوری ۱۲

ایک دفعہ وزیر عبدالرزاق کے ہان علمی صحبت تھی، ابوالحسن غزالی جو اس زمانہ مین فن قرءت کے امام تھے وہ بھی موجود تھے، اتفاق سے **خیام** بھی آنکلا، عبدالرزاق نے خیام کو آتا دیکھ کر کہا علی الخبیر سقطنا یعنی واقف کار آگیا، مسئلہ زیر بحث کو خیام کے آگے پیش کیا اسنے ساتون قرائتین، شاذ رواتین، اور اُنکے دلائل اور وجوہ بیان کرکے ایک قرائت کو ترجیح دی، غزالی بے اختیار بول اُٹھے کہ حکما کا کیا ذکر خود قرائین سے کسی کی یہ معلومات نہین ہوسکتی،[1]

قاضی عبدالرشید کا بیان ہے کہ ایک دفعہ خیام سے مین مرو کے حمام مین ملا اور سورۂ معوذتین کے معنی دریافت کیئے، یہ بھی پوچھا کہ ان سورتون مین بعض الفاظ بار بار کیون آئے ہین، خیام نے برجستہ جواب دینا شروع کیا، مفسرین کے اقوال، اُنکے دلائل اور شواہد اس تفصیل اور وسعت سے بیان کیے کہ اگر ساری تقریر قلمبند کرلیجاتی تو اچھی خاصی کتاب بن جاتی،[2]

فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے مذہبی علما اس سے مخالفت رکھتے تھے، اس زمانہ مین مذہبی گروہ کے پیشرو امام غزالی تھے، جنھون نے تہافۃ الفلاسفہ لکھ کر فلسفہ کا ابطال کیا تھا، وہ مناظرہ کے لیے خیام کے پاس گئے، اور پوچھا کہ آسمان کے تمام اجزا باہم متشابہ اور متحد الحقیقۃ ہین پھر بعض اجزا مین کیا خصوصیت تھی کہ قطبین قرار پائے، خیام مسائل فلسفیہ کے بیان کرنے مین نہایت بخل کرتا تھا، اسنے پہلے تو یہ کہکر ٹالا کہ مین اس

---

[1] شہرزوری [2] شہرزوری

مسئلہ کو اپنی کتاب عرائس النفائس مین مفصل لکھ چکا ہون، پھر جواب دیا تو اس طرح کہ پہلے ابتدائی مراتب بیان کیئے، چنانچہ اس مسئلہ سے ابتدا کی کہ "حرکت کس مقولہ سے ہے،، پھر اسکو اسقدر پھیلایا کہ یہ مسئلہ ابھی پورا نہین ہوا تھا کہ ظہر کی اذان کی آواز آئی، امام غزالی یہ کہکر اٹھ گئے جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا[1]

نجوم کا فن اگرچہ مہمل چیز ہے لیکن یونانی حکما عموماً اسکے قائل تھے، وہی خیالات مسلمانون مین بھی منتقل ہوے، خیام اس فن مین کمال رکھتا تھا، اور اسلیے منجم کہلاتا تھا ۵۰۸ھ مین بادشاہ وقت نے خواجہ بزرگ صدر الدین محمد بن المظفر کے پاس آدمی بھیجا کہ مین شکار کو جانا چاہتا ہون، خیّام سے کہدو کہ اعمال نجوم کے ذریعہ سے ایسی تاریخ مقرر کرے کہ برف و بارش سے محفوظ ہو، خیّام نے دو دن کے غور و فکر کے بعد ایک دن معین کیا، بادشاہ اُسی دن سوار ہوا، کوس دو کوس گیا ہوگا کہ بڑے زور کا بادل اُٹھا اور چارون طرف برف بچھ گئی، لوگون نے خیام کی ہنسی اُڑائی، بادشاہ نے چاہا کہ وہین سے پلٹ جائے، خیام نے کہا ابھی بادل پھٹے جاتے ہین، اور پانچ دن تک زمین نم بھی نہوگی، اتفاق یہ کہ خیام کی پیشین گوئی پوری اُتری[2]،،

تصنیفات تصنیفات بہت کم ہین، زیچ جو تیار کی تھی اُسکا ہمارے اسلامی ملکو نمین تو پتہ نہین لیکن یورپ نے چھاپ کر شائع کی ہے، باقی چند مختصر رسالے ذیل مین درج ہین جنکا ذکر شہرزوری نے کیا ہے۔

[1] شہرزوری [2] تاریخ الحکماء

طبعیات مین ایک مختصر رسالہ،

وجود کی حقیقت پر ایک رسالہ،

کون اور مسئلہ تکلیف پر ایک رسالہ، یہ رسالہ آج کل مصر مین چھپا گیا ہی۔

عربی مین بہت سے شعر لکھے ہین، چند ذیل مین درج ہین (از شہرزوری)

یدابر لی الدنیا بل السبعة العلی بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری

اصوم علی الفحشاء جہرا وخفیة عفافا وافطاری بتقدیس خاطری

وکم عصبة ضلت عن الحق فاہتدت لطرف الہدی من فیضی المتقاطر

فان صراط المستقیم بصائر نصبن علی وادی العمی کالقناطر

اذا قنعت نفسی بمیسور بلغة یحصلہا بالکد کفی وساعدی

امنت تصاریف الحوادث کلہا فکن یا زمانی موعدی اومساعدی

وہبنی اتخذت الشعرین منازلی وفوق مناط الفرقدین مصاعدی

الیس قضی الرحمن فی حکمہ بان یعبد الی نحس جمیع المساعد

متی باعدت دنیاک کان مصیبة فواعجبا من ذا القریب المباعد

اذا کان محصول الحیاة منیة فسیان حالا کل ساع وقاعد

رضیت دہرا طویلا فی الناس اخ یرعی ہدادی اذا ذوخلة خانا

فکم الفت وکم اخیت غیر اخ وکم تبدلت بالاخوان اخوانا

وقلت للنفس لما غرمطلبہا باللہ ما نا لقی ما عشت انسانا

رباعیات | عجیب بات ہے خیام فلسفہ مین، نجوم مین، فقہ مین، ادب مین، تاریخ مین کمال رکھتا تھا، لیکن اتنے ستارون کے ساتھ اُسکا اُفق شہرت بالکل تاریک ہے، جس چیز نے آٹھ سو برس تک اسکے نام کو زندہ رکھا وہ چند فارسی رباعیان ہین اور یہی اُسکی شہرت کے بال پر واز ہین، ان رباعیون کے ساتھ مسلمانون نے جسقدر اعتنا کیا اُس سے ہزارون درجہ بڑھ کر یورپ نے کیا،

ہماری کتاب کا اصل موضوع شاعری ہے اسلیے سب سے پہلے ان رباعیون کی تنقید مین ہم کو شاعری کا پہلو پیش نظر رکھنا چاہیئے، اگر ان رباعیون مین کوئی فلسفہ نہین ہے کوئی اخلاقی تعلیم نہین ہے، کوئی دقیق نکتہ نہین ہے تو نہو، بحث صرف یہ ہے کہ شاعری اور شاعری کے ساتھ زبان کی خوبی اور صفائی ہے یا نہین؟ یعنی خیّام اگر حکیم نہوتا توکم از کم شاعر ہو سکتا تھا یا نہین؟

شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدت اور دلاویزی ہے، شاعر ایک معمولی بات کو لیتا ہے اور ایسے دلکشا اور ندرت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہے کہ سب وجد کرنے لگتے ہین، اسلوب بیان کی دلاویزی کے مختلف اسباب ہوتے ہین، کبھی صرف زبان کی بے تکلفی، روانی اور شستگی یہ کام دیتی ہے، کبھی عام طریقہ ادا کے بدل دینے سے یہ بات پیدا ہوتی ہے، کبھی شاعرانہ طرز استدلال سے، کبھی شوخی و ظرافت سے، کبھی استعارہ و تشبیہ کی ندرت سے، اور سچ یہ ہے کہ اسکی تمام ادائین متعین اور مشخص نہین ہو سکتین، سننے والے کو اتنا محسوس ہوتا ہے کہ کسی چیز نے دل مین چٹکی لے لی، کس نے،

کیون لی، یہ کچھ نہین معلوم۔

خوبی ہمین کرشمہ و نازِ خرام نیست	بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

خیّام کی رباعیان اگرچہ سیکڑون ہزارون ہین، لیکن سب کا قدرِ مشترک صرف چند مضامین ہین، دنیا کی بے ثباتی، خوشدلی کی ترغیب، شراب کی تعریف، مسئلہ جبر، توبہ استغفار ان مین سے ایک ایک مضمون کو وہ سو سو دفعہ کہتا ہے، لیکن ہر دفعہ اس طرح بدل کر کہتا ہے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز ہے۔

دنیا کی بے ثباتی اور اس سے عبرت کا مضمون نہایت پامال مضمون ہے لیکن خیّام ہر بار ایک ایسا نیا اسلوب ڈھونڈھ لاتا ہے کہ نیا اثر پیدا ہوتا ہے،

توبہ و استغفار بھی ایک فرسودہ مضمون ہے لیکن جس طرح خیام اسکو ادا کرتا ہے سننے والے کی آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہین، بعض جگہ رقت انگیز طریقہ کو چھوڑ کر استدلال کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اور وہ بظاہر ایسا قوی ہوتا ہے کہ گویا اسکا جواب نہین ہو سکتا، امثلۂ ذیل کو دیکھو،

جدتِ اسلوب

رباعی

بر سینۂ غم پذیرِ من رحمت کن	بر جان و دلِ اسیرِ من رحمت کن
بر پاے خرابات روِ من بخشاے	بر دستِ پیالہ گیرِ من رحمت کن

مغفرت کی دعا مانگتا ہے لیکن اپنے لیے نہین بلکہ دوسرون یعنی ہات اور پانو کے لیے دگو وہ اسی کے ہات پاؤن ہین) اس طریقہ سے دعا کا اثر بڑھتا ہے، کیونکہ اپنے

لیے دعا مانگنا پھر بھی ایک قسم کی ذاتی غرض ہے، اسکے ساتھ نکتہ یہ ہے کہ اعضا کی برأت آسانی سے ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انکا کیا قصور ہے، وہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہین کر سکتے،

ہات اور پاؤن کے مقابلہ مین صنعت طباق ہے اور اس سے بھی ایک لطف پیدا ہو گیا ہے،

در ملکِ تو از طاعت ما ہیچ فزود؟		وز معصیتے کہ ہست نقصانے بود؟	
بگزار و مگیر زان کہ معلوم شد		گیرندہ دیری و گزارندہ زود	

خدا سے خطاب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا اگر مین نے اطاعت کی تو کیا تیری سلطنت کو کچھ ترقی ہو گئی؟ اور اگر گناہ کیا تو کیا کچھ تیرا نقصان ہو گیا، اے خدا! مجھکو چھوڑ دے اور گرفت نہ کر مجھکو معلوم ہو گیا ہے کہ تو دیر کے بعد پکڑتا ہے اور جلد چھوڑ دیتا ہے۔

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجا است		تاریک دلم نور صفائی تو کجا است
ما را تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی		آن بیع بود لطف و عطای تو کجا است

کس شاعرانہ انداز سے مغفرت کرنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے، کہتا ہے کہ اے خدا اگر تو بہشت طاعت کے معاوضہ مین دیگا تو یہ تو خرید و فروخت ٹھہری (جو سوداگرونکا کام ہے نہ شاہون اور شہنشاہون کا) وہ لطف وہ عطا جسکے قصے سنا کرتے تھے وہ کہان ہے؟ یہی مضمون ہے جسکو شیخ سعدی نے گلستان مین ادا کیا ہے اور وہ گلستان کے خاص محاسن مین شمار کیا جاتا ہو" بدریوزہ گری آمدہ ام نہ بہ تجارت"

آنم کہ پدید گشتم از قدرت تو	صد سالہ شدم بناز و نعمت تو
صد سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد	تا جرم من است بیش یا رحمت تو

دیکھو کس ادا سے مغفرت چاہتا ہے، کہتا ہے کہ مین سیکڑون برس دانستہ گناہ کرونگا مجھکو یہ امتحان کرنا ہے کہ میرا جرم زیادہ ہے یا تیری رحمت، یعنی دیکھون ان دونون مین کون غالب آتا ہے،

فریاد کہ عمر رفت بیہودہ	ہم لقمہ حرام ہم نفس آلودہ،
فرمودۂ ناکردہ سیہ رُویم کرد	فریاد ز کردہاے نافرمودہ

فرائض کو فرمودۂ ناکردہ، اور گناہون کو کردہاے نافرمودہ سے تعبیر کیا ہی،

مشہور ہے کہ ایک دفعہ خیّام کی صراحی اسکے ہات سے چھوٹ کر گر پڑی اور ٹوٹ گئی اسپر اسنے رباعی لکھی،

ابریق می مرا شکستی ربّا	بر من در عیش را بہ بستی ربّا
بر خاک بریختی مے لعل مرا	خاکم بدہن کہ سخت مستی ربّا

کہتے ہین کہ اس گستاخی پر خدا نے اسکو سزا دی اور اُس کی گردن کج ہو گئی، اسپر اس نے برجستہ کہا،

ناکردہ گناہ در جہان کیست بگو	وان کس کہ گنہ نہ کرد چون زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی	پس فرق میان من و تو چیست بگو

یعنی مین نے بُرائی کی، اب تو اُس کی سزا بھی ویسی ہی بُری دیتا ہے، تو مجھ مین

اور تجھ مین کیا فرق رہ گیا،

طلب مغفرت کا مضمون اکثر شعرا نے باندھا ہے، نظامی کہتے ہین،

گناہ من ار نامدے در شمار	ترا نام کے بودے آمرزگار

اُردو کا ایک شاعر کہتا ہی۔

عوض نہ لے مرے جرم و گناہ بیحد کا	الٰہی تجکو غفور الرحیم کہتے ہین
کہین، کہین نہ عدو دیکھکر مجھے محتاج	یہ اُن کے بندے ہین جنکو کریم کہتے ہین

لیکن خیام کا طرز ادا اور استدلال سب سے اچھوتا ہے، وہ شاعرانہ استدلال سے سزا پانے کی حالت مین مجرم اور آقا کی مساوات ثابت کرتا ہے، اور پھر اُسکو جملہ خبریہ کے ذریعہ سے نہین بلکہ استفہام کے طریقہ سے ادا کرتا ہے، جو نہایت مؤثر اور لاجواب کر دینے والا ہوتا ہے۔

شوخی وظرافت — خیام باوجود حکیم ہونے کے نہایت شوخ اور ظریف الطبع تھا، اس لیے اکثر مضامین کو ظرافت اور شوخی کے پیرایہ مین ادا کرتا ہے مثلاً۔

اے چرخ ز گردش تو خرسند نیم	آزاد کنم کہ لائق بند نیم
گر میل تو با بے خرد و نااہل است	من نیز چنان اہل و خردمند نیم

ایشیا کا عام خیال ہے کہ آسمان ارباب خرد کو آرام اور چین نہین دیتا، خیام آسمان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ مین تیری چالون سے بہت تنگ آگیا ہون، اگر تو احمقون اور نااہلون ہی سے محبت رکھتا ہی تو مین بھی کچھ بہت اہل و عاقل نہین ہون۔

در مسجد اگر بہر نیاز آمدہ ام	باللہ کہ نہ از بہر نماز آمدہ ام
یکروز اینجا سجادۂ دُزدیدم	آن گم شدہ است ازان باز آمدہ ام
گویند کہ مے مخور کہ شعبان نہ روا است	نہ نیز رجب کہ آن مہ خاص خدا است
شعبان و رجب مہ خدا یند و رسولؐ	ما مے رمضان خوریم کان خاصۂ است

ایران مین اکثر مہینون کے خاص خاص لقب ہین، مثلاً شعبان کو رسولؐ کا مہینہ اور رجب کو خدا کا مہینہ کہتے ہین، خیّام کہتا ہے کہ لوگ ان مہینون مین شراب پینے سے منع کرتے ہین کہ یہ خدا ور رسولؐ کے مہینے ہین اور واقعی ان کی یہ ہدایت بجا ہے، اس بنا پر مین رمضان مین شراب پیتا ہون، کہ یہ خاص ہم لوگون کا مہینہ ہی۔

گویند کہ آن کسان کہ با پرہیز اند	زان سان کہ بمیرند بدان سان خیزند
ما با مے و معشوق از انیم مقیم	تا بو کہ بحشر آن چنان انگیزند

مشہور ہے کہ انسان جس حالت مین مرتا ہے اُسی حالت مین قیامت مین اُٹھیگا، خیّام کہتا ہے اسی لیے تو مین رات دن شراب اور معشوق کے ساتھ بسر کرتا ہون کہ قیامت مین بھی اسی حالت مین اُٹھون،

گویند کہ ماہ روزہ نزدیک رسید	من بعد بگرد بادہ نتوان گردید
در آخر شعبان بخورم چندان مے	کاندر رمضان مست بخپسم تا عید

ایران مین جتنے شراب خوار ہین رمضان مین شراب خواری چھوڑ دیتے ہین خیّام کہتا ہے کہ مین شعبان کے اخیر مین اتنی پیکر سو ونگا، کہ عید کے بعد نشہ اُترے، قاآنی نے

اسی مضمون کو نیچرل بنا دیا ہے،

مے خوردن این ماہ روا نیست ولیکن
مستانہ توان خورد بہ شب یکدو سہ ساغر

یا خوردبدان گونہ ببایدکہ ز مستی
تا شام دگر بر نتوان خاست ز بستر

لیکن ایک اور شاعر نے سب سے لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے، ایک غزل مین جس کی ردیف "نمی دانستم" ہے کہتا ہے

قُرب یک ماہ بہ میخانہ اقامت کردم
اتفاقاً رمضان بود نمی دانستم

ہر گہ کہ طلوع صبح ازرق باشد
باید کہ بکف جام مروّق باشد

گویند بہ افواہ کہ مے تلخ بود
شاید کہ بہر حال کہ مے حق باشد

عربی کا فقرہ ہے الحقّ مُرّ یعنی حق بات تلخ ہوتی ہے خیام کہتا ہے کہ شراب کا مزا تلخ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب حق ہے، مرزا غالب نے اسی سے ایک اور مضمون پیدا کیا ہے۔

گفتہ کہ بہ تلخی بساز و پند پذیر
برو کہ بادۂ ما تلخ تر ازین پند است

یعنی تم یہی ہدایت کرتے ہو نہ کہ انسان کو تلخی گوارا کرنی چاہیے اور نصیحت سننی چاہیے تو ہماری شراب تمہاری نصیحت سے زیادہ تلخ ہے، ہمکو دوسری تلخی کی کیا ضرورت ہی،

دستِ چو منے کہ جام و ساغر گیرد
حیف است کہ آن دفتر و منبر گیرد

تو زاہد خشکی و منم فاسق تر
آتش نشنیدہ کہ در تر گیرد

من در رمضان روزہ اگر میخوردم
تا ظن نبری کہ بے خبر میخوردم

از محنت روزہ روز من چون شب شد — پنداشتہ بودم کہ سحر مخمور دم
طبعم بہ نماز و روزہ چون مائل شد — گفتم کہ مرادِ کلیم حاصل شد
افسوس کہ این وضو بباد نشکست — وان روزہ بہ نیم جرعۂ باطل شد

اس مین ظرافت کے ساتھ اس بات کا بھی اشارہ ہے، کہ جو لوگ ظاہری نماز روزہ ادا کرتے ہین، اُن کی عبادت کی ہستی بس اسی قدر ہے،

گویند کہ فردوس برین خواہد بود — آن جائے ناب و حور عین خواہد بود
گر ما می و معشوق گزیدیم چہ باک — چون عاقبت کار چنین خواہد بود

جو لوگ اس بات کے قایل ہین کہ بہشت مین بھی جسمانی آرام و عیش ہوگا اور شراب اور حورین ملینگی، ظریفانہ پیرایہ مین انکار کرتا ہے کہ اگر وہان بھی یہی سب ہوگا تو اگر ہم نے دنیا ہی مین ان چیزون کو ہمیشگی اختیار کر لیا تو کیا بُرا کیا،

زاہد گوید بہشت با حور خوش است — من میگویم شراب انگور خوش است
این نقد بگیر و دست ازان نسیہ بدار — آوازۂ دُہل شنیدن از دور خوش است
یارا (اور ہار ۱۲) گویند دوزخی باشد مست — قولی است خلاف دل درو نتوان بست
گر عاشق و مست دوزخی خواہد بود — فردا بینی بہشت را چون کف دست

یعنی اگر یہ صحیح ہے کہ عاشق اور مست بہشت مین نہ جانے پائین گے تو دیکھ لینا بہشت چٹیل میدان کی طرح خالی پڑی ہو گی، یعنی عشق اور مستی لازمۂ انسانی ہے اس سے کون شخص خالی ہو سکتا ہے،

گویند بہشت و حور و کوثر باشد — جوے مے و شہد و شیر و شکر باشد
یک جام بدہ ز بادہ ام اے ساقی — نقدے ز ہزار نسیہ بہتر باشد

از ہرچہ خورد مرد شراب اولے تر — با سبز خطان بادۂ ناب اولے تر
عالم ہمہ سر بسر رباطی ست خراب — در جائے خراب ہم خراب اولے تر

دایم خریدار مئی کہنہ و نو — وانگاہ فروشندۂ عالم بہ دو جو
گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہم رفت — مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو

آن بادۂ خوشگوار بر دستم نہ — آن ساغر چون نگار بر دستم نہ
آن مے کہ چو زنجیر بہ پیچد بر خود — دیوانہ شدم بیار بر دستم نہ

نہ لائق مسجدم نہ در خور کنشت — ایزد داند گل مرا از چہ سرشت
نہ دین و دنیا و نہ امید بہشت — چون کافر درویشم و چون قحبہ زشت

دین و دنیا دونون سے محروم ہونے کی اس سے اچھی کوئی تمثیل نہین ملسکتی، کافر فقیر اور بد صورت قحبہ، یہ دونون دین و دنیا کسی سے بہرہ یاب نہین،

دنیا کی بے ثباتی اور عبرت انگیزی

دنیا کی بے ثباتی اور عبرت زا ہونا بزرگ پایہ شعرا کا سب سے بڑا موضوع ہے، سعدی، حافظ، ابن یمین، ناصر خسرو، سحابی نجفی، کی تمام کائنات یہی ہے، اس مضمون کی ابتدا، درحقیقت خیام نے کی اور اس درجہ تک اسکو پہنچا دیا، کہ سعدی اور حافظ جیسے بلند پایہ شاعر گویا اسی کی سکھائی ہوئی چالین چلتے ہین، نصیحت سے قطع نظر خیام کی زور شاعری کا بھی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے اس نے

سو سو دفعہ اس مضمون کو باندھا ہے، لیکن قوت تخئیل سے ہر دفعہ ایک نیا پیرایہ پیدا کر دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور خنجر ہے جو دل پر چرکے لگا رہا ہے۔

خاکے کہ بزیر پائے ہر حیوانی است	زلف صنمی و عارض جانانی است
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے است	انگشت وزیرے و سر سلطانی است

شیخ سعدی نے اس مضمون کے لیے فرضی حکایتیں لکھی ہیں، مثلاً کہتے ہیں،

شنیدم کہ یک بار در دجلۂ	سخن گفت با عابدے کلّۂ
کہ من فر فرماندہی داشتم	بسر بر کلاہ مہی داشتم الخ

ایک اور شعر میں نہایت دردانگیز طریقہ سے اسکو ادا کیا ہی،

زدم تیشہ یک روز بر تل خاک	بگوشش آمدم نالۂ دردناک
کہ زنہار اگر مردے آہستہ تر	کہ چشم و بنا گوش و روی است و سر

یعنی میں نے ایکدن مٹی کے ایک تودے پر پھاوڑا مارا، میرے کان میں یہ دردناک آواز آئی کہ میان ذرا آہستہ، یہاں آنکھیں ہیں، کان ہیں، چہرہ ہے، سر ہے (انکو چوٹ نہ لگ جائے) لیکن سعدی کی یہ تمام نقش آرائیاں، خیّام ہی کے مرقع کا عکس ہیں، ملاحظہ ہو

دی کوزہ گرے بدیدم اندر بازار	بر تازہ گلے لگد ہمی زد بسیار
وان گل بزبان حال باوی گفت	من ہمچو تو بودہ ام مرا نیکو دار

سعدی کے شعر میں اگرچہ "آہستہ تر" اور اعضا کے مفرد ناموں نے ایک خاص اثر پیدا کیا ہے لیکن طلب رحم کی علت خیّام کے ہاں زیادہ قوی ہے، یعنی یہ کہ میں بھی تمہاری

اسی طرح تمھارے لیے مجھ سے یہ سلوک نہ کرو اس سے بھی زیادہ مؤثر طریقہ مین اسی مضمون کو ادا کیا ہے

پیش از من و تو لیل و نہارے بودہ است ؎ گردندہ فلک برائے کارے بودہ است
زنہار قدم بخاک آہستہ نہہ ؎ کین مردمک چشم نگارے بودہ است

اسی مضمون کے اور پیرائے دیکھو،

این کہنہ رباط را کہ عالم نام است ؎ آرامگہ ابلق صبح و شام است
بزمے است کہ واماندۂ صد جمشید است ؎ قصرے است کہ تکیہ گاہ صد بہرام است

خوش باش کہ غصہ بیکران خواہد بود ؎ بر چرخ قران اختران خواہد بود
خشتے کہ ز قالب تو خواہند زدن ؎ ایوان و سرائے دیگران خواہد بود

اے کوزہ گر آب نوش اگر ہشیاری ؎ تا چند کنی بر گل آدم خواری
انگشت فریدون و کف کیخسرو ؎ بر چرخ نہادہ چہ می پنداری

یعنی اے کمہار کچھ جانتا ہے تو نے چاک پر کیا چڑھا رکھا ہے، فریدون کی انگلی اور کیخسرو کی ہتیلی

جامے است کہ عقل آفرین میزندش ؎ صد بوسہ ز مہر بر زمین میزندش
وین کوزہ گر دہر چنین جام لطیف ؎ می سازد و باز بر زمین میزندش

بر سنگ زدم دوش سبوی کاشی[لے] ؎ سرخوش بودم کہ کردم این اوباشی
با من بزبان حال می گفت سبو ؎ من چون تو بدم تو نیز چون من باشی

لے یعنی شہر کاشی کا بنا ہوا گھڑا،

این کوزہ چو من عاشق زاری بودہ است	واندر طلب روئے نگارے بودہ است
این دست کہ بر گردنِ او می بینی	دستے است کہ در گردنِ یارے بودہ است

خمریات جس طرح عربی زبان مین ابو نواس شراب کا جاندادہ ہے، فارسی مین خیّام دور جام کا ستم زندہ ہے، وہ جس شغف، جس شوق، جس بیخودی، جس بے اختیاری جوش سے شراب کا نام لیتا ہے، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت شراب پیتا تھا، اور یہی ظاہری شراب پیتا تھا افسوس ہے کہ وہ فلسفی اور حکیم تھا، صوفی نہ تھا ورنہ حافظ کی طرح یہی شراب شراب معرفت بنجاتی۔

خیّام کا آدھا کلام شراب ہی کے ذکر مین ہے، اکثر مضامین اور خیالات جو اُسنے شراب کے متعلق ظاہر کیے ہین، خواجہ حافظ نے اُن ہی کو لیکر زیادہ شوخ کر دیا ہے، تاہم کہین کہین جو بدمستی اور بیخودی اسکے کلام مین پائی جاتی ہے، خواجہ حافظ اب بھی، اس حد تک نہین پہنچے،

من بے مے ناب زیستن نتوانم	بے جام کشیدہ بار تن نتوانم
من بندۂ آن دم کہ ساقی گوید	یک جام دگر بگیر، و من نتوانم
مایم خریدار مے کہنہ و نو	وانگاہ فروشندۂ عالم بدو جو
گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہم رفت	مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو

اس سرمستی اور بے اعتنائی کو دیکھو، ایک شخص مذہبی خیالات مین ڈوبا ہوا، قیامت کے حالات کا متجسس ہی، خیّام کے پاس آتا ہے اور نہایت تردد اور تفحص کے لہجہ مین پوچھتا ہے

کہ مرنے کے بعد کہان جاتا ہوگا؟ وہ کس بے تکلفی سے جواب دیتا ہے کہ میان شراب لاکر میرے سامنے رکھدو اور جہان جی چاہے جاؤ (مجکو کیا غرض)

باین ہمہ زیادہ تحقیق وتلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ خیّام اگر شراب پیتا بھی تھا تو رندانہ نہین بلکہ حکیمانہ پیتا تھا، اگرچہ شرعًا یہ بھی ممنوع اور حرام ہے، خیام کہتا ہے کہ شراب پینے مین ان باتون کا لحاظ شرط ہے، کس کو پینی چاہیے؟ کتنی پینی چاہیے؟ کن لوگونکی صحبت مین پینی چاہیے؟ ان شرطون کا لحاظ رکھا جائے، تو ثابت ہوگا کہ عقلمند کے سوا اور کوئی شراب پی نہین سکتا، اس لیے کہ عقلمند ہی ان شرائط کا لحاظ رکھ سکتا ہے

مے گرچہ حرام است ولے تاکہ خورد؟	آنگاہ چہ مقدار؟ ودگر باکہ خورد؟
ہرگاہ کہ این چہار شرط آید جمع	پس مے نخورد مردم داناکہ خورد

پھر صاف صاف بتاتا ہے کہ کس طرح پینی چاہیے،

کم کم خور، وگہ گہ خور، وتنہا مے خور

چون ہشیارم، طرب ز من پنہان است	ور مست شوم، در خردم نقصان است
حالے ہست میانِ مستی وہشیاری	من بندۂ آنکہ زندگانی آن است

یعنی شراب کی نہ وہ حالت پسندیدہ ہے، جب انسان مست ہوجائے، نہ یہ کہ مطلق اثر نہ پڑے مستی اور ہشیاری کے بیچ مین ایک حالت ہے اور مین اسی کا غلام ہون

چون بادہ خوری زعقل بیگانہ مشو	مدہوش مباش، وجہل را خانہ مشو
خواہی کہ مے لعل حلالت باشد	آزار کسے مجو، ودیوانہ مشو

گر بادہ نمی خورم نشان خامی است ۔۔۔ ور نیز مدام میخورم بدنامی است
ے شاہ و حکیم و رند باید کہ خورد ۔۔۔ ور زین سہ نہ ای مخور کہ دشمن کامی است

اگرچہ اس مین شبہ نہین کہ شراب پینی گو اعتدال ہی کے ساتھ کیون نہو، ہر حال مین حرام ہے اور جو شخص جواز کا فتوی دیتا ہے، سخت اخلاقی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، لیکن اگر تمھارے سامنے دو شخص آئین ایک نیک طینت، بے ریا، سچا، دیانت دار ہے لیکن شراب پیتا ہے، دوسرا شراب نہین پیتا نماز روزہ بھی ادا کرتا ہے، لیکن رات دن تکفیر، بدگوئی اور غیبت مین مصروف رہتا ہے، وقف کے مال پر شرعی حیلون سے تصرف کرتا ہے، احکام شرعیہ کو اپنی خواہش کے موافق ڈھالتا رہتا ہے، تو تم ان دونون مین سے کس کو پسند کروگے؟ غور کرو، جو لوگ شراب نہین پیتے وہ شراب سے زیادہ گناہ کس بیباکی سے کرتے ہین، خیّام ان لوگون کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

تو فخر ہمی کنی کہ مے می نخوری ۔۔۔ صد کار کنی کہ مے غلام است او را

خواجہ حافظ نے اسی نکتہ کو نہایت بلیغ پیرایہ مین ادا کیا ہے،

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوے داد ۔۔۔ کہ مے حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

فلسفہ فلسفہ کیا چیز ہے؟ "حقائق اشیا کا ادراک"، ہمارے گردوپیش جو کچھ نظر آتا ہے اُن پر جب ہم نظر ڈالتے ہین، تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیا چیزین ہین؟ کیونکر وجود مین آئین، کس چیز سے حاصل ہوئین؟ مفرد ہین یا مرکب، انکے ذاتیات کیا ہین؟ خواص کیا ہین؟ لوازم کیا ہین؟ پھر ہم چند چیزون کو ساتھ ساتھ یا آگے

پیچھے وجود مین آتا دیکھتے ہین اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان مین کوئی باہم خاص تعلق ہے؟ یا اتفاقیہ انکا ساتھ ہوگیا ہے؟ تعلق ہے تو کس قسم کا ہے؟ کیا نوعیت ہے؟ کیون ہے؟ غرض یہ اور اس قسم کے جتنے سوالات ہین فلسفہ کا مایہ خمیر ہین، اور ان کا جواب دینا فلسفہ کا فرض ہے، لیکن ان سب سوالون سے مقدم یہ سوال ہے کہ کیا ہم اشیاء کی حقیقت کو جان سکتے ہین؟ عموماً تمام حکما اسکا جواب اثبات کی صورت مین دیتے ہین لیکن ہر زمانہ مین ایسے حکما بھی ہوتے آئے ہین، اور اب بھی ہین، جن کی رائے ہی کہ کسی چیز کی حقیقت معلوم نہین ہو سکتی، ہربرٹ اسپنسر نے تمام اشیا کی دو قسمین کی ہین، وہ چیزین جو فوق الادراک ہین، اور انسان کے دائرہ علم مین نہین آسکتین، وہ چیزین جو تحت ادراک ہین، پہلی قسم پر اسنے ایک خاص رسالہ لکھا ہے اور بتا دیا ہی کہ انکے متعلق کسی قسم کی تحقیقات کی کوشش نہین کرنی چاہیے، شاپن ہور (جرمن کا فلسفی) سرے سے انکار کرتا ہے، یعنی کسی چیز کی حقیقت معلوم نہین ہو سکتی، خیام کا بھی یہی مذہب ہے، غور کرو، اور خوب غور کرو، جن چیزون کی نسبت ہمکو یقین ہے کہ ہم جانتے ہین، انکو بھی ہم کیا جانتے ہین، سب سے زیادہ محسوس، بدیہی، اور نمایان مادہ یا جسم ہے، لیکن غور سے دیکھو مادہ کو ہم کس حد تک جانتے ہین، ہم مادہ کے چند خواص جانتے ہین ہم جانتے ہین، کہ مادہ تحلیل ہوتے ہوتے، ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا تک منتہی ہوتا ہے، جو پھر تحلیل نہین ہو سکتے اور ان کو اجزاے دیمقراطیسی، کہتے ہین، ان اجزا مین حرکت، وزن، کشش اتصالی، کشش ثقل اور چند خواص پائے جاتے

ہین، لیکن یہ اجزا کے خواص اور اعراض ہین، اُنکی اصلی حقیقت کیا ہے؟ کیونکر وجود مین آئے کہان سے آئے؟ یہ چیزین بالکل غیر معلوم ہین، اس سے بھی زیادہ صاف مثال مین سمجھو، ہمنے ایک سیب ہات مین لیا ہم سمجھتے ہین کہ ہم اسکو جانتے ہین، اور بداہۃً جانتے ہین، لیکن غور کرو، ہم کیا جانتے ہین، ہم دیکھتے ہین کہ وہ ایک خاص مقدار رکھتا ہے اسمین خوشبو ہے، رنگ ہے، مزہ ہے، لیکن ساخت، خوشبو، رنگ، مزہ یہ سب تو اوصاف ہین جنکو قدیم فلسفہ کی زبان مین **عرض** کہتے ہین، ان مین سے کوئی چیز جوہر قایم بالذات نہین، حالانکہ سیب قائم بالذات چیز ہے، اسلیے ہمکو سیب کی اصلی حقیقت کچھ بھی نہین معلوم ہوئی۔

علت و معلول کا سلسلہ جو ہم کسی چیز مین قائم کرتے ہین جسقدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے یہ سلسلہ ناقابل اعتبار ثابت ہوتا جاتا ہے، اور پھر اصلی علت کا پتہ نہین لگتا، اوپر سے جو چیز گرتی ہے زمین پر آتی ہے، یونانی حکما کی تحقیقات کے مطابق اسکی وجہ یہ تھی کہ ان چیزون کا مرکز زمین ہے اور ہر چیز مرکز کی طرف کھنچتی ہے، لیکن نیوٹن نے اسکی غلطی ثابت کی اور بتایا کہ تمام اجسام مین جذب کی خاصیت ہے، اور چونکہ زمین بڑا جسم ہے اسلیے وہ اپنے سے چھوٹے تمام اجسام کو اپنی طرف جذب کرتا ہے لیکن اس سے اصل مسئلہ کیا حل ہوا، اسقدر بے شبہ معلوم ہوا کہ اوپر سے گرنے کی علت تجاذب اجسام ہے، لیکن تجاذب اجسام کی کیا علت ہے، یعنی اجسام مین جذب کی خاصیت کیون ہے؟ یہ مسئلہ اب بھی اسی طرح لاینحل ہے، غرض اسی طرح،

درمیانی باتین معلوم ہوتی ہین، لیکن اوپر چلکر پھر وہی لاعلمی پیش آتی ہے، ایک راز کھلتا ہے تو دوسرا راز پیدا ہوتا ہے، ایک گرہ کھُلتی ہے، تو دوسری گرہین پڑجاتی ہین،

طلعنی سِرّ حقیقت نتوانست کشود   گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

اسی بنا پر دقیق النظر حکمار کا یہی مذہب ہے، کہ "ہمکو کچھ معلوم نہین"، سقراط نے تمام عمر کی تحقیقات کے بعد یہی کہا، "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد"، **خیّام** کا بھی یہی مذہب ہی، خیّام نے اس راے کو نہایت صراحت اور نہایت کثرت سے بیان کیا ہی،

کس مشکل اسرارِ فلک را نکشاد   کس یک قدم از نہاد بیرون ننہاد
چون بنگرم از مبتدی تا اُستاد   عجز است بدست ہر کہ از مادر زاد

آنہا کہ محیط فضل و آداب شدند   در کشف دقیقہ شمع اصحاب شدند
رہ زین شب تاریک نبردند برون   گفتند فسانۂ و در خواب شدند

آنہا کہ جہان زیر قدم فرسودند   واندر طلبش ہر دو جہان پیمودند
آگاہ نمی شوم کہ ایشان ہرگز   زین حال چنان کہ ہست آگہ بودند

جمعے متفکر اند در مذہب و دین   جمعے متحیر اند در شک و یقین
ناگاہ منادے بر آید ز کمین   کاے بیخبران راہ نہ آنست و نہ این

افسوس کہ سرمایہ ز کف بیرون شد   در دست اجل بسے جگر ہا خون شد
کس نامد ازان جہان کہ تا پرسم ازو   کاحوال مسافران عالم چون شد

ہر چند کہ رنگ و بوی زیباست مرا   چون لالہ رخ و چو سرو بالاست مرا

معلوم نہ شد کہ در طرب خانۂ خاک	نقاش من از بہر چہ آراست مرا
کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد	وز سر خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد
ہر کس ز قیاس خویش چیزے گفتند	معلوم نہ گشت وقصہ کوتاہ نہ شد
دل سر حیات را کماہی دانست	در موت ہم اسرار الٰہی دانست
امروز کہ باخودی ندانستی ہیچ	فردا کہ زخود روی چہ خواہی دانست

تمکو خیال ہوگا کہ اگر لاعلمی ہی خیام کا فلسفہ ہے، تو جتنے جاہل ہین سب فلسفی ہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، سقراط سے لوگون نے کہا کہ جب تم بھی کچھ نہین جانتے، اور ہم بھی نہین جانتے تو ہم مین تم مین کیا فرق ہے، اُسنے کہا صرف یہ کہ مین یہ جانتا ہون کہ مین نہین جانتا اور تم یہ بھی نہین جانتے کہ "تم نہین جانتے"،

علم عموماً دو قسم کا ہوتا ہے، عالمانہ اور جاہلانہ، زمین، آفتاب، ماہتاب، ان سب چیزون کو ایک گنوار بھی جانتا ہے، لیکن جاہلانہ جانتا ہے، ایک کسان بھی جانتا ہی کہ ایک زمین مین ایک وقت دو اناج پیدا نہین ہو سکتے، اسی کو علم نباتات کا ایک عالم بھی جانتا ہے لیکن دونون کے جاننے مین کسقدر فرق ہے، لاعلمی کا بھی یہی حال ہے، ایک فلسفی بھی جانتا ہے کہ وہ خدا کی حقیقت کو نہین جان سکتا ایک جاہل بھی اسکا اقرار کرتا ہے، لیکن دونون مین کس قدر فرق ہے،

خیام کو اس لاعلمی پر ناز ہے، اور کہتا ہے کہ ہر شخص اس لاعلمی کے رتبہ تک نہین پہنچ سکتا۔

تو بے خبری بے خبری کار تو نیست — ہر بے خبرے رانرسد بے خبری

اِسی کو ایک اور شاعر نے شاعرانہ انداز مین ادا کیا ہے،

تابجائے رسیدہ دانش من — کہ بدانم ہمے کہ نادانم،

یعنی میرا علم اب اِس درجہ پہنچ گیا ہے کہ یہ جانتا ہون، کہ مین نہین جانتا،

ایک اور موقع پر خیام کس ادعا سے کہتا ہے،

رندے دیدم نشستہ بر ہنگ زمین	نہ کفر نہ اسلام نہ دنیا و نہ دین
نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت، نہ یقین	اندر دو جہان کرا بود زہرۂ این

لاعلمی کا فلسفہ صحیح ہو یا نہو لیکن دیکھو اسکا اثر کیا ہی،

ہر قسم کی تحقیقات، انکشافات، جدید اطلاعات، کا سرچشمہ، یہی لاعلمی کا فلسفہ ہی اگر ہمکو یقین ہو جائے کہ ہم سب کچھ جانتے ہین، یا جس چیز کو جانتے ہین، اُسکی تہ تک پہنچ گئے ہین تو علمی تجسس کے لیے کیا رہ جاتا ہے؟ آیندہ ہمکو کیون تلاش ہو گی، ہم کیون جد و جہد مین مصروف ہونگے؟ لاعلمی کا فلسفہ ہمارا شمع راہ ہے، وہ ہمکو ہر قدم پر آگے بڑھاتا ہے ہم جس قدر جانتے جاتے ہین اُسکو نہ جاننا کہتے ہین اور آگے بڑھتے ہین، خیام گو یہ فلسفہ سکھاتا ہے کہ تمکو کچھ معلوم نہین، لیکن معلوم کرنے کی خواہش کی ترغیب دلاتا ہے،

گر از پے شہوت و ہوا خواہی رفت	از من خبرت کہ بے نوا خواہی رفت
بنگر چہ کسی؟ و از کجا آمدۂ؟	می دان کہ چہ میکنی؟ بکجا خواہی رفت

تم کون ہو؟ کہان سے آئے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ کہان جاؤگے؟ خیام ان سوالون کی تحقیقات کرنے کی تلقین کرتا ہے، انسے بڑھکر فلسفہ کے اور کیا مسائل ہو سکتے ہین،

ایک اور نکتہ نہایت غور کے قابل ہے، اسلامی بیشمار فرقون کو دیکھو، انکے باہمی مسائل مختلفہ کیا ہین؟ خدا فاعل بالایجاد ہے یا بالارادہ؟ خدا کے صفات عین ذات ہین یا خارج؟ قدیم ہین یا حادث؟ خدا کا کلام نفسی ہے یا لفظی؟ یہ مسائل کسقدر فوق الادراک ہین، جب خدا کی حقیقت ہی معلوم نہین تو یہ کیا معلوم کہ اُسکی اوصاف کیا ہین، باایں ہمہ ہر فرقہ کو قطعی یقین ہے کہ اسکو جو کچھ معلوم ہے قطعی ہے اور اسقدر قطعی ہے کہ جو شخص اسکے خلاف کہتا ہے وہ گمراہ ہے، جاہل ہے، کور باطن ہے، مرتد ہے، کافر ہے، ملعون ہے، معتزلہ، قدریہ، اشعریہ، حنابلہ، شیعہ، سُنی، سب ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ کہتے ہین، یہانتک کہ جنگ و جدل تک نوبت پہنچتی ہے اور بغداد کے گلی کوچے، مسلمانون کے خون سے رنگین نظر آتے ہین.

اگر ان بزرگون کا خیام کے فلسفہ پر عمل ہوتا یعنی یہ کہ یہ مسائل فوق الادراک ہین ہم جسقدر جانتے ہین، نہ جاننے کے برابر ہے، مذہبی حیثیت سے ہمارا اسی قدر فرض ہو کہ اجمالی ایمان لائین یعنی یہ کہ خدا ہے، جانتا ہے، دیکھتا ہے، سُنتا ہے، بولتا ہے، باقی یہ تدقیقات کہ ان اوصاف کی حقیقت کیا ہے، اس کی ہم کو شارع نے تکلیف نہین دی. تو آج بارہ سو برس سے مسلمانون کے فرقون مین جو نزاعین

جنگ و جدل، معرکہ آرائیان، اور خون ریزیان ہوتی رہین کیون ہوتین،

ہاتف شیرازی نے کیا خوب کہا ہی،

یکے از کفر می لافد دگر طامات می بافد	بیا کاین داوریہا را بہ پیش دوراندازیم

جبر | یعنی انسان کا مجبور ہونا، جبر ایک نہایت دقیق مسئلہ ہے اور گو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے کوئی مفر نہین، قدریہ کا تمامتر زور یہ استدلال ارادہ پر ہے یعنی یہ کہ انسان کا ارادہ اُسکے اختیار مین ہے، اسلیے انسان مختار ہے لیکن زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا ارادہ بھی اُسکی اختیاری چیز نہین، ارادہ کے جب تمام اسباب جمع ہو جائین گے ارادہ خواہ مخواہ پیدا ہو گا، اُسکا روکنا یا نہ پیدا ہونے دینا انسان کے اختیار مین نہین،

عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ جبر کے نام سے بھاگتے ہین، اور جبریہ کو کافر بتاتے ہین خود جبریہ ہین، لیکن مونھ سے اقرار نہین کرتے، **اشاعرہ** جبر کے قائل نہین بلکہ کہتے ہین کہ "انسان کو اپنے افعال پر قدرت ہے"، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہین کہ "یہ قدرت مطلقاً کچھ اثر نہین رکھتی"، تو پھر ایسی قدرت سے کیا فائدہ؟ اسی بنا پر مسلّم الثبوت مین لکھا ہے کہ "اشاعرہ کا کسب اور جبریہ کا جبر دونون توام بھائی ہین"، بہر حال ہم اس بحث کا فیصلہ نہین کرتے جبر صحیح ہو یا غلط خیام جبر کا قائل اور معتقد تھا۔

ایزد چو نہ خواست انچہ من خواستہ ام	کے گردد راست انچہ من خواستہ ام
گر ہست صواب انچہ او خواستہ است	پس جملہ خطا است انچہ من خواستہ ام

نقشے است کہ بر وجود ما ریختہ — صد بوالعجبی زما برانگیختہ
من زان بہ ازین نمی توانم بودن — کز بوتہ چنین مرا فرو ریختہ

از آب و گِلم سرشتہ من چہ کنم — وین پشم قصب تو رشتہ من چہ کنم
ہر نیک و بدی کہ از من آید بوجود — تو بر سرِ من نوشتہ من چہ کنم

سازندۂ کار مردہ و زندہ توئی — دارندۂ این چرخ پراگندہ توئی
من گرچہ بدم صاحب این بندہ توئی — کس را چہ گنہ چو آفرنیندہ توئی

انہین خیالات کو خواجہ حافظ نے عجیب عجیب پیرایون مین ادا کیا ہے،

بروائے زاہد، و دعوت نکنم سوئے بہشت — کہ خدا در ازل از بہر بہشتم نہ سرشت

فلسفۂ زندگی

خیام کا فلسفۂ زندگی، بظاہر اپیکورس کی آواز بازگشت ہے، یعنی یہ گزشتہ اور آیندہ سے کچھ بحث نہین، جو کچھ ہے حال ہے، اس مین کھاؤ، پیو، خوش رہو، وگر ہیچ مصرع عمر چنان نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند،

در وقت بہار اگر بتے حور سرشت — پرے قدحے دہد، مرا بر لب کشت
گرچہ بر ہر کس این سخن باشد زشت — سگ بہ ز من، ار دگر برم نام بہشت

یک شیشہ شراب و لب یار و لب کشت — این جملہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت
قومے بہ بہشت و دوزخ اندر گروند — کہ رفت بہ دوزخ؟ و کہ آمد؟ ز بہشت

روزے کہ گزشتہ است ازو یاد مکن — فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
بر نامدہ و گزشتہ بنیاد مکن — حالے خوش باش و عمر بر باد مکن

وز درس علوم جمله بگریزی به
واندر سر زلف دلبر آویزی به
زان پیش که روزگار خونت ریزد
تو خون پیاله در قدح ریزی به

زان پیش که بر سرت شبیخون آرند
فرمائی که تا بادهٔ گلگون آرند
تو زر نهٔ اے غافل نادان که ترا
در بوته نهند و باز بیرون آرند

این عقل که در ره سعادت پوید
روزے صد بار خود ترا می گوید
دریاب تو این یکدمه فرصت که نهٔ
آن تره که بدروی و آخر روید

دریاب که از روح جدا خواهی رفت
در پردهٔ اسرار فنا خواهی رفت
مے نوش ندانی از کجا آمدهٔ
خوش باش ندانی که کجا خواهی رفت

مائیم خریدار مے کهنه و نو
وانگاه فروشندهٔ عالم بدو جو
گفتی که پس از مرگ کجا خواهی رفت
مے پیش من آر و هر کجا خواهی رو

یہ فلسفہ کہ انسان نیکی بدی کا کچھ خیال نہ رکھے، جو جی مین آئے کرے مزے اُڑائے بظاہر نہایت خطرناک ہے، لیکن خیام سے ایسے خطرناک فلسفہ کی توقع نہین ہو سکتی، اُسنے بہت سی رباعیون مین معاد، اور جزا و سزا کا اقرار کیا ہی اور نکوکاری اور برائیون سے بچنے کی ہدایت کی ہے،

ایشیائی سلطنتون مین، جاہ و مال کے حاصل کرنے مین جن ذلیل، کمینہ، ناجائز اور ناپاک ذریعون سے کام لینا پڑتا ہے، اسکا اندازہ ہمارے ملک مین نہین ہو سکتا، کم سے کم اسکے لیے کسی ہندوستانی ریاست کا سفر اختیار کرنا چاہیے خیام

کے سامنے زندگی کا جو نمونہ موجود تھا وہ یہی تھا کہ ارباب دنیا رات دن جوڑ توڑ، سازش، حیلہ انگیزی، نفاق، خوشامد، تگ ودو اور ناجائز کوششون مین مصروف رہتے تھے، پھر ان سب مصیبتون سے جو چیز حاصل کرتے تھے وہ کس قدر ناقابل اعتبار اور سریع الزوال ہوتی تھی، آج ایک شخص وزیر اعظم ہے، کل در بدر مارا پھرتا ہے، کل تک ایک شخص تاج وتخت کا مالک تھا، آج مسجد کے دروازہ پر گداگری کر رہا ہے، برامکہ نے ابھی تمام عالم کو چھا لیا ہے، ابھی خاندان کا خاندان برباد ہوکر نام نشان تک مٹ گیا، ابوالفضل کل تک ندیم خاص تھا آج دربار مین اسکا سر کٹ کر آرہا ہے،

ان حالات کو دیکھ کر بے شبہ ایک فلسفی گھبرا اُٹھے گا اور کہے گا کہ دنیا ناقابل اعتبار ہے، جاہ ومنصب کوئی چیز نہین، خود زندگی کسقدر ہیچ ہے، **فریدون** کی خاک سے کمہار کے برتن بنتے ہین، **جمشید** کا کالبد خشت سازی کے کام مین آتا ہے، اسلیے تگ ودو، اور تردد وفکر بیکار ہے، تھوڑی سی زندگی ہو، اسکو قناعت، خاموشی، سکون، اور اطمینان کے ساتھ گزار دو، کھاؤ، پیو، خوش رہو، اور خوشی خوشی دنیا سے چلے جاؤ،

خیّام اس بات سے واقف ہے کہ اس قسم کے قانع شخص کو عام لوگ ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہین، لیکن، وہ اسپر تعجب کرتا ہے،

این جمع اکابر کہ مناصب دارند	از غصۂ وغم زجانِ خود بیزارند
وانکس کہ اسیر حرص چون ایشان نیست	این طرفہ کہ آدمیش می نشمارند

نہایت خوبی سے وہ قناعت اور آزادی کی تعلیم کرتا ہے،

چون رزق تو آنچه عدل قسمت فرمود / یک ذره نه کم شود نه خواهد افزود
آسوده ز هرچه نیست می باید شد / وآزاده ز هرچه هست می باید بود

خواهی که ترا تربیت اسرار رسد / مپسند که کس ز راز تو آزار رسد
از مرگ میندیش و غم رزق مخور / کین هر دو بوقت خویش ناچار رسد

خیّام جس زندگی کو قابل رشک سمجھتا ہے وہ یہ ہے،

در دہر ہر آنکه نیم نانے دارد / وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نه مخدوم کسے / گو شاد بزی که خوش جہانے دارد

ابن یمین نے اس زندگی کی تصویر اس خوبی سے کھینچی ہے،

دو تاے نان اگر از گندم ست یا از جو / دو تاے جامه اگر کہنه است یا خود نو
به چار گوشهٔ دیوار خود بخاطر جمع / که کس نگوید از اینجا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بنزد ابن یمین / ز فرّ مملکت کیقباد و کیخسرو

اخلاقی تعلیم خیّام کا فلسفۂ اخلاق نہایت مختصر ہے، لیکن جسقدر ہے، اس مختصر سی دنیا کے لیے کافی ہے،

غیبت مکن، و دل کسان را آزار / در عہدهٔ آن جہان منم، باده بیار
بدخواه کسان ہیچ به مقصد نرسد / یک بد نه کند تا به خودش صد نرسد
من نیک تو خواہم و تو خواہی بد من / تو نیک نه بینی و به من بد نرسد
گر شادی از آن خویشتن میدانی / کاسوده دلے را به غمی بنشانی

در راہِ عقل خویش نشستین ہمہ عمر ‌ ‌ ‌ ‌ پندار مصیبت کہ عجب نادانی
اے آنکہ خلاصۂ چہار ارکانی ‌ ‌ ‌ ‌ بشنو سخنے ز عالمِ روحانی
دیوی و دَدی و مَلک انسانی ‌ ‌ ‌ ‌ باتست، ہر انچہ می نمائی آنی

یعنی تم شیطان، درندہ، فرشتہ، انسان، سب کچھ ہو سکتے ہو، اب جو چاہو، ہو جاؤ، تم کہوگے کہ یہ ایسی کیا اچھوتی تعلیم ہے، سب اہل مذہب، اسی کی تعلیم دیتے ہین، ہان یہ سچ ہے لیکن اہل مذہب نے اپنی فیاضی کا دائرہ محدود کر دیا ہے، انکے نزدیک نیکی، احسان، بھلائی، ہمدردی، غمخواری، ان تمام اوصاف کا محل صرف اپنے ہم مذہب ہین، لیکن خیّام کے نزدیک آفتاب کی روشنی دشت، وچمن، دونون پر یکسان پڑتی ہے،

خیّام کی اخلاقی تعلیم مین، ریاکاری سب سے بڑا جرم ہے، اور اس نے جس خوبی سے اسکی پردہ دری کی ہے، آج تک کسی نے نہین کی، سعدی اور حافظ ریاکار زاہدون اور پیشواؤن کی دہجیان اُڑانے مین نہایت نامور ہین، اور نہایت عجیب عجیب نادر پیرایون مین اُن لوگون کے تبرے کھولتے ہین، لیکن خیّام نے ایک رباعی مین اس مضمون کا خاتمہ کر دیا ہے۔

زاہد بہ زن فاحشہ گفتا مستی ‌ ‌ ‌ ‌ بنگر کہ بگسستی و چون پیوستی
زن گفت چنانکہ می نمایم ہستم ‌ ‌ ‌ ‌ تو نیز چنانکہ مے نمائی ہستی

یعنی ایک زاہد نے ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بدمست ہے، تو خیال نہین کرتی

کہ تونے کس چیز کو چھوڑا اور کس چیز کو اختیار کیا ہے، اُسنے جواب دیا کہ مین تو جیسا اپنے آپ کو ظاہر مین دکھلاتی ہون ویسی ہی ہون بھی، کیا آپ بھی اپنے آپ کو جیسا دکھلاتے ہین ایسے ہی حقیقت مین بھی ہین،

ظاہر و باطن کے یکسان نہونے کی بُرائی کا پیرایہ اس سے زیادہ اچھوتا، نادر اور مؤثر و عبرت خیز نہین ہو سکتا تھا، خیّام نے اس بات پر بھی خوب غور کیا تھا، کہ کن کن اسباب سے انسان کو خواہ مخواہ ہی ریا مین گرفتار ہونا پڑتا ہے، اسلیے وہ ان موقعون سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے،

در راہ چنان رو کہ سلامت نکنند	با خلق چنان زی کہ قیامت نکنند
در مسجد اگر روی چنان رو کہ ترا	در پیش نخوانند و امامت نکنند

یعنی رستہ اس طرح چلو کہ کوئی تم کو سلام نہ کرے، لوگون کے ساتھ اس طرح بسر کرو کہ لوگ تمھاری تعظیم کے لیے قیام نہ کرین، مسجد مین جاؤ تو اس طرح کہ لوگ تم سے امام بننے کی خواہش ظاہر نہ کرین، مطلب یہ کہ ایسی سادگی بے تکلفی خاموشی سے زندگی بسر کرو کہ لوگ تم کو مقدس نہ خیال کرین، یہ ظاہر ہے کہ انسان جب لوگون کی نظر مین مقدس ہو جاتا ہے تو اُسکو سیکڑون باتین ایسی کرنی پڑتی ہین، جن سے اسکا تقدس قائم رہے حالانکہ وہ باتین بہ تکلف کرتا ہے، اگر اس منصب پر وہ نہ پہنچتا تو اس خودداری اور حفظِ مراتب کی اس کو کیا ضرورت تھی،

خیام کا فلسفۂ اخلاق زہاد اور علما کے فلسفۂ اخلاق سے نہایت بلند ہو، یہ مقدس

گروہ کسی کام کو صرف اِس نظر سے دیکھتا ہے کہ اسپر عذاب یا ثواب ہوگا، ان لوگون کو اگر اِس امر کا اطمینان ہو جاے کہ اِس فعل پر عذاب نہین ہوگا، یا خدا اسکو بخشدیگا، تو پھر ان کو کچھ پروا نہ ہوگی، خیام کسی کام کے کرنیکے وقت صرف یہ دیکھتا ہے، کہ خود یہ کام کیسا ہے؟ اگر وہ کام بُرا ہے تو اِس سے اسکو کچھ تسلی نہین ہوتی، کہ خدا اِس کو بخشدیگا، اِس کے نزدیک یہی بڑا عذاب ہے کہ خدا دیکھ رہا تھا، اور اِس نے جرم کا ارتکاب کیا،

بانفس ہمیشہ در نبردم چہ کنم گیرم کہ زمن درگزرانی بہ کرم	وز کردۂ خویشتن بہ دردم چہ کنم زین شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چہ کنم

یعنی اے خدا مین نے مان لیا کہ تو میرا گناہ معاف کر دیگا، اور عذاب نہ دیگا، لیکن کیا یہ کم عذاب ہے کہ تیری نظر کے سامنے مین نے ایسا فعل کیا،

فقہا کی نسبت خیام کی راے خیام کے فلسفہ، اخلاقی تعلیم اور آزادی خیال کا نمونہ تم نے دیکھا، ایسا شخص فقہا کی نسبت جو راے رکھ سکتا ہے، تم خود سمجھ سکتے ہو وہ کہتا ہے اور کسقدر سچ کہتا ہے،

بااین دو سہ نادان کہ چنان می دانند خوش باش کہ از خری ایشان بہ مثل	از جہل کہ داناے جہان ایشانند ہر کو نہ خراست کافرش می دانند

غور کرو، امام غزالی، امام رازی، محی الدین عربی، شیخ الاشراق، ان مین سے ہر شخص فقہا کی تکفیر کا زخم خوردہ ہے، کیون؟ صرف اِس لیے کہ یہ لوگ فقہا کے سے عامیانہ اور لغو عقائد، اور خیالات نہین رکھتے تھے، اسی نکتہ کو خیام اِس تلخ جملہ مین ادا کرتا ہے

کہ جو شخص ان تکفیر کرنے والوں کی طرح سے گدھا نہیں ہے اسکو یہ لوگ کافر کہتے ہیں،

خیام نے گو شاعری کے پردہ میں دل کے پھپولے توڑے لیکن افسوس ہو کہ فقہا کی سخت گیری کی وجہ سے وہ بھی اسرار اور حقائق کے ظاہر کرنے کی جرأت نہ کرسکا، چنانچہ خود کہتا ہے،

اسرار جہان چنانکہ در دفتر ماست	گفتن نتوان کہ آن وبال سر ماست
چون نیست درین مردم دنیا اہلے	نتوان گفتن ہر آنچہ در خاطر ماست

افسوس! ظاہر پرستوں کی گیر ودار نے خدا جانے کتنے عجیب وغریب اسرار اور حقائق دلوں ہی میں دفن کرا دیے، آج آزادی کا زمانہ ہے، لیکن اب وہ حقائق، اور اسرار کہاں بازاری اور عامیانہ باتیں زبان پر آئیں تو اس سے کیا حاصل!!!

انچہ در کار است نتوانی تو گفت	انچہ می گوئی تو خود در کار نیست

خیام اور یورپ یہ عجیب بات ہے کہ خیام کی قدردانی، ایشیا سے زیادہ یورپ نے کی، اور کرنی چاہیے تھی، خیام کے خیالات، یورپ سے اسقدر ملتے جلتے ہیں کہ آج اگر موجود ہوتا تو شاید یورپین بنجاتا،

عمر خیام کی نسبت ۱۸۹۶ء تک جو کچھ یورپ میں لکھا گیا وہ وصایا وغیرہ نہایت محدود ماخذوں سے تھا مگر پروفیسر ژُکوسکی (ZHUKOOSKI) کے قابل یادگار مضمون نے خیالات میں تغیر عظیم برپا کردیا اور اب پروفیسر راس، ہیرن ایلن (HERON ALLEN) وغیرہ نے انگریزی میں عمدہ ترجمے اور تذکرے شائع کیے، انسے پہلے انگلستان میں

فٹز جیرلڈ (FITIZGERALD) کے مشہور ترجمہ کے علاوہ میکارتھی (MECORTHY)

نے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپا تھا مگر گارنر (GORNER) کا ترجمہ

عالمانہ اور مطلب خیز تھا - ون فیلڈ (WHINPIELD) نے ۱۸۸۳ء مین دو کتابین ایک

مین صرف ترجمۂ رباعیات اور دوسری مین رباعیان اور اُنکے مقابل مین ترجمہ شایع کین،

نکلس (NICHOLAS) فرانسیسی نے فٹز جیرلڈ سے ایک سال بعد فرنچ مین ایک ترجمہ شائع

کیا تھا، باڈن اسٹیڈ (BODENSTED) نے جرمن مین ایک ترجمہ چھاپا ہے،

اور چند رباعیون کا ترجمہ ہالینڈ کی زبان مین بھی ہو گیا ہے۔

پروفیسر لکھتے ہین کہ اگر وہ تمام کتابین اور رسالے جمع کیے جائین جنمین عمر خیام کا ترجمہ

یا حال شائع ہوا ہے تو درحقیقت ہماری زندگی مین یہ کام پورا نہین ہو سکتا،

اکسفورڈ مین ایک نہایت قدیم نسخہ ہے اسکو ہیرن ایلین نے عکس مین چھاپا ہے

ایک عمدہ نسخہ پیرس مین ہے مگر اکسفورڈ والے سے پرانا نہین،

انوری

محمد نام اوحدالدین لقب، انوری تخلص ابیورد کے علاقہ مین بدھنہ ایک گاؤن ہی جو مھنہ کے مقابل واقع ہے، انوری یہین پیدا ہوا، یہ دولت شاہ کا بیان ہے لیکن عرفی کہتا ہے ع انوری گر بود از دہنہ منم از شیراز، اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہین، اس مناسبت سے انوری نے پہلے اپنا تخلص خاوری رکھا تھا، پھر اپنے اُستاد عمارہ کی فرمایش سے بدل کر انوری کر دیا،

انوری نے علوم و فنون کی تحصیل طوس کے مدرسہ منصوریہ مین کی، اور تمام درسی علوم و فنون حاصل کیے، ریاضی مین خصوصیت کے ساتھ کمال پیدا کیا، دولت شاہ کا بیان ہے کہ انوری ایک دن مدرسہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک شخص بڑے جاہ و تجمل سے گزرا، انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پایہ تخت کا شاعر ہی انوری نے اُسی وقت تعلیم و تعلم کو خیر باد کہا اور رات بھر مین قصیدہ لکھکر طیار کیا جسکا مطلع یہ ہے،

گر دل بحر و دست کان باشد	دل و دست خدا لگان باشد

صبح کو دربار مین جاکر قصیدہ پڑھا، سنجر نہایت سخن شناس تھا بہت محظوظ ہوا، اور کہا نوکری چاہتے ہو یا صلہ، انوری نے آداب بجالا کر عرض کی،

جز آستان توام درجہان پناہی نیست	سر مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست

سنجر نے منصب اور وظیفہ مقرر کر دیا، سنجر رادکان سے روانہ ہوا تو انوری بھی ساتھ تھا، راہ مین چند قصیدے لکھکر پیش کیئے جن مین سے ایک یہ ہے،

باز این چہ جوانی وجمال ست جہان را	وین حال کہ نوگشت زمین را و زمان را

ہمارے تذکرہ نویسون کی بیخبری دکھو، یہ واقعہ سب لکھتے آتے ہین، لیکن یہ کسی سے نہو سکا کہ جس قصیدے کو انوری کی شاعری کا دیباچہ کہتے ہین، اُسکو کبھی اُٹھا کر دیکھ بھی لیا ہوتا، انوری خود اس قصیدہ مین کہتا ہے،

خسروا! بندہ را چو دہ سال است	کرہمی آرزوے آن باشد
کز ندیمان مجلس ار نہ شود	از مقیمان آستان باشد

اس مین صاف تصریح ہی کہ یہ قصیدہ ابتداءً نہین، بلکہ دس برس کی امیدواری کے بعد لکھا گیا ہی، انوری جس طرح سنجر کے دربار مین پہنچا ہے اُسکی کیفیت یہ ہے کہ انوری مدت سے شعر و شاعری مین مشغول تھا، لیکن دربار تک رسائی حاصل نہین ہوئی تھی، جسکی وجہ یہ تھی کہ دربار کا ملک الشعرا امیر معزی تھا اور وہ کسی کو دربار مین کامیاب نہین ہونے دیتا تھا، اسکا حافظہ نہایت قوی تھا، یعنی صرف ایک بار کے سننے مین قصیدہ یاد کر لیتا تھا، جب کوئی شاعر دربار مین آتا اور قصیدہ سُناتا تو معزی بادشاہ سے کہتا کہ یہ قصیدہ میری تصنیف ہی، چنانچہ قصیدہ کا قصیدہ خود پڑھ کر سنا دیتا، شاعر خفیف ہوکر، چلا آتا، انوری کو یہ حالت معلوم ہوئی تو پھٹے پُرانے کپڑے پہن،

یا گلون کی صورت بناکر معزی کے پاس گیا، اور کہا کہ مین شاعر ہون، بادشاہ کی مدح مین قصیدہ لکھ کر لایا ہون، آپ پیش کرا دیجئے، معزی نے کہا کیا لکھا ہے پڑھ کر سناؤ، انوری نے پڑھا۔

زہے شاہ و زہے شاہ و زہے شاہ	زہے میر و زہے میر و زہے میر

معزی نے کہا یون کہتے تو مطلع ہو جاتا،

زہے شاہ و زہے شاہ و زہے شاہ	زہے ماہ و زہے ماہ و زہی ماہ

انوری نے بہکی بہکی باتین کین، معزی نے یہ سمجھ کر کہ دربار کا مسخرہ بنائین گے، انوری سے کہا کل آنا، انوری دوسرے روز پہنچا تو **معزی** خود ساتھ لیکر دربار مین گیا، اور کہا کہ جو قصیدہ تم نے مدح مین لکھا ہے، سناؤ، **انوری** نے شاعرانہ انداز مین پڑھا،

گر دل و دست بحر و کان باشد	دل و دست خدایگان باشد
شاہ سنجر کہ کمترین خدمش	در جہان بادشاہ نشان باشد

دو شعر پڑھ کر رُک گیا، اور معزی کی طرف خطاب کر کے کہا کہ یہ قصیدہ آپ کا ہے تو باقی اشعار سنائیے، معزی چپ رہا، انوری نے پورا قصیدہ سنایا، سنجر نہایت محظوظ ہوا اور ندیمان خاص مین داخل کیا، [۱] رفتہ رفتہ یہ مرتبہ حاصل کیا کہ سنجر نے بہ آن جاہ و جلال، دو دفعہ انوری کے مکان پر جاکر اُس کی عزت افزائی کی، [۲]

انوری کو علم نجوم مین کمال تھا، سنجر کے عہد حکومت مین اتفاق سے سبعہ

---

[۱] یہ پوری تفصیل تاریخ حبیب السیر مین ہی، [۲] خزانہ عامرہ،

سیّارہ برج میزان مین جمع ہوئے، انوری نے اس بنا پر پیشین گوئی کی کہ فلان دن اس زور کا طوفان آئیگا کہ تمام مکانات برباد ہوجائین گے، لوگون نے ڈر کر تہ خانے اور سرداب تیار کرائے اور تاریخ مقررہ پر اُن مین چھپکر بیٹھے اتفاق سے اُس دن اتنی ہوا بھی نہ چلی کہ چراغ گل ہوتا سنجر نے انوری کو بلاکر عتاب کیا، انوری نے کہا قرانات کے احکام فوراً ظاہر نہین ہوتے فریدہ کاتب نے اسپر قطعہ لکھا،

گفت انوری کہ از جہت بادہای سخت	ویران شود عمارت و کہ نیز بر سری
در سال حکم او نہ وزیداست ہیچ باد	یا مرسل الریاح تو دانی و انوری

انوری نے اب دربار مین رہنا مناسب نہ سمجھا اور ترک ملازمت کرکے نیشاپور چلا آیا اب اس کی شہرت دور دور پھیل گئی تھی، ہر طرف سے امرا اور رؤسا کے پیغام آتے تھے کہ ہمارے دربار مین قدم رنجہ کیجیے ۵۲۳ھ مین سلطان احمد پیروزشاہ نے اسکو خط بھیجکر بلایا اور ساتھ لیکر خوارزم کی طرف روانہ ہوا، انوری یہ سُنکر کہ دریاے جیحون راہ مین پڑتا ہے اسقدر ڈرا کہ بلخ پہنچکر سلطان احمد سے معذرت چاہی، اور وہین رہ گیا، لیکن بلخ مین اسقدر تکلیف پہنچی کہ تنگ آکر ایک قصیدہ لکھا، اور سلطان احمد کی خدمت مین بھیجا، مطلب کی بات اس طرح ادا کی،

این حال کہ در بلخ کنون دارم	از خوف پریشانی و گمراہی
زین بیش اگر وہم و گمان بردے	آن محظے کہ تہ نظر شاہی

سلہ اس قصیدہ کی شرح مین ابو الحسن فراہانی نے اس قصیدہ کا شان نزول یہی لکھاہی،

بر عبرہ جیحون نہ بہ آموزش | چلن بط بہ طبیعت شدمی راہی

سلطان احمد نے انوری کو دربار مین طلب کیا اور معتمد خاص بھیجا کہ انوری کو ساتھ لیکر آئے انوری روانہ ہوا لیکن دریاے جیحون کے کنارے پہنچکر اسکے اوسان جاتے رہے، رہبر جو ساتھ تھا، ڈھارس دلانے کے لیے، لنگ باندھکر دریا مین اُترا، تیرتا ہوا دور تک گیا اور چارون طرف چکر لگاکر دکھلایا کہ گھبرانے کی بات نہین انوری بہ ہزار خرابی کشتی مین بیٹھا گھاٹ پر شاہی اہتمام تھا، اور اسپ خاصہ سواری کے لیے آیا تھا، انوری نے آداب شاہی کے لحاظ سے گھوڑے پر سوار ہونے مین تامل کیا، لیکن پیش خدمت کے اصرار سے سوار ہوا، اور دربار مین آیا، قصیدہ راہ مین لکھ رکھا تھا، دربار مین پہنچکر پڑھا، دیکھو تمام واقعات کو کس خوبی سے ادا کیا ہے،

حبذا بخت مساعد کہ سوے حضرت شاہ	مروی کرد و رہم داد پس از چندین گاہ
اندر آمد ز در حجرۂ من صبحدمے	روز بہمن جبش یعنی دوم بہمن ماہ
سال بر پانصد وسی و سہ ز تاریخ عجم	گفت برخیز کہ از شہر بدر شد ہمراہ
چہ روے راہ تر و قضی الامر فقم	چہ کشتی تخیل بلغ السیل زبالہ
چون بہ انگیخت مرا رفت و چراغے افروخت	بے تحاشی چہ رفیقی کہ بود از اشباہ
تا کہ من جامہ بوشیدم و بیرون رفتم	بہ شتابے کہ دو دا عم نہ رہی کرد و نہ راہ
او برون برد بدم فرسش و آورد و شتو	محملے بست و مرا کرد چو شاہے بر گاہ

همچنان جملہ راہم بسلامت می برد — نہ دران طبع ملالت، نہ درین طوع اکراہ
تا بہ حدّے کہ مراد اوہمے میخے وکفش — تا بجاے کہ ہمیداد خرم راجو وکاہ
گہاس
چون بہ جیحون برسیدیم زمن ہوش برفت — گفت لاحول ولا قوۃ الا باللہ
رفت و برلبت از ارے و بہ جیحون درجست — وندران جست بہ یکدم بگذشت او بشناہ
باز باز آمد و گفتا کہ بدیدی سہل است — در نشین، خیز، و مکن وقت گزشتن بیگاہ
کشتی آورد و نشستیم در و ہر دو بہم — چون دو یار، او ہمہ یاری دہ و من یاری خواہ
او چو شیرے بہ یکے گوشۂ کشتی بنشست — من سر اندر زدن[1] و بیرون زدن ہمچو روباہ
آخر الامر چو کشتی بسلامت بگذشت — جستم از کشتی و آمد بہ لب کشتی گاہ
عرصۂ دیدم چون جان و جوانے بخوشی — شادی افزاے چو جان و جوانی غم کاہ
گفتم اے بخت بہشت است سوادِ ترمد — گفت راضی مشو از روضۂ رضوان بہ گیاہ
باش تا شہر بہ بینی، و در و بار ملک — باش تا قلعہ بہ بینی و درو عرض سپاہ
دربار
تا درین بودم اگر دے ز در شہر نجاست — گفتم آن کیست مرا گفت جبنیت کش شاہ
آمد القصّہ و آورد جبنیت پیشم — دیدہ من چو دران شکل و شبہ کرد نگاہ
بوسہ دادم سُم، و زانوے و رکابش ہمہ را — گفتم اے روز براق از تو چہ رنگ تو سیاہ
بہ سعادت بہ سر آخر خود باز خرام — کہ ترا پایہ بلند است و مرا پا کوتاہ
این ہمی گفتم و او دست ہمیکوفت کہ نے — ترک فرمان ہمہ حال گناہ ہست و گناہ

لہ سر اندر زدن، مونھ اندر کر لینا، یعنی میں لومڑی کی طرح کبھی مونھ باہر نکالتا تھا اور کبھی اندر کر لیتا تھا،

اقسام سخن مین سے انوری کی طبیعت ہجو سے خاص مناسبت رکھتی تھی، ہجو مین وہ نہایت دلچسپ اور لطیف مضامین پیدا کرتا تھا، جو شعر اُس کی زبان سے نکلتا عالم مین پھیلجاتا، اسکے ساتھ طبیعت مین تنک ظرفی اور کم حوصلگی تھی، ذرا کسی سے رنج ہوا اور اُسکی ہجو کا طومار باندہ دیا، اس عادت کی وجہ سے اُسنے سارے زمانہ کو دشمن بنا لیا تھا، چنانچہ سلطان علاء الدین ملک الجبال سے لوگون نے شکایت کی کہ انوری نے حضور کی ہجو لکھی ہے، سلطان نے ملک طوطی کو جو مرو شاہجہان کا رئیس تھا، خط لکھا کہ انوری کو گرفتار کر کے دربار مین بھیجدو، ملک طوطی نے فخر الدین مروزی کو جو اُسکے دربار کا شاعر اور منشی تھا حکم دیا کہ انوری کو لکھو کہ مین آپ کے ملنے کا مشتاق ہون، فخر الدین مروزی انوری کا بڑا دوست تھا، اُسنے انوری کو اصل حال سے مطلع کرنا چاہا، لیکن ملک طوطی کے ڈر سے صاف صاف نہین لکھ سکتا تھا، اس لیے خط کے سرنامہ پر یہ شعر لکھا،

ھی الدنیا تقول بملاء فیھا حذار حذار من بطشی وفتکی

انوری سمجھا کہ کچھ بھید ہے، تحقیق سے اصل واقعہ معلوم ہوا، ملک طوطی کے دربار مین سفارشین پہنچائین، سلطان علاء الدین کو یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے ملک طوطی کو لکھا کہ انوری کو میرے دربار مین بھیجدو ہزار بکریان صلہ مین دونگا، ملک طوطی نے انوری کو بلا کر کہا کہ تمھارے معاوضہ مین مجھکو ہزار بکریان ملتی ہین انوری نے کہا علاء الدین مجکو ہزار بکریون کے بدلے خریدتا ہے، اور آپ مفت

بھی نہین لیتے، ملک طوطی کو یہ لطیفہ پسند آیا اور اپنے مقربین مین داخل کیا[۱]
انوری کے مخالف شعرانے اب یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود ہجوین لکھ کر اُسکے نام سے مشہور کرتے تھے اور انوری کو اسکا خمیازہ اُٹھانا پڑتا تھا، چنانچہ جب وہ بلخ مین آیا، تو فتوحی شاعر نے حکیم سوزنی کی فرمایش سے بلخ کی ہجو لکھی اور **انوری** کے نام سے مشہور کر دی[۲]، اُسکے چند اشعار یہ ہین،

چار شہر است خراسان را بر چار طرف	کہ وسط شان بمسافت کم صد در صد نیست
گرچہ معمور و خرابش ہمہ مردم دارد	نہ چنان ہست کہ آبستنِ دام و ددو نیست
بلخ راعیب اگرچند یاد باش کنند	بر رہِ ہیچ بدے نیست کہ صد بخرد نیست
مصر جامع راچارہ نبود از بد و نیک	معدنِ زر و گہر بے سرب و بُسّد نیست
حبذا شہر **نشاپور** کہ در ملک خدائے	گر بہشت است ہمین ست وگرنہ خود نیست

اہل شہر اس پر اس قدر برہم ہوے کہ انوری کو پکڑ کر تختہ کلاہ کیا اور اوڑھنی اُڑھا کر گلی کوچون مین تشہیر کی، اِس سے بھی زیادہ نوبت پُہنچتی لیکن قاضی حمیدالدین جنکی تصنیف سے مقامات حمیدی ہے، اور جنکی شان مین انوری نے لکھا ہی،

بمدح وثنا گر کنم راے نظمے	نہ دشوار گویم نہ آسان فرستم
ولیکن بمدح جناب حمیدی	اگر وحے باشد ہراسان فرستم

[۱] لب اللباب عوفی یزدی و مجمع الفصحا تذکرہ فخرالدین مروزی، [۲] مجمع الفصحا تذکرہ فتوحی مروزی و ریاض الصالحین تذکرہ انوری، دولت شاہ نے لکھا ہے کہ خود انوری نے یہ ہجو لکھی تھی لیکن یہ غلط ہی،

انھون نے انوری کی حمایت کی اور اُس کی جان بچگئی انوری نے اِن واقعات کا اس قصیدہ مین ذکر کیا ہے،

اے مسلمانان نغان از دورِ چرخِ چنبری

چونکہ انوری کے بچانے مین ابوطالب نعیم صفی الدین عم، مفتی تاج الدین حسن محتسب، نظام الدین احمد مدرس نے بھی کوشش کی تھی، اسلیے قصیدہ مین سب کا ذکر کیا ہے اور بلخ کی ہجو سے نہایت تبری کی ہے کہ بلخ قبۃ الاسلام ہے مین اس کی ہجو کیونکر کہہ سکتا ہون،

بالآخر انوری نے تمام لغویات سے توبہ کی، اور گوشہ گزین ہو کر بیٹھا، سلطان علاء الدین غوری جہانسوز نے دربار مین طلب کیا، لیکن اسنے انکار کیا اور یہ قطعہ جواب مین لکھا

کلبۂ کاندر وبروز وبشب	جاے آرام وخورد وخواب من است
جا یکے دارم اندرو کہ ازو،	چرخ در عین رشک وتاب من است
ہرچہ در مجلس ملوک بود،	ہمہ در کلبۂ خراب من است
رحل اجزاے ونان خشک درو	گرد خوان من وکباب من است
قلم کوتہ وصریر خوشش،	زخمۂ ونغمۂ رباب من است
خرقۂ صوفیانۂ اطلس	از ہزار اطلس انتخاب من است
ہرچہ بیرون بود ازین کم وبیش	حاش للسامعین عذاب من است
خدمت بادشہ کہ باقی باد،	نہ بباز وے خاک وآب من است

زین قدر راہ رجعتم بستہ است	آن کہ او مرجع و مآب من است
دین طریق از نمائش است خطا	چہ کنم این خطا صواب من است
نیست این بندہ را زبان جواب	جامۂ و جائے من جواب من است

مدح اور ہجو کے ساتھ غزل کہنی بھی چھوڑ دی، کسی نے پوچھا تو جواب دیا،

دی مرا عاشقکی، گفت غزل می گوئی	گفتم از مدح و ہجا دست بیفشاندم ہم
گفت چون؟ گفتمش آن جانب گمراہی بود	حالت رفتہ دگر باز نیاید ز عدم
غزل و مدح و ہجا ہر سہ ازان می گفتم	کہ مرا شہوت و حرص و غضبے بود بہم

اخیر شعر کا مضمون اگرچہ عربی سے ماخوذ ہے، لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انوری شاعری کی حقیقت سے واقف تھا، یعنی یہ کہ شاعری، جذباتِ انسانی کے اظہار کا نام ہے، شہوت، حرص، غصہ، سب جذبات ہین، اور یہی جذبات غزل و مدح اور ہجو کی صورت مین ظاہر ہوتے ہین،

انوری نے حسب روایت دولت شاہ ۵۴۷ھ مین بمقام بلخ وفات پائی اور سلطان احمد خضرویہ کے پہلو مین دفن ہوا،

انوری بخلاف اکثر شعرا کے اکثر علوم متداولہ مین کمال رکھتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے

گرچہ دربستم در مدح و غزل یکبارگی	ظن مبر کز نظم الفاظ و معانی قاصرم
بلکہ بر ہر علم کز اقران من داند کسے	خواہ جزوی باشد آن را خواہ کلی قادرم
منطق و موسیقی و ہیأت بشناسم اندکے	راستی باید بگویم با نصیب وافرم

وز آلٰہی انچہ تصدیقش کند عقل صریح	گر تو تصدیقش کنی بر شرح و بسطش ماہرم
وز طبیعی رمز چند از چند بے تشویر ہست	کشف دانم کرد اگر حاسد بنا شد ناظرم
نیستم ہم جاہل از اعمال احکام نجوم	ور ہمی باور نہ دانی رنجہ شو من حاضرم
این ہمہ بگذار باشعر مجرّد آمدم	چون سنائی ہستم آخر گرنہ ہمچون صابرم
قدر من صاحب قوام الدین حسن داند از انکہ	صدر او را یادگار ناصر الدین طاہرم

ان کمالات کی وجہ سے تمام لوگ اس کی عزت کرتے تھے، سلطان سنجر اس جاہ و جلال کا بادشاہ اسکے گھر آتا تھا، فتوحات کا یہ حال تھا کہ جلال الوزرا کے ہان سے سالانہ پانچ سو اشرفیان مقرر تھین، با این ہمہ چونکہ طبیعت کا دنی تھا اور زبان قابو مین نہ تھی اسلیے ذلتین اٹھاتا تھا، ایک وزیر کی مدح مین قطعہ لکھا اور اخیر مین یہ شعر لکھے

تو کہ از دور ہمی بینی پوشیدہ مرا	حال بیرون و درونم ز ہمانا دانی
طاق بوطالب نعمہ است کہ دارم برون	وز درون پیرہن بوالحسن عمرانی

یعنی میرے بدن پر مدت کے پھٹے پرانے کپڑے ہین، چادر ابوطالب کی دی ہوئی ہے اور پیراہن ابوالحسن عمرانی کا عنایت کیا ہوا ہے، وزیر نے ناراض ہو کر فتوحی مروزی کو حکم دیا کہ جواب لکھے، چنانچہ اُسنے ایک قصیدہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہین،

از پس آنکہ بہ یک مہر دو الف بکمی	داشت در بلخ ملک شاہ تبوار زانی
وز پس آنکہ ہزار و گرت داد وزیر	قرض آن پیر سر خشتی زچہ می بستانی
از پس آنکہ ز انعام جلال الوزرار	تو بہر سالہ رسد مہرے پانصد کانی

اے بہ دانائی معروف چرا میگوئی	در ثنائے کہ فرستادۂ از نادانی
طاق بوطالب نعمہ است کہ دارم زربون	وز درون پیرہن بوالحسن عمرانی
چہ بخیلی کہ بچندین زر و سیم و نعمت	طاق و پیراہنئے دوخت ہمی نتوانی
پانزدہ سال فزون باشد تا کشتہ شدست	بوالحسن آنکہ ز احسانش سخن میرانی
پیرہن کہنۂ او گرنہ بجائیست ہنوز	پس نخوان پیرہنش کو زرہ خفتانی
باقی عمر تُلبس آن پیرہن و طاق ترا	سزد ار زندہی ابرام و دگرستانی

یعنی ابوالحسن عمرانی کو مرے ہوے آج پندرہ برس ہو گئے، اتنی مدت تک اسکا دیا ہوا پیرہن موجود ہے تو پیرہن کا ہے کو زرہ ہے، اور اُسکے ہوتے اب کسی پیرہن کی کیا حاجت ہے،

لطیفہ، ایک دفعہ انوری راہ مین چلا جاتا تھا، ایک شخص کو دیکھا کہ اشعار پڑھ رہا ہے انوری نے خیال کیا تو اُسی کے اشعار تھے، پوچھا کہ آپ کا تخلص کیا ہے؟ اُسنے کہا انوری۔ انوری نے کہا، شعر کے چور پہلے بھی سنے تھے، شاعر چرانے والا آج دیکھا

کلام پر رائے

انوری جس پایہ کا شاعر تھا، اس سے زیادہ بہت خوش قسمت تھا ایران مین تین شاعر پیغمبر سخن تسلیم کئے گئے، اُن مین ایک **انوری** بھی ہے، چنانچہ مشہور ہے،

در شعر سہ تن پیمبرانند	ہر چند کہ لانبی بعدی

له مجمع الفصحا تذکرہ فتوحی مروزی ۱۲

ابیات و قصیدہ و غزل را   فردوسی و انوری و سعدی،

ہاتفی نے مثنوی کی رعایت سے اسکو اس طرح بدل دیا ہے،

در شعر سہ تن پیمبر انند	قولے است کہ جملگی برانند
فردوسی و انوری و سعدی	ہرچند کہ لا نبی بعدی

اباقان خان کے زمانہ مین یہ بحث پیدا ہوئی کہ انوری اور ظہیر فاریابی دونون مین کسکو ترجیح ہے، سب نے مجد ہمگر[۱] کو ثالث قرار دیا اور ایک منظوم استفتا لکھا،

اے آن زمین وقار کہ بر آسمان فضل	با عجیبہ فضلے و خورشید انوری
جمعے ز ناقدانِ سخن گفتہ ظہیر	ترجیح می نہند بر اشعار انوری
جمعے دگر برین سخن انکار می کنند	فی الجملہ در محل نزاع اند و داوری
رجحان یک طرف تو بدیشان نما کہ ہست	زیر نگین طبع تو ملک سخنوری

مجد ہمگر نے جواب لکھا،

جمعے ز اہل خطۂ کاشان کہ بردہ اند	از ارباب فضل و دانش گوے سخنوری
کردند بحث در سخن نغز شان نظم	تا خود کہ سفتہ بہ دُرِ در سخنوری
در انوری مناظرہ شان رفت و در ظہیر	تا مر کراست پایۂ بہتر ز شاعری
انصاف چون نیافت گروہ از دگر گروہ	مرتبہ را گزید نظر شان بہ داوری
در کانِ طبع آن چو بگشتم گران گران	در قعر بحر این چو نمودم شناوری

[۱] مجد ہمگر اس درجہ کا شاعر تھا کہ بعضون نے اسکو شیخ سعدی کا ہم پلہ مانا ہے،

شعر کسے برآمدہ چون دُرِّ شاہوار　　نظم دگر برآمدہ چون مہر خاوری

شعر ظہیر اگرچہ برآمد ز جنس شعر　　برتر ز انوری نہ ز ندلان شاعری

بر اوج مشتری نرسد تیر نظم او　　خاصہ کہ در ثناگری و مدح گستری

طعم رطب اگرچہ لذیذ است خوش مذاق　　کے بو بود ز خاصیت قند عسکری

اینست اعتقاد رہی خوش قبول کن　　گر تو مقید سخن مجد ہمگری

زاد این نتیجہ نیم شب از آخر رجب　　در خاؤ عین و دال ز ہجر پیمبری

امامی ہروی[۱] نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا ہے، چنانچہ کہتے ہین،

ای سالکِ مسالکِ فکرت درین سوال　　معذور نیستی بحقیقت چو بنگری

تمیز را ز بہر تناسب درین دو طور　　ہیچ احتیاج نیست بدین شرح گستری

کین معجز است وان سحر آن شمع و این چراغ[۲]　　این ماہ آن ستارہ وآن حور واین پری

انوری ظہیر سے بلکہ اپنے تمام معاصرین سے بڑھکر ہو تو ہمکو انکار نہین، لیکن اس سے بڑھکر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ فردوسی اور سعدی کے پہلو مین اسکو جگہ دیجائے، قطعہ مشہور اور مجد ہمگر کے فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ انوری قصیدہ گوئی مین پیغمبر تھا جس طرح فردوسی اور سعدی مثنوی اور غزل مین تھے، لیکن یہ اور بھی حیرت انگیز ہے،

۱؎ یہ وہی امامی ہین جنکو مجد ہمگر نے شیخ سعدی پر ترجیح دی تھی، اور شیخ سعدی نے ناراض ہوکر کہا تھا
ہمگر کہ بعمر خود نکرد دست نماز * شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نرسد، ۱۲

۲؎ مجالس المومنین تذکرۂ انوری، ہمگر کے قطعہ کے چند شعر ہمنے چھوڑ دیئے ہین،

قصیدہ کا جو انداز چلا آتا تھا، اُسپر انوری نے کچھ اضافہ نہین کیا، اور جس قدر کیا اُس مین اُسکے اور ہمعصر شریک ہین، انوری کے قصائد کے خصوصیات یہ بتائے جاتے ہین کہ اُسنے جدید مضامین پیدا کیئے، مبالغہ کو ترقی دی، نئی تشبیہین پیدا کین، لیکن عبد الواسع جبلی، ارزقی، اور ظہیر ان باتون مین انوری سے کسی طرح کم نہین، انوری نے ایک قصیدہ مین ہلال کی تشبیہ سے مدح کی طرف گریز کیا ہے، اور وہ انوری کے محاسن اشعار مین محسوب ہے،

دوش سلطان چرخ آئینہ فام	آنکہ دستور شاہ راست غلام
از کنار نبردگاہِ اُفق	چون بہ دست غروب داد زمام
دیدم اندر سوادِ طرۂ شب	گوشوار فلک ز گوشۂ بام
گفتم آن نعل خنگ (گھوڑا) دستور (وزیر) است	قرۃ العین و فخر آل نظام

لیکن یہ تشبیہ اور گریز منطقی رازی سے ماخوذ ہے، وہ کہتا ہے،

مہِ گردون نگر بیمار گشتہ	کہ نالید و تنش بگرفت نقصان
بسانِ گوی سیمین بود اکنون	بر آمد بر فلک چون نوکِ چوگان
تو گفتی خنگِ صاحب (ممدوح) تاختن کرد	فگند این نعل تر زین در بیابان

اس مین جو لطافت اور ندرت ہے انوری کے ہان نہین، ظہیر فاریابی نے بھی اس تشبیہ کو لیا ہے لیکن چند اور تشبیہین اضافہ کرکے اسکو زیادہ دلاویز کردیا ہے،

پیدا شد از کرانۂ میدان آسمان	شکل ہلال چون سر چوگان شہریار

من باخرد بہ حجرۂ خلوت نشستہ تم	گفتم کہ اے نتیجۂ الطافِ کردگار
بازاین چہ نقش بوالعجب وشکل نادرست	کز کار گاہِ غیب ہمے گردد آشکار
گردون زجامہ کہ؟ بریدہ است این طراز	گیتی ز ساعد کہ؟ ربودہ است این سوار
گفت انچہ برشمردی ازان جملہ ہیچ نیست	دانی کہ چیست با تو بگویم بہ اختصار
نعلِ سمند شاہِ جہان ست کاسمان	ہر ماہ بر سرش نہد از بہرِ افتخار

وطن کی ناقدری مین انوری کا مشہور شعر ہے،

بشہر خویش درون بے خطر بود مردم	بکانِ خویش درون بے بہا بود گوہر

لیکن یہ بالکل میر معزی کے شعر کا سرقہ ہے،

مردم بشہر خویش نہ دارد بسے خطر　　گوہر بکان خویش ندارد بسے بہا

غرض انوری کی پیغمبری کے ثبوت مین کوئی معجزہ موجود نہین، البتہ اپنے معاصرین یعنی ادیب صابر، ازرقی، لامعی، رشیدالدین وطواط، عبدالواسع جبلی، معزی وغیرہ سے بعض باتون مین ممتاز ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اور شعرا کی طرح اسکا کلام مدح پر محدود نہین، وہ ہر طرح کے واقعات اور معاملات ادا کرتا ہے، جس سے زبان کو وسعت حاصل ہوتی ہے آج کوئی شخص اگر عام معاملات ادا کرنا چاہے، تو اُسکو الفاظ مین، بندش مین، ترکیب مین، انوری کے سوا اور شعرا کے کلام سے بہت کم مدد ملیگی،

ایک قصیدہ مین شاعری کی بُرائی اور اُسکا غیر ضروری ہونا بیان کیا ہے،

اس مین وہ تمام خیالات ظاہر کیے ہین جوآج کل شاعری کے بیکار ثابت کرنے مین پیش کیے جاتے ہین، اسنے ثابت کیا ہو کہ شاعر کا رتبہ حلال خور سے بھی کم ہے، اسلیے کہ حلال خور دنیا کے لیے ضروری ہے لیکن شاعری کی کیا ضرورت ہے؟ ایک ادنیٰ سی چیز کے بنانے مین بواسطہ اور بلاواسطہ سیکڑون آدمی کی شرکت کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن شاعر کونسا کام انجام دیسکتا ہے۔ مدحیہ شعر کہہ کر صلہ کا طالب ہونا کس قدر لغو ہے ممدوح نے کب کہا تھا کہ تم اسکی مدح کرو البتہ وہ شاعر قدر کی قابل ہو جو کسی کی مدح وغیرہ نہین کرتا ان تمام خیالات کو **انوری** نے نہایت صفائی اور برجستگی سے ادا کیا ہے

ای برادر بشنوی رمزی ز شعر و شاعری — تا ز ما مشتی گدا کس را بمردم نشمری

زان کہ از کناس ناکس در ممالک چارہ نیست — حاش للہ تا ندانی این سخن را سرسری

زانکہ گر حاجت فتد تا فضلہ را کم کند — تا قلی باید، تو نتوانی کہ خود بیرون بری

کار خالد کے بجعفر مے شود ہرگز تمام — آن یکی جولاہگی داند دگر بزازی گری

باز گر شاعر نباشد، ہیچ نقصان نافتد — در نظام عالم از روی خرد گر بنگری

آدمی را چون مؤنت شرط کار شرکت است — نان ز کناسی خوری بہ زان بود کز شاعری

آن شنیدستی کہ سہ صد کس بباید پیشہ ور — تا تو نادانستہ و بی آگہی نانی خوری

در ازای آن اگر از تو نباشد یا سیے (مقابل) — آن نہ نان خوردن بود، دانی چہ باشد مدبری

چون نداری بر کسی حقی حقیقت دان کہ ہست — ہم تقاضا ریش گاوی ہم بجا

از چہ واجب شد بگو؟ آخر برین آزاد مرد — اینکہ میخواہی ازو، یا آنکہ زو مستکبری

او ترا کے گفت؛ کاین گلترہ ہا را جمع کن — تا ترا لازم شود چندان حکایت گستری

عمر خود خود بیکنی ضایع ازو تاوان مخواہ — ہم تو حاکم باش تا ہم زان کہ بفروشی خری

دشمنِ جانِ من آمد شعر چندش پرورم — اے مسلمانان فغان از دست دشمن پروری

شعر دانی چیست؟ دور از روی تو حیض الرجال — قائلش گو خواہ حیوان باش و خواہی مشتری

این کہ پرسد ہر زمان این کون خران گاو ریش — کانوری بہ یا فتوحی در سخن یا سنجری

راستی بوفراس آمد نگار شاعران — دان نہ از خبث سخن بل از کمال قادری

زانکہ ہمچون دیگران ہیچ و ثنا ہرگز نگفت — پس مرنج ار گویدت من دیگرم تو دیگری

مرد را باید کہ حکمت نیز دامن گیرش — تا شفاے بوعلی خواند نہ تر اثر بحتری

جس زمانہ مین غزون (تاتاریون) نے سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا اور کئی برس تک قید مین رکھا، تمام ملک مین بدامنی پھیل گئی، اہل خراسان نے احمد سلیمان سے استغاثہ کرنا چاہا انوری سے درخواست کی کہ ان عبرت انگیز واقعات کو نظم مین ادا کر دے، انوری نے فرمائش کی تعمیل کی،

بر سمرقند اگر بگذری اے باد سحر — نامۂ اہل خراسان بہ برِ خاقان بر

نامۂ مطلع او، رنج تن و آفت جان — نامۂ مقطع او درد دل و سوز جگر

نامۂ بر رقمش، آہ شہیدان پیدا — نامۂ در شکنش، خونِ شہیدان مضمر

تاکنون حال خراسان و رعایا بودہ ست — بر خداوندِ جہان خاقان پوشیدہ مگر

اے کیومرث بقا، بادشہ کسرے عدل — اے منوچہر لقا، خسرو افریدون فر

قصهٔ اہل خراسان بشنو از سر لطف — چون شنیدی، ز سر رحم در ایشان نگر

این دل افگار جگر سوختگان می گویند — کاے دل و دولت و دین را ز تو شادی و ظفر

خبرت ہست کزین زیر و زبر شوم غزان — نیست یک تن ز خراسان کہ نشد زیر و زبر

بر بزرگانِ زمانہ شدہ، خردان سالار — بر کریمان جہان گشتہ لئیمان، مہتر

شاد الّا بدر مرگ نہ بینی مردم — بکر جز در شکم مام نیابی دختر

بر مسلمانان زان شکل کنند استخفاف — کہ مسلمان نہ کند صد یک آن با کافر

خلق را زین غم فریادرس اے شاہ نژاد — ملک را زین ستم آزاد کن اے پاک سیر

رحم کن رحم بر آن قوم کہ جویند جوین — از پس آنکہ نخوردندے از ناز شکر

رحم کن رحم بر آنہا کہ نیابند نمد — از پس آنکہ از اطلس شان بودے بستر

کسی دوست کو دعوت مین بلایا ہے اور نظم مین رقعہ لکھا ہے،

ندارد مجلس ما بے تو نورے — اگرچہ نیست مجلس درخور تو

چہ فرمائی چہ گوئی مصلحت چیست — تو آئی نزد ما؟ یا ما برِ تو؟

دربارداری اور دریوزہ گری سے توبہ کی تو یہ قطعہ لکھا،

من و این عہد کہ با قحبۂ رعنای جہان — بعد ازان عشق نبازم نہ بہود نہ بجد

قوت دادن اگر نیست مرا باکے نیست — قوت ناستدن ہست فللّٰہ الحمد

یعنی اگر دوسرون کو دینے کا مقدور نہین تو یہ قدرت تو ہے کہ دوسرون سے کچھ نہ لون، علم کی بیقدری پر اس طرح غصہ ظاہر کرتا ہے،

اے خواجہ مکن، تا تو انی طلب علم	تا در طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز	تا داد خود از کہتر و مہتر بستانی
فرعون و عذاب ابد و ریش مرصع	موسےؑ کلیم اللہ و چوبی و شبانی

یعنی فرعون کافر ہوکر داڑھی مین موتی پروتا تھا، اور حضرت موسےٰؑ کلیم اللہ ہوکر بکریان چراتے تھے،

عوام کی بے تمیزی، کو ایک فرضی قصہ مین ادا کرتا ہی،

روبہے می دوید در غم جان	روبہے دیگرش بدید چنان
گفت خیر است، باز گوی خبر	گفت خرگیری کند سلطان
گفت تو خر نۂ چہ می ترسی	گفت آرے ولیک آدمیان
می ندانند و، فرق می نہ کنند	خر و روباہ شان بود یکسان

شیخ سعدی نے "این ہم بچہ شتر است" کا لطیفہ غالباً یہین سے لیا ہی،

بات چیت، خط کتابت مین ایشیائی تکلفات سے انوری بھی تنگ آگیا تھا

چنانچہ کہتا ہے اور کس بے تکلفی سے کہتا ہے،

تکلف میانِ دو آزاد مرد	بود ناپسندیدہ و سخت کام
بیاتا تکلف بیک سو نہیم	نہ از تو رکوع و نہ از ما قیام
بسنت کنم اقتدا زین سپس	سلامٌ علیکم، علیکم سلام

ہجو — انوری کا اصلی مایۂ فخر ہجو ہے اور کچھ شبہ نہین کہ اگر ہجو گوئی شریعت ہوتی تو

انوری اُسکا پیغمبر ہوتا، ہجو مین اسنے نہایت اچھوتے، نادر، باریک، اور لطیف مضامین پیدا کیے ہین، ان ہجوؤن مین قوت تخیل جو شاعری کی سب سے ضروری شرط ہی صاف نظر آتی ہے، لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس صنف مین اسکا جو کلام زیادہ نادر ہے اُسی قدر زیادہ فحش ہے، سیکڑون اشعار ہین لیکن دو ایک کے سوا ایک بھی درج کرنیکے قابل نہین، کسی کو ایسا ہی شوق ہو تو آتشکدۂ آذر موجود ہے ہم اپنے دست و قلم کو اس سے آلودہ نہین کر سکتے، ایک آدہ ہجو فحش سے خالی بھی ہے، وہ حاضر ہی،

پہلے ایک شخص کی مدح لکھی پھر صلہ کا تقاضا کیا، اسکے بعد ہجو کی دہمکی دی، دیکھو کس لطیف طریقہ سے ادا کیا ہے،

سہ بیت رسم بود شاعران طامع را	یکے مدیح و دگر قطعۂ تقاضائی
اگر بداد سوم شکر، ورنہ داد ہجا	ازین سہ بیت دو گفتم، دگر چہ فرمائی

یعنی شاعرون کا قاعدہ ہے کہ تین نظمین لکھتے ہین، اول مدح پھر قطعۂ تقاضائی جسمین صلہ کا تقاضا ہوتا ہے، اب ممدوح نے صلہ دیا تو شکریہ ورنہ ہجو ان تین نظمون سے، مین دو تو کہہ چکا، فرمایئے اب کیا ارشاد ہوتا ہی،

گھوڑے کی ہجو لکھتا ہی،

برعادت از وثاق بصحرا بُرون شدم	بایک دو آشنا ہم از ابنای روزگار
اسپے چنانکہ داتی زیر از میانہ زیر	وز کاہلی کہ بود نہ سکسک نہ راہوار

در خفت و خیز ماند ہمہ راہ عید گاہ	من گاہ از پیادہ و گاہے براد سعار
نہ از غبار خاستہ بیرون شدے بزور	نہ از زمین خستہ برانگیختے غبار
گہ طعنۂ از این کہ رکابش دراز کن	گہ بذلۂ از آن کہ عنانش فرو گذار
من والۂ و خجل متحیر فرو شدہ	چشمے سوے یمینم و گوشے سوے سوار

سودانے گھوڑے کی ہجو مین جو قصیدہ لکھا ہے اسی کا تتبع ہے، چنانچہ بحر و قافیہ بھی یہی ہے،

نکتہ، انوری کے دیوان مین چند ہجوین، انوری کی بیوی اور بیٹے کی بھی پائی جاتی ہین، عام لوگون کا خیال ہے کہ انوری کو ہجو کا ایسا چسکا پڑ گیا تھا کہ بیوی اور بیٹے کو بھی نہ چھوڑ سکا، لیکن غالباً اور شعرا نے یہ ہجوین لکھ کر اُسکے دیوان مین داخل کر دین، اور چونکہ پبلک اُسکی دشمن تھی اسلیئے وہ اسی طرح قائم رہ گیئن، اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فتوحی مروزی نے انوری کے نام سے بلخ کی جو ہجو لکھ کر مشہور کر دی وہ آج تک انوری کے دیوان مین داخل ہے، حالانکہ ابو الحسن فراہانی شارح قصائد انوری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ وہ ہجو، فتوحی مروزی کی تصنیف ہے

انوری علوم عربیہ مین کمال رکھتا تھا، اسلیے اسکے کلام مین یہ خصوصیت خودبخود پیدا ہو گئی ہے کہ عربی تلمیحات، عربی جملے، عربی الفاظ، اس خوبی سے شامل کرتا ہے کہ گویا انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے، ملاحظہ ہو،

شاعری، داغی کہ ای قوم کردند آن کہ بود	اولش شان امرء القیس، آخرش تا بو فراس

دین کہ من خادم ہمی پردازم اکنون سالہاست ۔۔۔ سامری گوہ تا باید گوشمال لامساس

سنائی کے قصیدے کا جو جواب لکھا ہے اس میں اکثر قافیے اسی قسم کے آئے ہیں، مثلاً۔

بر وجان پدرتن در شیبت دہ کہ دیر افتد ۔۔۔ زیا جوج تمنا رخنہ در سدّ دلو نسیں
بلے از ذجاهدو ایکسر بدست تست این شتر ۔۔۔ ولیک از جاهدوا ہم بر نخیزد ہیچ بزفینا
چون مراد خویش را با ملک رے کردم قیاس ۔۔۔ در خراسان تازہ بنہادم اقامت (یعنی جاءم وا قفینا) اساس
چون غنیمت را مقابل کردہ شد با الیمنی ۔۔۔ عقل سی روز و طمع ما ہے بود گا اسا بو اس
انظر ونا نقتبس من نورکم کے گفت چرخ ۔۔۔ کافتاب از آفتاب ہمت کرد اقتباس
تا کہ باشد این مثل کالیاس احدی الراحتین ۔۔۔ بادے اندر راحتے کو را نباشد ہیچ یاس
بے سپیدہ دم شب خذلان مخوہت چنانکہ ۔۔۔ تا بصبح حشر میگو یا احادٌ ام سد اسٌ

متنبی کے اس مطلع کی طرف اشارہ ہے احادٌ امر سداسٌ فی احاد۔

دوستان با یک جگر پُرخون کہ انیک قد مضٰی ۔۔۔ دشمنان با یکد گر پُرخندہ کانیک قد ھلک

آدم از نسبتِ وجودتو یافت ۔۔۔ اختصاصِ خلقتہ بیدی
دوش با آسمان ہمے گفتم ۔۔۔ بر سبیل سوال مطلب اینے
کاے علی اخرج این حشم بر کیست ۔۔۔ ہمت گفت قد ضمنت علی
میر آب ست وحق ہمے گوید ۔۔۔ کہ من الماء کل شئ حَے
خصم تو و قاعدۂ ملک او ۔۔۔ آن شدہ از بد وجہان مستقیم

چون دو بنا بود بر افراشتہ زلزلۂ قہر توشان کرد پست	زان دو یکے محدث و دیگر قدیم زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم

جو لوگ انوری کی پیغمبری کے قائل ہین وہ اسکے ثبوت مین اُسکی مضمون آفرینیون سے استدلال کرتے ہین،

متنبی نے مضمون باندھا تھا کہ ممدوح گو انسانون مین داخل ہے لیکن انسانون سے فائق ہی جس طرح نافہ کہ ہرن کے خون سے بنا ہے، لیکن خون سے اسکو کچھ نسبت نہین ہے،

فان تفق الانام و انت منھم　　فان المسک بعض دم الغزال

اس سے ترقی کر کے شراب و انگور کی مثال دی،

فان فی الخمر معنیً لیس فی العنب

یعنی گو شراب انگور سے بنتی ہے لیکن یہ انگور سے بڑھ کر ہے، ممدوح کا بھی یہی حال ہی

انوری نے ان سب تشبیہون کو گرد کر دیا،

در جہانی و از جہان بیشی　　ہمچو معنی کہ در بیان باشد

یعنی اے ممدوح تو دنیا مین ہے لیکن دنیا سے زیادہ ہے جس طرح عبارت مین معنی ہوتے ہین کہ عبارت ذرا سی ہوتی ہے اور مضمون نہایت وسیع ہوتا ہی،

ز حرص خدمتِ او سرنگون ہمے آیند　　بوقتِ زادن از ارحام مادران طفلان

بچے عموماً مان کے پیٹ سے سر کے بھل پیدا ہوتے ہین، انوری اسکا سبب یہ قرار دیتا

ہے کہ انسان فطرۃً ممدوح کی خدمت کے خواہشمند ہین، اِسلیے دنیا مین آتے ہین تو سر کے بل آتے ہین، مبالغہ جو عوام کے نزدیک شاعری کی ایک اعلیٰ صفت ہے، انوری، اِس میدان مین سب سے آگے ہے،

ممدوح کی مدح مین ع اے بیش ز آفرینش و کم ز آفریدگار

ع چیست کان بر تو روا نیست مگر عزّ و جل

بزرگواری کاندر کمال قدرت خویش نہ ایزد ست و چو ایزد ز نہ رگ بے ہمتا ست

گر صبا از کف دست تو وزد وقت بہار درم افشان وہد از شاخ برون دست چنار

انوری اور یورپ انوری کی خوش قسمتی مین ایک نمبر یہ بھی اضافہ کرنا چاہیے کہ یورپ نے اِسکے کلام کے ساتھ نہایت اعتنا کیا، روس کے پروفیسر والن ٹن ژوکوسکی نے دسمبر ۱۸۸۳ء مین بمقام سینٹ پٹرسبرگ، انوری کے کلام اور اِسکی سوانح عمری پر ایک کتاب لکھی جسکا یہ نام ہے "میٹریلس فار اے بیوگرفی اینڈ کیرکٹرسٹک اسکیچ" یہ کتاب ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اسکے عنوانات حسب ذیل ہین،

دیباچہ	از صفحہ ا تا ۷	
مقدمہ	۸ تا ۲۹	
باب اول	از صفحہ ا تا ۳۰	اِس مین انوری کی سوانح عمری ہے،
باب دوم	از ۳۱ تا ۷۸	مشتمل بر خصوصیات انوری،
باب سوم	از ۷۹ تا ۹۶	مشتمل بر شروح کلام انوری

باب چہارم   از ۸۹ تا ۱۰۲   انوری کی زبان، اور تاریخ تصانیف

باب پنجم   از ۱۰۳ تا ۱۳۵   ترجمۂ قصائد انوری،

باب ششم   از ۱۳۵ تا ۱۳۷   ترجمۂ غزلیات انوری،

پروفیسر براؤن نے اس کتاب کا حال تفصیل سے لکھا ہے ناظرین اسکو ملاحظہ فرمائین اور غور کرین کہ اہل یورپ ہر زبان کے متعلق، کیا کیا نکتہ سنجیان اور دیدہ ریزیان کرتے ہین کہ ہم انکی تقلید بھی نہین کر سکتے،

نظامی

الیاس یوسف نام، ابو محمد کنیت، نظام الدین لقب، نظامی تخلص، باپ کا نام مؤید تھا وطن، عام طور پر گنجہ مشہور ہے، لیکن دراصل قم کے رہنے والے تھے، چنانچہ خود سکندر نامہ مین فرماتے ہین،

چو دُر گرچہ در بحر گنجہ گمم ولے از قہستان شہر قمم

قم کے اضلاع مین تفرش ایک ضلع ہے اصل وطن یہان تھا، لیکن چونکہ قم صدر مقام ہے اسلیے انتساب مین تفرش کے بجاے قم کا نام لیتے ہین، نظامی کے والد نے گو وطن چھوڑ کر گنجہ مین آئے، نظامی یہین پیدا ہوے، سال ولادت کسی نے بیان نہین کیا لیکن چونکہ بروایت صحیح سنِ وفات ۵۹۶ھ ہے اور اُنکی عمر عموماً ۶۳ برس کی بیان کیجاتی ہے اسلیے سال ولادت ۵۳۳ھ سمجھنا چاہیے،

نظامی کا خاندان، علمی خاندان تھا، انکے بھائی قوامی مطرزی مشہور شاعر ہین،[۱] ان کا ایک قصیدہ ہے جس مین تمام صنائع شاعری جمع کر دیے ہین،

نظامی نے ابتدا مین درسی علوم کی تحصیل کی، انکے کلام سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے

[۱] یہ ابن رازی اور لطف علی آذر کی تحقیق ہے لیکن سکندر نامہ کے جس شعر سے ابن رازی نے استدلال کیا ہے وہ موجودہ نسخون مین مذکور نہین تفرش کی مزید تفصیل اور نظامی کی جاے ولادت لطف علی آذر سے ماخوذ ہے

کہ علمی مسائل انکے پیش نظر ہین، خود بھی دعویٰ کرتے ہین،

ہر چہ ہست از دقیقہاے نجوم	بایکایک نہفتہاے علوم
خواندم و سر ہر ورق جستم	چون ترا یافتم ورق شستم

سلسلۂ طریقت مین واخی فرخ زنجانی سے بیعت تھی،

نظامی اگرچہ درویشانہ طبیعت رکھتے تھے، لیکن شاعری بھی ازل سے ساتھ لائے تھے، گھر مین پہلے سے شاعری کا چرچا تھا، اِسلیے درسی علوم سے فارغ ہوکر، تصنیف کا قلم ہات مین لیا تو حرف موزون نکلے مشق روز بروز بڑھتی گئی، اور کلام کا شہرہ دُور دُور پہنچا، یہانتک کہ اُس زمانہ کے تمام بڑے بڑے سلاطین نے اِن کی قدردانی کو لازمۂ سلطنت سمجھا، اور فرمائش کرکے اُنسے اپنے اپنے نام پر کتابین لکھوائین، اسباب اِسکے مقتضی تھے کہ سب سے پہلے قریبی دربار سے تعلق پیدا ہوتا، لیکن، یہ سعادت، دور والونکی قسمت مین لکھی تھی، سب سے پہلے جسکو یہ عزت نصیب ہوئی وہ بہرام شاہ[1] تھا، نظامی نے مخزن اسرار ۵۵۹ھ مین اسی کے نام پر لکھی، اور رصلہ مین اسنے پانچہزار اشرفیان، ایک قطار شتر، اور انواع و اقسام کے بیش قیمت کپڑے بھیجے،

[1] سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے منکوجک غازی کو جو قائم بامر اللہ کا منظور نظر تھا، ارزنجان، اور کماخ وغیرہ کے علاقہ کا حاکم مقرر کیا تھا، اسکے خاندان مین سے بہرام شاہ نے بہت جاہ و جلال حاصل کیا یہان تک کہ سلطان قلیچ ارسلان سلجوقی بادشاہ روم نے اسکو اپنی لڑکی بیاہ دی، بہرام شاہ نہایت فیاض اور بلند ہمت تھا، یہی بہرام، نظامی کا ممدوح ہے جسکے نام پر اُنھون نے مخزن الاسرار لکھی، (از ہفت اقلیم امین رازی)

مخزن کی تصنیف کے وقت، نظامی کا سن تقریباً ۲۵ برس کا تھا،

نظامی کا وطن گنجہ، سلجوقیون کی حدود حکومت مین واقع تھا، اور اُس زمانہ مین اس سلسلہ مین سلطان طغرل بن ارسلان فرمانروا تھا، وہ نہایت دلیر، شجاع اور عدل پرور بادشاہ تھا، علم و فضل مین بھی کمال رکھتا تھا، شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا، چنانچہ یہ رباعی اسکی مشہور ہے،

	دی روز جہان م صال جان افروزی		وامروز جہان فراق عالم سوزی	
	حیف است کہ در دفتر عمر ایام		آن را روزے نویسد، این ار وزی[1]	

طغرل نے سلطنت کا تمام کاروبار اتابک محمد بن ایلدگز کے ہات مین دیدیا تھا، جو ابتدا مین غلام تھا اور ترقی کرتے کرتے امیر الامراء کے منصب پر پہنچگیا تھا، محمد بن ایلدگز کا بھائی قزل ارسلان جس کی مدح مین ظہیر فاریابی کا یہ شعر مشہور ہے،

	نہ کرسی فلک نہد، اندیشہ زیر پاے		تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد	

کاروبار سلطنت مین برابر کا شریک تھا،

اس زمانہ مین نظامی نے شیرین خسرو کہنی شروع کی تھی، کتاب کا ابھی آغاز تھا کہ اسکے چرچے دور دور پھیل گئے، طغرل کو خبر ہوئی، اُسیوقت فرمان بھیجا کہ ایسی کتاب لکھئے کہ یادگار رہ جاے، چنانچہ دیباچہ مین لکھتے ہین،

	چو سلطانِ جہان شاہ جوان بخت		کہ برخوردار باد از تاج و از تخت	

[1] حبیب السیر

بہ سلطانی بہ تاج و تخت پیوست	بجای ارسلان بر تخت بنشست
من این گنجینہ را در می کشادم	بنای این عمارت مے نہادم
اشارت رنگے از درگاہ معمور	بشغل بندہ القا کرد منشور
کز ینسان تحفۂ عالی بسازد	کہ عقل از منتش گردن فرازد

جس زمانہ مین نظامی یہ مثنوی لکھ رہے تھے، انکے ایک دوست جو مذہب مین نہایت تعصب رکھتے تھے، انکے پاس آئے اور نہایت ناراضی کے لہجہ مین کہا کہ کافرون کے جھوٹے سچ قصے لکھنے سے کیا فائدہ،

فسون بت پرستان بفگن از مشت	فسون خوانی مکن بر ژند زردشت
در توحید زن کا وازہ داری	چرا رسم مغان را تازہ داری

لیکن نظامی نے جب مثنوی کے چند اشعار پڑھ کر سنائے، تو انھون نے بیساختہ کہا،

چنین سحرے تو دانی ساز کردن	بتے را کعبۂ اعجاز کردن

شیرین خسرو جب انجام کو پہنچی تو محمد بن یلدگز جو درحقیقت تاج و تخت کا مالک تھا، وفات کر چکا تھا اور اسکا بھائی قزل ارسلان اسکا قائم مقام مقرر ہوا تھا، اسکو شیرین خسرو کے تمام ہونے کی خبر پہنچی تو نظامی کی طلبی کا فرمان بھیجا، قاصد فرمان لیکر آیا، نظامی نے آداب شاہی کے مطابق فرمان کو پہلے سر پر رکھا، پھر تین جگہ بوسہ دیکر کھولا، چنانچہ شیرین خسرو کے خاتمہ مین خود فرماتے ہین،

مثال شاہ را بر سر نہادم	سہ جا بوسیدم و سر بر کشادم

اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہوے، اور دشت وبیابان طے کرتے ہوے قریبًا ایک مہینہ مین پایۂ تخت مین پہنچے، قاصد نے جاکر دربار مین اطلاع کی، قزل ارسلان نے شمس الدین محمد کو حکم دیا کہ خود جاکر اِن کو ساتھ لائے، دربار مین پہنچے تو دیکھا کہ مجلس عیش آراستہ ہے، ساز چھڑ رہے ہین، گانا ہو رہا ہے، بادہ وجام کا دور چل رہا ہی قزل ارسلان نے فورًا اُنکے ادب سے گانا بجانا بند کرادیا اور تخت سے اُٹھ کر تعظیم بجالایا پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا، ہر طرح کی باتین ہوتی رہین بیچ بیچ مین بزرگانہ نصیحتین بھی کرتے جاتے تھے، مدحیہ نظم لکھ کر لیگئے تھے، اُسکو سنانا چاہا قاعدہ یہ تھا کہ شعرا، اپنا کلام خود نہین پڑھتے تھے، بلکہ کسی خوش لہجہ سے پڑھواتے تھے جو ہمیشہ اُنکے ساتھ رہتا تھا اور اُسکو راوی کہتے تھے، چنانچہ راوی نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا، یہ بھی دستور تھا کہ جب قصیدہ پڑھا جاتا تھا تو شاعر کھڑا ہو جاتا تھا اور قصیدہ کے ختم ہونے تک کھڑا رہتا تھا، نظامی نے بھی اس قاعدہ کو بجالانا چاہا لیکن قزل ارسلان نے قسم دلاکر منع کیا

چو بر پا ایستادم گفت بنشین	بسوگندم نشاند این منزلت بین

راوی نے مدح کے بعد شیرین خسرو کا قصہ شروع کیا، بادشاہ، نظامی کے کندھے پر ہات رکھے ہوے نہایت شوق مین سُن رہا تھا اور بار بار بیساختہ تحسین کرتا جاتا تھا نظامی کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپنے ہمیشہ کے لیے میرا نام زندہ کردیا، اسکا صلہ دینا میرا فرض ہے پھر پوچھا کہ بھائی صاحب (اتابک پہلوان محمد بن ایلدگز) نے آپ کی جاگیر مین جو دو گانون دیے تھے وہ آپ کو ملے یا نہین، انھون نے کہا،

بلے شاہ سعید از خاص خویشم	پذیرفت انچہ فرمودی زبیشم
چو رخت عمر او کشتی روان کرد	مرا نے جملہ عالم رانہ یان کرد

قزل ارسلان نے ایک گانون جسکا نام حمدونیان تھا، اپنی طرف سے جاگیر مین دیا۔[1]

معلوم نہین، جان کر یا غلطی سے، گانون جو جاگیر مین دیا گیا وہ غیر آباد اور بنجر تھا، چنانچہ **نظامی** نے شیرین خسرو مین، اسکی شکایت اس تقریب سے کی ہو کہ حاسدون نے مجکو طعنہ دیا مین نے جواب مین کہا کہ غیر آباد ہے تو کیا، بادشاہ کا عدل اسکو آباد کر دیگا،

نظامی کی شہرت اب اسقدر عالمگیر ہو گئی تھی کہ اور سلاطین کو بھی آرزو ہوئی کہ ان سے اپنے نام پر تصنیفات لکھوائین کہ اس ذریعہ سے ان کا نام بھی یادگار رہ جاے، انہین علم و فضل کی قدر دانی کے لحاظ سے سب سے ممتاز منوچہر خاقان کبیر جلال الدنیا والدین شاہ اخستان تھا، جو سلاطین شروانیہ کے سلسلہ کا درۃ التاج تھا، یہ خاندان خالص ایرانی نسل یعنی بہرام چوبین کی یادگار تھا، منوچہر نہایت علم دوست اور علم پرور تھا، **خاقانی**، **ابو العلا گنجوی** (استاد خاقانی) ذو الفقار شروانی، شاہفور وغیرہ شعرا، اسی کے خوان کرم کے زلہ خوار تھے، ابو العلا گنجوی، اسی کے دربار کا ملک الشعرا تھا، اور خاقانی کو افضل الشعرا کا خطاب اسی نے عنایت کیا، منوچہر نے اپنے ہات سے نظامی کو دس پندرہ سطرون کا خط لکھ کر بھیجا کہ لیلی مجنونکی داستان نظم کیجئے، چنانچہ دیباچہ مین خود کہتے ہین،

[1] یہ تمام حالات تفصیل کے ساتھ خود نظامی نے شیرین خسرو کے خاتمہ مین لکھے ہین،

در حال رسید، قاصد از راہ	آورد مثال حضرت شاہ
نبشتہ بہ خط خوب خویشم	دہ پانزدہ سطر نغز بیشم
کاے محرم حلقۂ غلامی	جادو سخن جہان نظامی
خواہم کہ بیاد عشق مجنون	گوئی سخنے چو دُرِّ مکنون

خط پہنچا تو نظامی کو تردد ہوا، اتفاق سے اِنکے صاحبزادے محمد جنکی عمر اسوقت ۱۴ برس کی تھی، اسوقت موجود تھے، اُنھون نے بھی تحریک کی، نظامی نے کہا جان پدر، قصہ کی شہرت مین کلام نہین، لیکن جہان کی سرگذشت ہے وہان دلچسپی کا کوئی سامان نہین، باغ و بہار، چشمہ و سبزہ زار، رقص و سرود، شاہی دربار، خیل و حشم، جاہ و جلال، کسی چیز کا پتہ نہین، خشک ریگ زار، اور کوہستان ہین، مین کیا صنعت گری دکھاؤنگا،

نے باغ و نہ بزم شہر یاری	نے رود و نہ می نہ کامگاری
بر خشکی ریگ و سختی کوہ	تا چند سخن رود در اندوہ

یہی بھید ہے کہ آج تک کسی نے اس قصہ کو ہات نہین لگایا، صاحبزادہ نے کہا یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسا مؤثر اور عجیب و غریب واقعہ، نظم کی آرائش سے محروم رہ جائے، غرض نظامی نے بادشاہی ارشاد کی تعمیل شروع کی اور کچھ کم چار مہینے مین انجام کو پہنچائی، سال اتمام رجب ۵۸۴ھ ہے،

من گفتم و دل جواب می داد	خاریدم، و چشمہ آب می داد

این چار ہزار بیت و اکثر	گفتم بہ چہار ماہ کمتر
گر شغل دگر حرام بودے	در چاردہ شب تمام بودے
تاریخ عیان کہ داشت باخود	ہشتاد و چہار بود و پانصد ۵۸۴ھ

نظامی نے اس مثنوی کے صلہ مین بادشاہ سے یہ خواہش کی کہ انکے صاحبزادے ولیعہد سلطنت کے ندیمون اور مصاحبون مین داخل کئے جائین،

۱۴ رمضان ۵۹۳ھ مین سلطان غیاث الدین کرب ارسلان[1] علاء الدین آق سنقری کی فرمایش سے ہفت پیکر لکھی، جس مین بہرام گور کا قصہ ہے،

قزل ارسلان کے مرنے کے بعد، اسکا بھتیجا یعنی محمد بن ایلدکز کا فرزند ارجمند ابوبکر نصرۃ الدین ۵۸۷ھ مین مسند آرا ہوا، نظامی کو اس خاندان سے قدیم تعلق تھا اسوقت تک انھون نے جو کتابین لکھی تھین، سلاطین وقت کی فرمائش سے لکھی تھین، لیکن سکندرنامہ اپنی خواہش سے لکھا، اور ابوبکر نصرۃ الدین کے نام سے موسوم کیا یہ کتاب ۵۹۹ھ مین انجام کو پہنچی، چنانچہ خود سکندرنامۂ بحری کے خاتمہ مین لکھتے ہین

بہ پایان شد این داستان دری	بہ فیروز فالی و نیک اختری
ز ہجرت چنان بر دہم یادگار	نود نہ گذشتہ ز پانصد شمار

کتاب لکھ کر بادشاہ کے حضور مین پیش کی تو مقررہ رقم کے علاوہ، سواری کا گھوڑا بیش قیمت کپڑے خلعت وغیرہ عطا ہوا،[2]

[1] اسکا حال نہ معلوم ہو سکا ۱۲ [2] سکندرنامۂ بحری کے خاتمہ مین یہ تصریح ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر دیکھو)

اساتذہ سے مین نے سُنا ہے کہ سلاطین وقت نظامی کی اسقدر عزت کرتے تھے کہ ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی، انکے بیٹے سے بیاہ دی تھی، مین نے کسی کتاب مین یہ واقعہ نہین دیکھا، لیکن سکندرنامہ بحری کے خاتمہ سے اسقدر بہ تصریح ثابت ہوتا ہے کہ نظامی نے اپنی صاحبزادی اور اپنے فرزند محمد کو، نصرۃ الدین کی خدمت مین بھیجا تھا، چنانچہ کہتے ہین،

دو گوہر بر آمد ز دریاے من	فروزندہ از روی شان راے من
یکے عصمتِ مریمے یافتہ	یکے نور عیسےٰ بر و تافتہ
فرستادہ ام ہر دو را نزد شاہ	کہ یاقوت را دُرج دارد نگاہ
عروسے کہ دو را او ز مادر بود	برادر پدر دارش برادر بود
بباید چو آید بر شہریار	چنین پردگی را چنان پردہ دار
چو من نزل خاص تو جان دادہ ام	جگر نیز باجان فرستادہ ام

اخیر شعر سے صاف یہ راز کُھل جاتا ہے،

اس کتاب کی تصنیف کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس کی تھی، چنانچہ جہان اور حکما، کے مرنے کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے، اپنے نام کی بھی سرخی قائم کی ہے، اُسکے ذیل مین لکھتے ہین،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیکن تعجب ہے، کہ نقد رقم صرف ہزار لکھی ہو، اگر یہ ہزار دینار بھی فرض کر لیے جائین تب بھی ایسی رقم ہے جو نہ نظامی کے شایان ہو، نہ ایک مشرقی بادشاہ کے چہرے پر کھلتی ہو،

نظامی چو این داستان شد تمام	بہ عزم شدن تیز برداشت گام
فزون بود شش مہ ز شصت و سہ سال	کہ بر عزم رہ بر دہل زد دوال

اس کتاب پر اُن کی شاعری اور عمر دونوں کا خاتمہ ہوا، سال وفات مین سخت اختلاف ہے، دولت شاہی مین ۵۹۶ھ لکھا ہے، لیکن یہ خود نظامی کی تصریح کے خلاف ہے، تقی کاشی نے ۶۰۶ھ لکھا ہے، جامی ۵۹۲ھ بیان کرتے ہین، لیکن اسقدر قطعی ہے کہ ۵۹۹ھ کے بعد اُنکی وفات ہوئی ہے اور غالباً چھٹی صدی سے آگے نہین بڑھی،

چونکہ اُنھون نے تمام عمر گوشۂ عزلت سے قدم نہین نکالا، نہ لوگون سے زیادہ ملتے جُلتے تھے، اسلئے اُن کی زندگی کے حالات و واقعات بہت کم معلوم ہین، عام تذکرہ نویس، انکے اس وصف کے نہایت مداح ہین کہ وہ بادشاہون کی خوشامد اور درباردارای سے بالکل پاک تھے، البتہ جو سلاطین انکے ساتھ ارادت و اعتقاد کے ساتھ پیش آتے تھے اُن پر بزرگانہ عنایت کرتے تھے، لیکن ان کی کتابون مین سلاطین کی جو مدحین ہین اُن مین وہی حد سے زیادہ مبالغہ، خوشامد، اور تملق ہے جو عام مداحون کا انداز ہے، اس سے بڑھکر یہ کہ جس بادشاہ کا ذکر کرتے ہین، اس طرح کرتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اسکے سوا کسی دربار سے تعلق نہین اور وہ اسکو فرمانروای عالم سمجھتے ہین بے شبہ انھون نے مدحیہ قصائد نہین لکھے لیکن مثنویون مین اس زور کی مدحین لکھین جنکے آگے قصائد کی کوئی ہستی نہین، ملاحظہ ہو،

ولایت ستان شاہ گیتی پناہ	فریدون کمر بلکہ خاقان کلاہ

ستارہ کہ برچرخ ساید سرش	زدہ سکۂ عبدہٗ بر درش
چو تیر از کمان کمین افگند	سر آسمان بر زمین افگند
فرنگ و فلسطین درہبان روم	پذیرا اے فرمان مہرش چو موم

اس سے زیادہ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ بادشاہون کے سامنے اپنے آپ کو، جس حیثیت سے پیش کرتے ہین، وہی ہوتی ہے جو گدا پیشہ شاعرون کا انداز ہے یعنی حضور کا نمک خوار ہون، غلام ہون، بندۂ درگاہ ہون، حضور کی ذراسی توجہ سے میرے سارے کام بنجائین گے، حضور ہی میری مشکلون کو حل کرسکتے ہین،

کلام پنج گنج کے سوا، نظامی کا اور بہت سا کلام تھا جو آج مفقود ہے، دولت شاہ کا بیان ہے کہ اس مین غزلین، موشحات اور صنائع کے بیس ہزار شعر تھے تذکرون مین چند قصائد، قطعات، اور غزل کے جستہ جستہ اشعار پائے جاتے ہین، تعجب یہ ہو کہ عشقیہ شاعری کی نقش آرائیان انہی کی بدولت وجود مین آئین، لیکن غزلین پھیکی اور بے مزہ ہین ملاحظہ ہو،

خوشا جانے کز و جانے بیاسود	نہ درویشے کہ سلطانے بیاسود
نکوئی کن بنکو رے بماناد	کہ از لبہاش ذندانے بیاسود
بہ عمر خود پریشانی مبیناد	دلے کز وے پریشانے بیاسود
مرا گوئی کہ چونی بے چونم اے دوست	جگر پر درد و دل پرخونم اے دوست
شنیدم عاشقان را اے نوازی	گر من زان میان بیرونم اے دوست

پیش تو کردہ ام عیان حال تباہ خویش را ‏ ‏ تا تو نصیحتے کنی چشم سیاہ خویش را
سرزنشم مکن کہ تو شیفتہ تر ز من شوی ‏ ‏ گر نگری در آئنہ روے چو ماہ خویش را

ختنی جمالی اے مہ زحبش چہ نام داری ‏ ‏ تو بجز خطے و خالے زحبش کدام داری
حبشی ام نہ در تن ہمہ سوخت است خنم ‏ ‏ ختنی تو لی کہ در بر ہمہ سیم خام داری
حبشی است رنگ مویت ختنی است رنگ رویت ‏ ‏ تو میان این دو کشور بہ کجا مقام داری
حبشی سفید نبود، ختنی نمک نہ دارد ‏ ‏ تو بغایت سفیدی نمکے تمام داری

انہی بوڑھے غمزون مین، کبھی کبھی ٹرے شوخ جملے بھی زبان سے نکل جاتے ہین،

بوسہ می خواہم ازان لب تو چہ می فرمائی ‏ ‏ گر صواب است بگو ورنہ خطاے بکنم
مین لب کا ایک بوسہ چاہتا ہون کہیے کیا راے ہے، ‏ ‏ مناسب ہو تو بہتر، ورنہ نامناسب ہی کیا جاے،

قصیدے بہت ہین، لیکن ان مین بھی کوئی خاص بات نہین، سنائی کا انداز ہے، اخلاق اور تصوف کو ترکیب دیکر کہتے ہین، لیکن سنائی سے بہت پیچھے ہین، اس لیے مقبول نہ ہو سکے، البتہ ایک قطعہ نہایت صاف، شستہ اور پر لطف کہا ہے جس کا آج تک جواب نہ ہو سکا،

دوش رفتم بہ خرابات دمرا راہ نبود ‏ ‏ می زدم نالہ و فریاد کس از من نشنود
یا نہ بد ہیچ کس از بادہ فروشان بیدار ‏ ‏ یا کہ من ہیچ کسم ہیچ کسم، در نگشود
پاسے از شب بگذشت بیشترک، یا کمتر ‏ ‏ رندے از غرفہ برون کرد سر و رخ بنمود
گفت خیر است ازین وقت کرا میخواہی ‏ ‏ بے محل آمدنت بر در ما بہر چہ بود

گفتمش در بگشا، گفت برو ہرزہ مگوی
کاندرین وقت کسے بہر کسے در نگشود

این نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش بکشایند
کہ تو دیر آئی واندر صف پیش استی زود

این خرابات مغان ست درو رندانند
شاہد و شمع و شراب و شکر و نای و سرود

ہرچہ در جملۂ آفاق درینجا حاضر
مومن و برہمن و گبر و نصارا و یہود

گر تو خواہی کہ دم از صحبت ایشان بزنی
خاک پاے ہمہ شو تا کہ بیابی مقصود

عصمت بخاری اور عرفی نے توافی بدل کر اسکا جواب لکھا ہے لیکن جواب نہو سکا عصمت کا قطعہ یہ ہے،

سرخوش از کوی خرابات گذر کردم دوش
بطلب گاری ترسا بچۂ بادہ فروش

پیشم آمد بسر کوچہ پری رخسارے
کافرے عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش

گفتم این کوی چہ کوی است و ترا خانہ کجاست
اے مہ نو خم ابروی ترا حلقہ بگوش

گفت تسبیح بخاک افگن و زنار ببند
سنگ بر شیشۂ تقوی زن و پیمانہ بنوش

بعد ازان پیش من آتا بتو گویم سخنے
راہ بنمایم اگر بر سخنم داری گوش

دین برافگندہ و مدہوش و دویدم در پیش
تا رسیدم بمقامے کہ نہ دین ماند و نہ ہوش

دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست
از خم بادۂ عشق آمدہ در جوش و خروش

بے می و مطرب و ساقی ہمہ در عیش و سرود
بے می و جام و صراحی ہمہ در نوشا نوش

چون سر رشتۂ ناموس برفت از دستم
خواستم تا سخنی پرسم ازو گفت خموش

این نہ کعبہ است کہ بے پا و سر آئی بطواف
وین نہ مسجد کہ چنین بے ادب آئی بخروش

این خرابات مغان است درو رندانند		از دم صبح ازل تا بقیامت مدہوش

قصیدہ مین ان کی یہ خصوصیت لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ ان کو مختلف درباروں سے تعلق تھا، اور جسقدر مثنویاں لکھین سب کسی نہ کسی فرمانروا کے نام پر لکھین، تاہم قصیدہ کو اُنھون نے مداحی سے آزاد رکھا، اور یہ بتایا کہ شعر کی اس عمدہ صنف سے اور بھی مفید کام لیے جاسکتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ اُسکے نقش قدم پر کوئی نہ چلا، قصیدے اُسوقت سے آج تک خوشامد کی طرز مین ادا کیئے جاتے ہین،

نظامی کی شاعری

نظامی نے شاعری کو جس طرح ترقی دی اور جو باتین اس مین پیدا کین اُنکو ہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین، لیکن پہلے اُن سب کو اجمالاً لکھدینا چاہیے تاکہ یکجائی طور سے سب باتین پیش نظر ہو جائین، اُن کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

(۱) جامعیت، یعنی شاعری کی ہر صنف کو اُنھون نے ترقی دی،

(۲) زور کلام،

(۳) بلاغت،

(۴) جدت استعارات اور تشبیہات،

(۵) ایجاد و اختراع اور قوت تخئیل،

(۶) اولیات یعنی بہت سی باتین اول انہی نے ایجاد کین،

اب ہم ایک ایک کو تفصیل سے لکھتے ہین،

جامعیت | ایران مین جس قدر شعرا گزرے ہین وہ خاص خاص انواع شاعری مین کمال رکھتے تھے، مثلاً فردوسی رزم کا مرد میدان ہے، عشقیہ شاعری مین اُسکو کمال نہین سعدی اخلاقی اور عشقیہ شاعری کے پیغمبر ہین، لیکن رزم مین پھیکے ہین، چنانچہ سکندر نامہ کی طرز پر شاطر اصفہانی کی جو حکایت بوستان مین لکھی ہے اگرچہ اس مین اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے لیکن وہ بودھا پن نہین جاتا، ایک مصرع نہایت زور شور کا ہے دوسرے مین دفعۃً پست ہو جاتے ہین، خیام صرف فلسفہ لکھ سکتا ہے، حافظ صرف غزل لکھ سکتے ہین، بخلاف اسکے نظامی نے رزم، بزم، فلسفہ، عشق، اخلاق، سب کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہی لاجواب لکھا ہے، البتہ مدح اِن سے نہین بن پڑتی، لیکن مدح کوئی شاعری نہین شاعر بھاٹ نہ ہو تو اُس کی شاعری مین کیا نقص ہی،

نظامی کی انواع شاعری پر الگ الگ بحث آگے آتی ہی،

اولیات، نظامی بہت سی باتون کے موجد ہین،

مثلاً سب سے پہلے انہی نے پانچ مختلف بحرون مین مثنویان لکھین، جسکی تقلید اُسوقت سے آج تک تمام بڑے بڑے شعرا کرتے آئے ہین، چنانچہ انکے خمسہ پر تمام اکابر شعرا نے خمسہ لکھا ہے،

مخزن اسرار اور ہفت پیکر کی بحر کو اول انہی نے مثنوی مین داخل کیا،

سب سے پہلے انہی نے ایک مثنوی (مخزن اسرار) مین پانچ نعتین لکھین، اور

ہر ایک کا جُدا رنگ ہی،

سب سے پہلے انہی نے فلسفیانہ مباحث کو نظم کیا،

سب سے پہلے انہی نے ساقی نامہ کا خاکہ قائم کیا،

سب سے پہلے اُنہی نے قصیدہ کو مدح سے پاک کیا،

زور کلام

نظامی سے پہلے شعرا کا کلام، صفائی، سادگی، شستگی تک محدود رہا تھا، اور انہی چیزون کے کمال سے شاعری کے کمال کا اندازہ کیا جاتا تھا **نظامی** پہلے شخص ہین جس نے ترکیبون مین چستی اور کلام مین زور، بلندی، اور شان و شوکت پیدا کی، عرفی اور ابو الفضل کی نظم و نثر کا زور مشہور ہے مگر دونون پر **نظامی** ہی کا اثر ہے یہان تک کہ طغرا نے کہدیا کہ ابو الفضل نے سکندر نامہ ہی کو لیکر نثر کر دیا ہی،

فردوسی کے زمانہ تک روزمرہ اور بول چال کی زبان خالص فارسی تھی، چنانچہ مثنویون کی زبان وہی رہی، البتہ قصائد مین جس سے لفاظی اور علمی قابلیت کا اظہار بھی مقصود ہوتا تھا، عربی الفاظ اور ترکیبین کثرت سے شامل ہو جاتی تھین، یہانتک کہ علوم عربیت کے گھر گھر پھیل جانے سے روزمرہ کی زبان بھی وہی مخلوط العربیۃ فارسی ہو گئی اب عربی الفاظ کا جدا کرنا، فارسی زبان کا بدمزہ اور بے اثر کر دینا تھا، اسلیئے **نظامی** نے اس باب مین **فردوسی** کی تقلید نہین کی، بلکہ اُسی زبان کو لیا جو ملک اور قوم کی عام زبان تھی، لیکن انکی نکتہ سنجی یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے جو لفظ انکے ہان آتے ہین، وہ ہوتے ہین کہ اسکا ہم معنی کوئی لفظ اس انداز اور شان و شوکت کا تمام زبان مین نہین،

ملسکتا، یہی بات ہے کہ انکے کسی مضمون کو، جب کوئی شاعر اپنے لفظون مین ادا کرنا چاہتا ہی تو وہ شان قائم نہین رہتی، مثلاً اُنکا یہ شعر کمند کی تعریف مین ہی،

کمند، اژدہائے مسلسل شکنج		دہن باز کردہ بہ تاراج گنج	

سعدی اسی مضمون کو لیکر یون تصرّف کرتے ہین،

بر صید شیر بران پر خاشش ساز		کمند، اژدہاے دہن کردہ باز	

دونون کے مضمون اور معنی مین جو فرق ہی اُس سے یہان بحث نہین، لیکن الفاظ کی ساخت اور ترکیب پر غور کرو، کسقدر فرق ہے، مسلسل، شکنج، تاراج، گنج، یہ الفاظ، اور اُن کی پُر زور ترکیب، سعدی کے ہان کہان ہی،

فردوسی، سعدی اور نظامی کے ہان جو مضامین مشترک ہین، اُنکا باہم موازنہ کرو، بلاغت سے قطع نظر، الفاظ کی شکوہ و شان اور ترکیبون کی چستی اور نظم و نسق مین نظامی کا کلام علانیہ ممتاز نظر آئیگا، نمونہ کے لیے ہم صرف دو ایک مثالین درج کرتے ہین،

فردوسی خدا کی ذات اور عالم غیر عنصری کے ادراک کی حد سے خارج ہونے کو اس طرح ادا کرتا ہے،

نیابد بدو نیز اندیشہ راہ		کہ او برتر از نام واز جایگاہ	
سخن ہر چہ زین گوہران بگذرد		نیابد بدو راہ جان و خرد	
ازین پردہ برتر سخن گاہ نیست		بہ ہستیش اندیشہ را راہ نیست	

نظامی اسی مضمون کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین،

اساسے کہ در آسمان و زمی است	بہ اندازہ فکرت آدمی است
شود فکرت اندازہ را رہنمون	سر از حد اندازہ نارد برون
بہر پایۂ دست چندان رسد	کہ آن پایہ را حد بپایان رسد
چو پایان پذیرد حد کائنات	نماند در اندیشہ دیگر جہات
نیندیشد اندیشہ افزون ازین	کہ ہستی نہ، بلکہ بیرون ازین

اسی مضمون کے قریب قریب یہ اشعار ہین،

چنان برکشیدی و بستی نگار	کہ بہ زان نیارد خرد در شمار
چنان بستی این طاق نیلوفری	کہ اندیشہ را نیست زو برتری
چنان آفریدی زمین و زمان	ہمان گردش انجم و آسمان
کہ چندان کہ اندیشہ گردد بلند	سر خود برون ناورد زین کمند

شاید تم کو خیال ہو کہ فردوسی کے بہت سے الفاظ، اب نامانوس ہین، نظامی انکے بجاے متداول الفاظ لاتے ہین، اسکے سوا، نظامی کو یہ موقع حاصل ہی کہ جہان فارسی الفاظ سے شان وشکوہ نہ پیدا ہو سکے، وہان عربی الفاظ سے کام لین، فردوسی، اپنے التزام کی وجہ سے ایسا نہین کرسکتا، لیکن یہ خیال صحیح نہین، نظامی جہان خود فردوسی کی بولی بولتے ہین، وہان بھی یہ فرق قائم رہتا ہی، عناصر کی ابتدا اور انکی ترکیب کو دونون نے لکھا ہے اور خالص سادہ فارسی مین لکھا ہی، **فردوسی**

از آغاز باید کہ دانی درست	سرمایۂ گوہران از نخست

یکے آتشے بر شدہ تابناک	میان باد، و آب از بر تیرہ خاک
نخستین کہ آتش زجنبش دمید	زگرمیش بس خشکی آمد پدید
وزان پس زآرام سردی نمود	زسردی ہمان بازتری فزود
چو این چار گوہر بجاے آمدند	زبہر سپنجی سراے آمدند
گہر ہا یک اندر دگر ساختہ	زہر گونہ گردن بر افراختہ

یعنی عناصر (گوہر) کی ابتدا یون ہوئی کہ پہلے آگ بلندی پر پیدا ہوئی، اسکے پیچھے ہوا، پھر پانی، پھر خاک، آگ حرکت سے پیدا ہوئی، اس کی حرارت کی وجہ سے یبوست پیدا ہوئی پھر سکون کی وجہ سے برودت کا وجود ہوا، برودت نے رطوبت پیدا کی، یہ عناصر باہم ترکیب پاکر عالم بنا، نظامی

زگشت سپہر آتش آمد پدید	کہ آتش بہ نیروی گرمش دمید
زنیروے آتش ہواے کشاد	کہ مانند او گرم دارد نہاد
بہ بادے گرایندہ شد گوہرش	کہ گردندگی دور بود از برش
چکید از ہوا ترے در مغاک	پدید آمد آبے چنان نغز و پاک
چو ہر چار گوہر بہ امر خداے	گرفتند بر مرکز خویش جاے
مزاج ہمہ در ہم آمیختند	وزو رستنیہا برانگیختند

ان اشعار مین امر، مرکز، مزاج، کے سوا، باقی تمام الفاظ فارسی ہین، لیکن فردوسی کے الفاظ اور ترکیب الفاظ مین وہ بلندی اور شان نہین، جو نظامی کے ہان ہی گشت سپہر، نیرو،

نہاد، گرائندہ، گردندگی، مغاک، نغز، ان الفاظ اوران کی حسن ترکیب نے جو بات پیدا کی مذاق صحیح اسکا اندازہ کرسکتا ہی

اسی مضمون کو ایک اور جگہ لکھا ہی،

نخستین طلسمے کہ پرداختند	زمین بود و ترکیب از و ساختند
چو نیروی جنبش در دکرد کار	با فسردگی زود آمد بجار
از و ہرچہ رخشندہ و پاک بود	سزاوار اجرام افلاک بود
دگر بخشہا کان بلندی نداشت	بہر مرکزے مایۂ می گزاشت
یکے بخش از و آتش روشن ست	کہ بالاترین طاق این گلشن ست
دگر بخش از و باد جنبندہ خو است	کہ تا او نہ جنبد نداند کو است
سوم بخش از و، آب راوق پذیر	کہ ہستش ز راوق گری ناگزیر

ان اشعار مین اکثر فلسفیانہ اصطلاحات کو عربی کے بجاے فارسی مین ادا کیا ہی، مثلاً

عربی	فارسی	عربی	فارسی
قوتِ حرکۃ	نیروی جنبش	قسر	افسردگی
نوع	بخش	مادہ	مایہ
متحرک بالطبع	جنبندہ خو	سیال	راوق پذیر

نظامی کے اشعار کا سعدی سے مقابلہ کرو، تو یہ فرق اور واضح ہو جاتا ہی، مثلاً

نظامی انقلابات زمانہ اور واقعات عالم کی عبرت انگیزی کو اس طرح ادا کرتے ہین،

فلک بر بلندی زمین بر مغاک	یکے طشت خون شد، یکے طشت خاک
نوشتہ برین ہر دو آلودہ طشت	زخون سیاوش بسے سرنوشت

سعدی اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہین،

زدم تیشہ یک روز بر تل خاک	بگوش آمدم نالۂ دردناک
کہ زنہار اگر مردی آہستہ تر	کہ چشم و بناگوش و روی است و سر
جوانی شد و زندگانی نماند	جہان گو ممان چون جوانی نماند

عہد شباب کی حسرت کو دونون نے لکھا ہی، نظامی کہتے ہین،

چو باد خزانی در افتد بہ باغ	زمانہ دہد جاے بلبل بزاغ
بود برگ ریزان چو شاخ بلند	دل باغبان زان شود دردمند
بنال اے کہن بلبل سالخورد	کہ رخسارہ سرخ گل گشت زرد
دوتا شد سہی سرو آراستہ	کدیور شد از باغ برخاستہ
فرو ماند دستم ز بے خواستن	گران گشت پایم ز برخاستن
تنم گونۂ لاجوردی گرفت	گلم سرخی انداخت زردی گرفت
ہیون رونده زره ماند باز	ببالین گہ آمد سرم را نیاز

سعدی لکھتے ہین،

چو باد صبا بر گلستان وزد	چمیدن درخت جوان را سزد
نزیبد مرا با جوانان چمید	کہ بر عارضم صبح پیری دمید

شمار است نوبت برین خوان نشست	کہ ما از تنعم بشستیم دست
گل سرخ رومیم، نگر زرناب	فرو رفت چون زرد شد آفتاب
گلستان ما را طراوت گزشت	کہ گلدستہ بند دچو پژمردہ گشت

قوت تخیل شاعری کے تمام نازک اور مشکل مقامات مین ان کی جدت اور اختراع کی عجیب وغریب صناعیان نظرآتی ہین، قصہ کے خاکے کھینچنے مین، ترتیب واقعات مین تمہید مین، واقعہ نگاری مین، بندش مضامین مین، تشبیہات مین، استعارات مین، مبالغون مین ہر جگہ نیا انداز نظر آتا ہے، اور ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی قوت تخیل (امخیلیش) کسقدر قوی اور زبردست ہے

بادشاہ کی مدح لکھتے ہین، اور یہ تمہید اٹھاتے ہین،

علم برکش اے آفتاب بلند	خرامان شو، اے ابر مشکین پرند
بنال اے دل رعد چون کوس شاہ	بخند اے لب برق چون صبحگاہ
بیار اے ہوا قطرۂ ناب را	بگیر اے صدف دُر کن آن آب لا
برآ اے دُر از قعر دریاے خویش	بہ تاج سر شاہ کن جاے خویش

قدیم خیال یہ تھا کہ آفتاب کی گرمی سے بخارات پیدا ہوتے ہین، اِس سے بادل پیدا ہوتی ہین، بادل برستا ہے تو سیپ کے مونھ مین جو قطرے پڑتے ہین، موتی بنجاتے ہین، ان خیالات کی بنا پر نظامی کہتے ہین،

اُو آفتاب، علم اُٹھا، اُو سیہ پوش بادل، آہستہ آہستہ چل،

اُور رعد اِنقارۂ شاہی کی طرح کڑک، اور بجلی صبح کی طرح ہنس،

اُور ہوا، قطرے برسا، اُور سیپ قطرہ کو لیکر موتی بنا، اور موتی، دریا کی تہ سے نکل،

اور نکلکر بادشاہ کے تاج پر جگہ لے،

بات اتنی تھی کہ بادشاہ کا تاج جواہر نگار ہے، لیکن شاعر کو قوت تخئیل کے ذریعہ سے یہی بات اس صورت مین نظر آتی ہے کہ عالم کا تمام کاروبار صرف بادشاہ کی اوج وشان، بڑھانے کے لیے ہے، اس کی قوتِ خیالیہ اس سے بھی آگے بڑھتی ہے، ممدوح کے بل پر اسکو تمام عالم اپنا محکوم نظر آتا ہے، اور وہ تحکمانہ انداز سے، آفتاب، بادل، رعد، برق، اور ہوا کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اپنے کام انجام دیکر موتی تیار کرو، تاکہ بادشاہ کے تاج پر ٹانکے جائین، اِسکے ساتھ انداز بیان کے زور، الفاظ کی شوکت، بندش کی دروبست کو دیکھو کہ طلسم کا عالم نظر آتا ہے، پھر خیال کرو کہ ایک ایک مختلف حالت کو کس طرح صرف ایک ایک مصرع مین کھپا دیا ہی،

مثال ۲ - سکندر نامہ مین متعدد جگہ آفتاب کے غروب اور طلوع کو، بیان واقعہ کی حیثیت سے لکھا ہے، لیکن ہر جگہ ایک نیا پیرایہ قائم کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہین،

چو یاقوت خورشید را دزد برُد	بریاقوت جستن جہان پے فشرد
بدزدی گرفتند مہتاب را	کہ این بُرد آن گوہر ناب را

یعنی جب آفتاب کا یاقوت، چوری گیا تو زمانہ نے یاقوت کے ڈھونڈھنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی، آخر چاند کو جا کر پکڑا کہ اسنے یہ جوہر چرایا ہے، چونکہ آفتاب کے غروب کے

بعد، چاند نکلتا ہے، اسلیئے اسکو چور قرار دیا،

کہ چون آتش روز روشن گزشت	پُر از دود شد گنبد تیز گشت
شب از ماہ بر بست پیرایۂ	شگفتے بود نور در سایۂ

یعنی جب دن کی آگ بجھ گئی تو دھوان اُٹھا (یعنی رات) اور گنبد (آسمان) مین بھر گیا، رات نے چاند کا زیور پہنا، لوگون کو اسپر حیرت ہوئی کہ سایہ مین نور نظر آتا ہی،

دگر روز کین ساقی صبح خیز	زمی کرد بر خاک، یاقوت ریز
چو خورشید برزد سر از گنج نیل	فرو شست (یعنی دھوپ) گردون، غبار از نیل
چو در برقع کوہ رفت آفتاب	سر روز روشن، فرو شد، بخواب
شب تیرہ چون اژدہای سیاہ	ز ماہی برآورد سر سوی ماہ
سیہ کرد بر شبروان راہ را	فرو برد چون اژدہا ماہ را
سپاہ سحر چون علم بر کشید	جہان، حرف شب را قلم درکشید
چو سلطان شب، چتر بر سر گرفت	سواد جہان راہ عنبر گرفت
ستارہ چنان گنجے از زر فشاند	کہ مہد زمین گاؤ، بر گنج راند
کہ چون شاہ چین صبح را بار داد	عروس عدن (رات)، دُر (ستارہ)، بہ دنیار داد
چو شب در سر آورد کلکے پرند	سر مہ (آفتاب) در آمد بہ مشکین کمند

استعارات اور تشبیہات نظامی کی خصوصیات شاعری مین نہایت نمایان خصوصیت استعارات اور تشبیہات کی جدت ہے، استعارہ اور تشبیہ اگر صرف حسن کلام اور تفنن

طبع کے کلام آئے تو وہ کوئی بڑی چیز نہین، لیکن بعض استعارے یا تشبیہات ایسے ہوتے ہین جنکا اثر اصل مضمون پر پڑتا ہے، یعنی مضمون کا زور بڑھ جاتا ہے، جو بات صفحون مین ادا ہو سکتی ہے، ایک لفظ سے ادا ہو جاتی ہے، صورت واقعہ کی تصویر اسطرح سامنے آجاتی ہے کہ کسی اور طرح سے نہین آسکتی تھی، اس قسم کے استعارات اور تشبیہین اور شعرا کے ہان بہت کم پائی جاتی ہین، لیکن **نظامی** کا کلام ان سے بھرا پڑا ہے، مثلاً **دارا** جب زخم کھاکر گرا ہی، اس موقع پر اس واقعہ کو یون ادا کرتے ہین،

نسب نامۂ دولت کیقباد	ورق بر ورق ہر سوے برد باد

دارا سلسلۂ کیانی کا اخیر فرزند تھا، اور اسکے مرنے سے گویا اس عظیم الشان خاندان کی تاریخ مٹ گئی، اس مضمون کو **تشبیہ** نے کس قدر مؤثر اور بلند کردیا، دارا کو خاندان کیانی کا نسب نامہ کہا، یعنی جس طرح نسب نامہ مین تمام خاندان کے نام درج ہوتے ہین دارا کا وجود گویا تمام خاندان کا وجود ہے، اور اسکے دیکھنے سے کیقباد کیخسرو، کیکاؤس، سب کی مجموعی عظمت و شوکت آنکھون مین پھر جاتی ہے، پھر اس کے مرنے کو یون بیان کیا کہ نسب نامۂ کیانی کا ایک ایک ورق اڑ گیا، اسی مضمون کو ایک اور **تشبیہ** کے ذریعہ سے ادا کیا ہی،

بہار **فریدون** و گلزار **جم**	زباد خزان گشت تاراج غم

سکندر نے جب **دارا** کی سسکتی لاش کو اپنے زانو پر رکھ لیا ہے، اس موقع پر کہتے ہین،

سر خستہ را بر سر ران نہاد	شب تیرہ بر روز رخشان نہاد

سکندر نے جب **دارا** کو گستاخانہ جواب لکھا ہے، تو **دارا** کہتا ہی،

ازان ابر عاصی چنان ریزم آب — کہ نا رود گرد دست بر آفتاب

اس سرکش بادل کو اس طرح نچوڑدونگا — کہ پھر آفتاب پر ہاتھ نہ بڑھا سکے

سکندر نے جب ایک حبشی سردار پر حملہ کیا ہے تو حملہ کی تیزی اور زور کو اس طرح ادا کرتے ہین،

بر کبک دری چون بود رآید عقاب	چگونہ بود جہد بر زمین آفتاب	
ازان تیز تر خسرو پیلتن	بتندی درآمد بر آن اہرمن	

آفتاب سورج کو بھی کہتے ہین اور دھوپ کو بھی، اس موقع پر بلاغت کے انداز کو دیکھو، تشبیہ سے ابتدا نہین کی، بلکہ مخاطب سے کہتے ہین، کہ تم کو خیال ہے کہ عقاب، چکور پر کیونکر گرتا ہے، دھوپ کس طرح زمین پر دفعۃً چھا جاتی ہے؟ اس سے مقصد یہ ہے کہ پہلے مخاطب کے ذہن مین اچھی طرح یہ سمان قائم ہو جائے، پھر کہتے ہین وہ اس سے بھی زیادہ تیزی اور زور کے ساتھ سکندر نے اس دیو پر حملہ کیا، حملہ کی خاص حالت سے قطع نظر کرکے سکندر کو آفتاب اور حریف کو زمین سے تشبیہ دینا، یون بھی موزون تھا، تشبیہ مرکب نے اس لطف کو اور دوبالا کردیا،

سکندر نے جب ایک روسی پہلوان پر کمند پھینکی ہے، اس موقع پر کہتے ہین،

کمند عدو بند را شہریار — بینداخت چون چنبر روزگار

کہنا یہ تھا کہ سکندر نے اس طرح کمند پھینکی کہ حریف کسی طرح اس سے بچ نہین سکتا تھا، اس مضمون کو چنبر روزگار کی تشبیہ نے کس قدر پرزور کردیا،

رسول اللہ صلعم نے جب خسرو پرویز کو خط لکھا ہے تو خط مین عرب کی رسم کے مطابق اپنا نام خسرو کے نام سے پہلے لکھا تھا، خسرو نے خط کھولا تو چونکہ ایران مین بادشاہ کا نام عموماً تمام تحریرون مین پیشانی پر لکھا جاتا تھا، رسول اللہ کا نام سرنامہ پر دیکھکر خسرو سخت جھلا اُٹھا، اور خط کو پرُزے پرُزے کر کے پھینکدیا، اس موقع کو نظامی نے شیرین خسرو مین جہان لکھا ہے، خسرو کی جھلاہٹ اور برہمی کو اس طرح تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرتے ہین،

چو عنوان گاہِ عالم تاب رادید	تو گفتی سگ گزیدہ آب رادید

دیوانہ کتا جب کسی کو کاٹ کھاتا ہے، تو سگ گزیدہ پانی کو دیکھکر بڑے زور سے جھجکتا ہے

اب تشبیہ کے تمام اجزا پر خیال کرو، رسول اللہ کا خط آب شیرین ہے، خسرو نے چونکہ رسول اللہ کے خط سے بے ادبی کی ہے، اسلیئے شاعر اسکو سگ نجس سمجھتا ہے، فوری اور شدت کی جھلاہٹ، سگ گزیدہ کی اِس مخصوص حالت سے بڑھکر نہین ہو سکتی، اِن سب باتون کو پیشِ نظر رکھو، تو نظر آئے گا کہ یہ مضمون جس طرح اس تشبیہ سے ادا ہو سکتا تھا اور کسی طرح ادا نہین ہو سکتا تھا،

قدما اور متاخرین کی خصوصیات جدا جدا ہین اور اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ گو قدما کی متانت، پختگی، جزالت، کے مقابلہ مین متاخرین کا کلام سبک معلوم ہوتا ہے تاہم متاخرین کی بعض بعض خصوصیتین اس قابل ہین کہ اُن پر رشک کیا جائے، انمین ایک تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت ہے، قدما آس پاس کی چیزون سے

سادہ سادہ تشبیہین پیدا کرتے تھے، استعارے بھی سادے اور سہل الماخذ ہوتے تھے، لیکن متاخرین کے زمانہ مین تمدن بہت ترقی کر گیا تھا، اسلیے انسانی احساسات نازک اور لطیف ہو گئے تھے، اِس بنا پر اب قدما کی تشبیہین بے مزہ ہو گئی تھین، اسکو مادیات کے ذریعہ سے یون سمجھو کہ جب کسی قوم کا تمدن، ابتدائی حالت مین ہوتا ہے تو وہ نہایت تیز اور کرخت خوشبو کو پسند کرتی ہے، اور کم درجہ کی خوشبو کو اِسکا دماغ اچھی طرح محسوس نہین کر سکتا، یہی سبب ہے کہ عرب مشک اور عنبر، اور ہندو تلسی اور نازبو، کی خوشبو پسند کرتے تھے، لیکن آج چونکہ ہر چیز مین لطافت پیدا ہو گئی ہے، مشک اور تلسی کی خوشبو سے بعض وقت دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے، اب گلاب اور کیوڑہ کا عطر درکار ہے بلکہ اِس سے بھی بڑھکر انگریزی عطر، محبوب ہے، جو اسقدر لطیف ہوتا ہے کہ عام آدمیون کو اسکی خوشبو محسوس بھی نہین ہوتی، استعارہ اور تشبیہ کا بھی یہی حال ہی، استعارہ اور تشبیہ کی یہ لطافت، متاخرین کا خاصہ ہے، مثلاً قدما معشوق کے چہرہ کو آفتاب سے، اور اُس کی ہنسی کو خندۂ صبح سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن متاخرین کے مذاق مین ایک شاعر کہتا ہی، ع صبح زخورشید رخت خندۂ،

یعنی معشوق کا چہرہ ہنسا تو صبح پیدا ہو گئی، یعنی صبح خود معشوق کی ہنسی کا نام ہی،

استعارہ اور تشبیہ کی اس لطافت اور نزاکت کے موجد **نظامی** ہین، انھون نے اِس کثرت سے نازک اور لطیف استعارے اور تشبیہین پیدا کین کہ متاخرین مین سب بھی کسی ایک شاعر کے کلام مین نہین مل سکتین، چند مثالین ملاحظہ ہون،

به باغ شعله در، دهقان انگشت | بنفشه می درود لاله می کشت

کہنا یہ تھا کہ انگیٹھی مین آگ جلائی تو دھوان کم ہو جاتا تھا اور آگ بھڑکتی جاتی تھی، اِس کو اسطرح ادا کیا کہ انگیٹھی کا دہقان، شعلون کے باغ مین بنفشہ کاٹتا جاتا تھا اور لالہ بوتا جاتا تھا،

در آمد نقشبند مانوی دست | زمین را نقشہاے بوسہ می بست

کہنا یہ تھا کہ مصور جب دربار مین آیا، تو آداب دربار کے موافق زمین بوس کرتا آتا تھا اسکو اس طرح پر ادا کیا کہ مصور بوسون سے نقش ونگار کرتا آتا تھا،

بہ نوشیدن لب، آن جام را نوش کرد | ز لب جام را حلقہ در گوش کرد

پیالہ پینے کے وقت لب، کی جو ہیئت پیدا ہوتی ہے اُسکو حلقہ سے تشبیہ دی ہی، اور اس بنا پر پیالہ کو لب کا حلقہ بگوش قرار دیا ہے،

ہوا بر سبزہ ہا گوہر گسستہ | زمرد را بہ مروارید بستہ

شبنم کو موتی سے، اور سبزہ کو زمرد سے تشبیہ دی ہی اس بنا پر کہتا ہے کہ ہوا نے سبزہ پر جو موتی بکھیر دیے تھے، تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمرد مین موتی ٹانک دیے ہین،

ز گیسو گہ کمرے کردو گہ تاج + | بدان تاج و کمر شہ گشتہ محتاج

معشوقہ جو زلفون کا کبھی جوڑا باندھتی تھی اور کبھی کمر پر چھوڑ دیتی تھی، اسکو تاج و کمر سے تشبیہ دی ہی،

قلم کی تعریف، ع   مشک در جیب لعل در دامان،

عاشق ومعشوق کا ہمکنار ہونا،

شبا روزے دگر خفتند مدہوش	بنفشہ در سر و نسرین در آغوش

نوشابہ کا جواب دینا،

بہ پاسخ نمودن زن ہوشمند	ز یاقوت سربستہ بکشاد بند
از ان سیمگون سکۂ نوبہار	درم ریز کن برلب جوئبار

آغاز بہار مین جو شگوفے کھلتے ہین اُن کو، بہار کا سکہ قرار دیا ہی،

ز باریدن ابر کافور بار،	سمن رستہ از دستہاے چنار

یعنی چنار کے پتون پر جو برف گرتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ چنار کے ہاتون پر چنبیلی کے پھول کھلے ہین،

سمنبر غافل از نظارۂ شاہ	کہ سنبل بستہ بد بر نرگسش راہ

یہ اُسوقت کا بیان ہے کہ شیرین نہا رہی تھی، اور زلفون کو چہرہ پر چھوڑ دیا تھا، شعر کا مطلب یہ ہے کہ شیرین کو خسرو کے نظارے کی خبر نہ تھی، کیونکہ سنبل نے نرگس کا راستہ روک رکھا تھا،

کشادہ طاق ابرو تا سر دوش	کشیدہ طوق غبغب تا بنا گوش
خواب نرگس، خمار دیدۂ او	ناز نسرین، درم خریدۂ او
چو بر فرق، آب مے انداخت از دست	فلک بر ماہ مروارید می بست
سمن ساقی و نرگس جام بر دست	بنفشہ در خمار و سرخ گل مست
بنفشہ تاب زلف افگندہ بر دوش	کشادہ باد نسرین را بنا گوش

گونہ گونہ گلے شگفتہ درد	سبزہ بیدار آب خفتہ درد

بعض اوقات تشبیہ سے ہیبت اور عظمت مقصود ہوتی ہے اِس قسم کی تشبیہات آج تک کسی نے نظامی سے بڑھ کر بلکہ اُن کے برابر بھی نہین پیدا کین، مثلاً،

کمند اژدہاے مسلسل شکنج	دہن باز کردہ بہ تاراج گنج
زمین کو بساطے بدُ آراستہ	غبارے شد از جای برخاستہ
دران دجلۂ خون، بلند آفتاب	چو نیلوفر افگند زورق درآب
ز شمشیر برگشتہ جاے نبود	کہ در غار وے اژدہاے نبود

زخم کو غار، اور تلوار کو، اژدہا سے تشبیہ دی ہی،

اے مدنی برقع و مکی نقاب	سایہ نشین چند بود آفتاب
تاج تو و تخت تو دار دجہان	تخت زمین آمد و تاج آسمان
زبس خون کہ گرد آمد اندر مغاک	چو گوگرد سرخ آتشین گشت خاک
نہنگ خدنگ، از کمین کمان	نیاسود بر یک زمین، یک زمان

شاعری کی لطافت اور رنگینی کا ایک بڑا راز یہ ہے کہ بے جان چیزون کو صاحب ادراک قرار دیکران کی نسبت ارادی کام منسوب کیے جائین مثلاً عرفی کہتا ہے،

نگفت و من نشنودم، ہرانچہ گفتن داشت	کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم
لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت	فتاد ساغر در موج کوثر و تسنیم

یعنی اُسنے کچھ نہین کہا لیکن مین نے سُن لیا، کیونکہ تقریر کرنے مین، اُس کی نگاہون نے زبان سے پیشدستی کی، جب ہونٹون نے نگاہ سے اپنی باری مانگی تو سامعہ کوثر کی موجون مین ڈوب گیا، یا مثلاً

راضیم از نگہ شوق کہ گوید ہمہ باز	از زبان، انچہ دم عرض تمنا ماند

متاخرین نے اِس طرز کو نہایت وسعت دی، اور اِس سے نہایت لطیف اور رنگین نئے نئے اسلوب پیدا کیے، لیکن اس طرز کے موجد **نظامی** ہین، **شیرین خسرو** مین لکھتے ہین،

نہان باشاہ می گفت آن بناگوش — کہ مولاے توام، ہا. حلقہ در گوش
چو سر پیچید، گیسو مجلس آراست — چو رخ گردید گردن عذر ہا خواست
بگویم **غمزہ** را تا وقت شبگیر — سمندش را برقص آرد بیک تیر
بگویم **زلف** را تا یک فن آرد — شکیش را رسن در گردن آرد

نظامی کے یہ مضامین، متاخرین کے شمع راہ بنے، جس کی روشنی مین انکو گونا گون اسالیب کا سلسلہ ہات آگیا، نظامی نے جب (پہلے شعر مین) بناگوش کی نسبت یہ باندھا کہ اِسی نے چپکے سے بادشاہ سے کہا، تو بے تکلف ایک شاعر، اسکو یون بدل کرکہہ سکتا ہے،

ع زلف او خم شدہ در گوش سخن مے گوید،

شعر کے سیکڑون انواع ہین، لیکن بڑی قسمین یہ ہین، رزمیہ، عشقیہ، فلسفیانہ، اخلاقی،

جذبات انسانی کا اظہار، اور مناظر کی تصویر، ان مین سے ہر نوع کو **نظامی** نے لیا ہے اور معراج ترقی تک پہنچا دیا ہے،

سکندر نامہ مین اُنھون نے لکھا ہے کہ سکندر کے حالات تین حیثیتین رکھتے ہین سلطنت، نبوت، فلسفہ وحکمت، مین تین قسم کے حالات لکھون گا، اور تفصیل سے لکھون گا،

گروہیش خوانند صاحب سریر	ولایت ستان بلکہ آفاق گیر
گروہے ز دیوان دستور او	بہ **حکمت** نوشتند منشور او
گروہے ز پاکی و دین پروری	پذیرا شدندش بہ پیغمبری
من از ہر سہ دانہ کہ دانا فشاند	درختے برومند خواہم نشاند

چنانچہ سکندر نامہ بری مین، کشورستانی، اور سکندر نامہ بحری مین، پیغمبری کے واقعات اور فلسفیانہ بحثین ہین،

فارسی مین فلسفیانہ مسائل ناصر خسرو کے سوا کسی نے ادا نہین کئے، لیکن ناصر خسرو نے تمام اصطلاحین وہی عربی کی قائم رکھی ہین، اس بنا پر عام خیال یہ ہے کہ فارسی مین فلسفیانہ خیالات ادا کرنا چاہین تو نہین کر سکتے، بو علی سینا کی کتاب حکمت علائیہ سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہی، لیکن انصاف یہ ہے کہ **نظامی** نے فلسفیانہ مسائل اس حد تک لکھدیے ہین کہ زبان کی کم مائگی کی شکایت نہین ہو سکتی، اور اگر متاخرین بھی اسکے نقش قدم پر چلتے تو فارسی زبان ایک فلسفیانہ زبان بنگئی ہوتی،

سکندر نامہ بحری مین انھون نے ایک خاص داستان سکندر اور حکمای یونان

کی فلسفیانہ بحثون کے متعلق لکھی ہے، اِس مین ارسطو، فلاطون، والیس، بلنیاس، سقراط، فرفوریوس، (پارفیرس) ہرمس، کے اقوال اور رائین لکھی ہین، ہندوستان کے ایک حکیم نے سکندر سے سوالات کیے تھے، سکندر کی زبان سے اُنکے جوابات لکھے ہین ان تمام بحثون مین فلسفہ کی اصطلاحین فارسی مین ادا کی ہین، عربی الفاظ جابجا آتے ہین لیکن اِس حد تک کہ زبان نامانوس، اور دسا تیر و ژند نہ بنجائے،

ایک ہندو حکیم نے سکندر سے سوال کیا تھا کہ نظر بد کیا چیز ہے؟ اِس مین کہان سے تاثیر پیدا ہوتی ہے؟ عام قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کو پسند کیا جاے تو اُسکی ترقی کا سبب ہوتا ہے بخلاف اِسکے بد نظر جس چیز کو پسند کرتا ہے، اُسی کو نظر لگتی ہے، سکندر نے جواب دیا کہ انسان جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو آنکھ سے شعاعین نکلکر اُس چیز پر پڑتی ہین، شعاع ہوا سے گزر کر اُس چیز تک پہنچتی ہے، اب ہوا مین اگر سمیت ہے تو یہ شعاعین بھی اُس سے آلودہ ہوکر زہریلی ہوجاتی ہین، اور اُس چیز کو جاکر نقصان پہنچاتی ہین،

اِس سے قطع نظر کر کے کہ سوال و جواب، دونون طفلانہ ہین، یہ دیکھو کہ نظامی ان باتونکو کن الفاظ مین ادا کرتے ہین،

دگر بار ہندو در آمد بہ گفت	کہ گرد با نوک الماس جفت
کہ بر چشم بد، شاہ پیدہ مرا	ز چشم بد، آگاہ ہیدہ مرا
چہ نیرو است، در جنبش چشم بد	کہ نیکوی خود را کند چشم زد
ہمہ چیز را کاز نمائش رسید	چو دیدہ پسندد، فزائش رسید

جز او را کہ ہر چہ پسند آورد ... سر و گردنش زیر بند آورد

بہر حرفتے چون کہ دیدیم ژرف ... درستی ندیدیم در ہیچ حرف

ہمین یک کماندار شد از نخست ... بر آماج گہ تیر او شد درست

بگو تا چہ نیر دست اندیشہ او

جہاندار گفتا کہ طالع شناس ... چنین آرد از روی معنی قیاس

کہ بر ہر چہ گردد نظر جاگیر ... گذر بر ہوا ے کند ناگزیر

بر آن چیز کارد نظر تاختن ... کند با ہوا رای دم ساختن

بہر چون در آرد بر آن رخت گاہ ... ہوا تیز یابد بر آن رخنہ راہ

ہوا گر ہوا ے بود سودمند ... در ارکان آن چیز ناید گزند

مزاج ہوا گر بود زہرناک ... ببیند از ان آن چیز را در مغاک

ہوا ے بد ست آن کہ در چشم زد ... ہوا را دہیم ہمرا ہیے چشم بد

موجودات کی ابتدا، اور اُنکی ترتیب، افلاک، عناصر، سلسلۂ علل، ان تمام بحثون کے متعلق، یونانی حکماکی رائین نقل کی ہین، اور ان تمام مباحث مین بہت کم عربی کے الفاظ کو دخل دیا ہی،

اخلاقی شاعری

نظامی کی شاعری کا بڑا حصہ اخلاق کے متعلق ہے، مخزن اسرار کے سوا جو خاص اسی مضمون پر لکھی ہے، اور مثنویون مین بھی جابجا اخلاقی ہدایتین موقع بموقع لکھی ہین، چنانچہ کسی صاحب ذوق نے، خاص اس قسم کے اشعار کو اُنکے پنج گنج

سے چن کر یکجا جمع کر دیا ہے اور اخلاق کے ۳۵ عنوان قرار دیکر ایک ایک عنوان کے نیچے تمام مثنویون کے وہ اشعار نقل کر دیے ہین، جو اس عنوان سے تعلق رکھتے تھے۔ مین نے اس مجموعہ کا ایک نہایت خوشخط نسخہ، عالمگیری کتب خانے کا حیدرآباد مین دیکھا تھا،

جذبات انسانی

شاعری کی اس اہم اور لطیف نوع کو **نظامی** نے جس رتبہ پر پہنچایا، قدما مین فردوسی کے سوا، اس کی نظیر نہین مل سکتی، اور انصاف یہ ہے کہ فردوسی بھی اس خصوصیت مین اُنکی ہمسری نہین کر سکتا، **فردوسی** نے جہان جذبات کا اظہار کیا ہے معمولی اور سادہ حالت کو ادا کیا ہے، بخلاف اسکے نظامی نہایت نازک، لطیف اور دقیق پہلوؤن کو پیش نظر رکھتے ہین، مثلاً **دارا** جب زخمی ہو کر گرا ہے تو **سکندر** اُسکے پاس گیا ہے اور دارا نے اُس سے حسرتناک باتین کی ہین، فردوسی نے اس موقع پر وہی معمولی افسوس اور عبرت کے کلمات ادا کر دیے ہین، جو ہر شخص کے خیال مین آسکتے ہین، لیکن نظامی کی نظر ان نازک اور دقیق نکتون تک پہنچی ہے، جہان ہر شخص کا وہم رسائی نہین پا سکتا، دارا کوئی معمولی آدمی نہ تھا، بلکہ دنیا کے وسیع خطہ کا شاہ اور شاہنشاہ تھا، شکست کھانے اور خود اپنے نوکرون کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مرنے کا اُسکو صدمہ ہے اور اس وجہ سے افسوس، حسرت، اور بیکسی کے خیالات اُسکے دل مین ہجوم کرتے ہین، لیکن ساتھ ہی شاہنشاہانہ ادعا، غرور اور تمکنت کا نشہ بھی سر مین ہے، اسلئے اسکے غمزدہ اور عاجزانہ الفاظ بھی صولت اور رعب کے لہجہ مین ادا ہوتے ہین، اُسکی آہین بھی نعرۂ جنگ ہین، اُسکی پُرحسرت نگاہین بھی برق غضب ہین، نظامی ان تمام

خصوصیات کو دکھاتے ہیں۔

چو در موکب قلب دارا رسید	ز موکب روان ہیچ کس راندید
تن مرزبان دید در خاک و خون	کلاہِ کیانی شدہ سرنگون
بہ بازوے بہمن بر آسود مار	ز رویین دژ افتاد اسفندیار
بہار فریدون و گلزار جم	ز باد خزان گشتہ تاراج غم
نسب نامۂ دولت کیقباد	ورق بر ورق ہر سوے بردباد
سکندر فرود آمد از پشت بور	در آمد بہ بالین آن پیل زور
بہ بالین گہ خستہ آمد فراز	ز درع کیانی گرہ کرد باز
سر خستہ را بر سر ران نہاد	شب تیرہ بر روز رخشان نہاد
چو دارا بروپش نگہ کرد و دید	بہ سوز جگر آہ از دل کشید
چنین داد دارا بہ خسرو جواب	کہ بگزار تا سر نہم من بہ خواب
رہا کن کہ در من رہائی نماند	چراغ مرا روشنائی نماند
سپہرم بدان گونہ پہلو درید	کہ شد در جگر پہلوم ناپدید
رہا کن کہ خواب خوشم مے برد	زمین آب و چرخ آتشم مے برد
سر سروران را رہا کن ز دست	تو مشکن کہ مارا جہان خود شکست
چو من زین ولایت کشادم کمر	تو خواہ افسر از من ستان خواہ سر
اگر تاج خواہی ربود از سرم	یکے لحظہ بگزار تا بگزرم

مبین سر درا درسرافگندگی — چنان شاہ را در چنین بندگی
درین بندم از رحمت آزاد کن — بہ آمرزش ایزدی یاد کن
چو گشت آفتاب مرادی زرد — نقاب بے بن درکش از لاجورد
مگردان سر خفتہ را از سریر — کہ گردون گردان برآرد نفیر
تو اے پہلوان کامدی سوے من — نگہدار پہلو ز پہلوے من
کہ با آن کہ پہلو دریدم چو میغ — ہمے آید از پہلوم بوے تیغ
چہ دستے کہ با مادر ازی کنی؟ — بہ تاج کیان دستبازی کنی
نگہدار دستت کہ دار است این — نہ پنہان چو روز آشکار است این
زمین را منم تاج تارک نشین — مجنبان مرا تا نہ جنبد زمین

اِس واقعہ کو بعینہ فردوسی نے بھی لکھا ہی، لیکن زور اور اثر نہین، چنانچہ اِس موقع کے اشعار ہم درج کرتے ہین،

بر آنم کہ از پاک دادار خویش — بیابی تو پاداش گفتار خویش
یکے آن کہ گفتی کہ ایران تراست — سر تاج و تخت دلیران تراست
بمن مرگ نزدیک تر زانکہ تخت — بپرداخت تخت از نگون گشتہ بخت
برین است فرجام چرخ بلند — خراشش ہمہ رنج و سردیش گزند
بمردی نگر تا نگوئی کہ من؟ — فزونم از ین نامدار انجمن
بد و نیک را ہر دو یزدان شناس — ز و دار تا زندہ باشی سپاس

نمودار گفتار من، من بسم   بزین داستان عبرت هر کسم

که چندان بزرگی و شاهی و گنج   مرا بود و از من نبُد کس برنج

همان نیز چندان سلیح و سپاه   گران مایه اسپان و تخت و کلاه

همان نیز فرزند و پیوستگان   چه پیوستگان داغ دلخستگان

زمین و زمان بنده بُد پیش من   چنین بود تا تخت بُد خویش من

چو از من همان بخت بیگانه شد   همه کاخ و ایوان چو ویرانه شد

زنیکی جدا مانده ام زین نشان   گرفتار در دست مردم کشان

ز فرزند و خویشان شده ناامید   سیه شد جهان، دیدگانم سفید

ز خویشان کسے نیست فریادرس   امیدم بپروردگار است و بس

برین گونه خسته بخاک اندرم   زگیتی بدام هلاک اندرم

برین است آئین چرخ روان   اگر شهریاری اگر پهلوان

بزرگی بفرجام هم بگذرد   شکاراست و مرگش همی بشکرد

سکندر ز دیده ببارید خون   بران شاه خسته بخاک اندرون

چو دارا بدید از دل درد اوی   سرشک روان بر رخ زرد اوی

بدو گفت مگری کز و سود نیست   ز آتش مرا بهره جز دود نیست

مناظر | **مناظر قدرت** کو جابجا لکھا ہے اور جہان لکھا ہی، نیچر کی تصویر کھینچدی ہی۔
مناظر قدرت مین باغ و بہار ایک عام موضوع ہے جسپر تمام شعرا نے طبع آزمائیان کی

ہین، اور داد سخن دی ہے، لیکن نظامی یہان بھی سب سے علحدہ اور سب سے ممتاز ہین، تمام شعرا نے صرف بہار کا سماں دکھانے پر اکتفا کیا ہے، لیکن نظامی نے اِسکے ساتھ یہ بھی دکھایا ہے کہ بہار مین ایک رنگین مزاج پر کس طرح نشہ سا چھا جاتا ہی، وہ باغ مین جاتا ہی پھولون سے کھیلتا ہے، گلدستے بنا کر درختون پر اُچھالتا ہی، نہر کے کنارے بیٹھ جاتا ہی اور شگوفے توڑ توڑ کر نہر مین بہاتا ہے، حوض کے پاس چنبیلی کے پھولون کا بچھونا بچھاتا ہے، بغل مین معشوق ہے، اُس کی زلفون کے حلقے اپنی گردن مین ڈالتا ہے، اور دنیا سے آزاد ہو جاتا ہے، مرغان چمن سے فرمائش کرتا ہے کہ ہان پھر اسی انداز سے اُڑنا ساتھ ہی ساز بھی چھیڑتا جاتا ہے، اور قابو سے باہر ہوا جاتا ہی،

بیا باغبان خرمی ساز کن	گل آمد در باغ را باز کن
نظامی بہ باغ آمد از شہربند	بیارای بستان بہ چینی پرند
زجعد بنفشہ برانگیز تاب	سر نرگس مست برکش زخواب
ز سیمای سبزہ فروشوی گرد	کہ روشن بہ شستن شود لاجورد
درختان شگفتہ در طرف باغ	برافروختہ ہر گلے چون چراغ
بہ مرغ زبان بستہ آوازہ دہ	کہ پرواز پارینہ را سازہ دہ
سرایندہ کن نالۂ چنگ را	برآور بہ رقص این دل تنگ را
سر زلف معشوق را طوق ساز	برافگن زگردن خود این طوق باز

لہ یہ نکتہ بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ نظامی نے ان باتون کو بجائے خبر کے انشا کے پیرایہ مین ادا کیا ہی اور یہ زیادہ بلیغ ہی

ریاحین سیراب را دستہ بند ۔ برافشان بر بالاے سرو بلند

ازان سیمگون سکۂ نوبہار ۔ درم ریزکن برلب جوئبار

بہ پیرامنِ برکۂ اب گیر ۔ زسوسن در افگن بساطِ حریر

عشقیہ ایران کی شاعری کا اصل مایۂ ناز عشقیہ شاعری ہی، اور اس مین شبہہ نہین کہ عشق و عاشقی کے معاملات اور راز و نیاز، جس رنگینی اور دلفریبی سے ایرانی شاعری نے ادا کیے، دنیا کی اور کوئی زبان اس انداز سے ادا نہین کر سکتی، اس قسم کی شاعری کے لیے غزل مخصوص کر دی گئی ہی، اور اسکے موجد **شیخ سعدی** خیال کیے جاتے ہین، نام کے لیے غزل کی بنیاد ان سے بھی بہت پہلے پڑ چکی تھی، لیکن انصاف یہ ہی کہ وہ قدما کے بوڑھے غمزے ہین،

بے شبہ غزل کے موجد سعدی ہین، لیکن غزل کی اصلی روح یعنی عشقیہ شاعری کی ایجاد **نظامی** کا خاص کارنامہ ہی، عشقیہ مثنویان، نظامی سے پہلے بھی لکھی گئین جنمین سے فردوسی کی یوسف زلیخا آج بھی موجود ہے، لیکن مثنویان وہی قدما کی غزلین ہین نظامی نے عشقیہ شاعری کی جس طرح بنیاد ڈالی اور اُسکو ترقی دی اُسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) عشق و عاشقی کے خیالات کے ادا کرنے کے لیے ایک خاص زبان درکار ہے، جسکے الفاظ نازک، لطیف، اور شیرین ہون، خاص قسم کے استعارات اور تشبیہین ہون، ادا مین دلاویزی اور دلفریبی ہو، یہ زبان خاص **نظامی** نے

پیدا کی ہے، قدما کی عشقیہ مثنویون کا نظامی کی کسی مثنوی سے مقابلہ کرو تو یہ فرق صاف نظر آتا ہے،

غزل کے مہمات مضامین یہ ہین معشوق کے حسن کی تعریف، ادا اور ناز و غمزہ کے کرشمے، الگ الگ اعضا کا بیان، اور انکی تشبیہات، عاشق و معشوق کے معاملات یعنی راز و نیاز، اصرار و انکار، سوال و جواب، عجز و غرور، وغیرہ ان تمام مضامین کو **نظامی** نے اس وسعت، اتنوع، رنگینی، اور لطافت سے ادا کیا ہے کہ انکا ہر ہر شعر سیکڑون غزلون کا سرمایہ ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین،

شیرین کا غسل کرنا،

چو قصد چشمہ کرد آن چشمۂ نور	فلک را آب در چشم آمد از دور
پرند آسمان گون بر میان زد	بشد در آب و آتش در جہان زد
تن صافش کہ می غلطید در آب	چو غلطد قاقمے بر روی سنجاب
چو بر فرق، آب مے انداخت از دست	فلک بر ماہ، مروارید می بست
ز ہر سو شاخ گیسو، شانہ می کرد	بنفشہ بر سر گل، دانہ می کرد
در آب انداختہ از گیسوان شست	نہ ماہی بلکہ ماہ آوردہ در دست

شیرین آراستہ ہوکر خسرو کے سامنے آتی ہی،

پس آنگہ ماہ را پیرایہ بر بست	نقاب آفتاب از سایہ بر بست
فرو پوشید گلنارے پرندے	بروہر شاخ گیسو چون کمندے

سر آغوشے بر آمودہ بگوہر
دوپٹہ ۱۲
برسمِ چینیان افگندہ بر سر

بدین طاؤس کردارے ہمائے
روان شد چون تدروے در ہوائے

ایک موقع پر جب خسرو نے شیرین سے زیادہ اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ برہم ہو کر اُٹھی ہے، اس حالت مین اُسکا تن کر کھڑا ہونا، پیشانی کا غصّہ سے سمٹنا، چہرہ کا کھُلجانا، بدن ڈھکنے مین حسن کا اور چمکنا، بالون کو کبھی سمیٹنا اور کبھی چھوڑ دینا، ان تمام اداؤن کو کس خوبی سے ادا کیا ہی،

بگفت این وچو سرو از جای برخواست
یہ کہہ کر سرو کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی
جبین را گرہ کرد و فرق را راست
پیشانی سمٹ گئی اور قد تن گیا

بہ آن آئین کہ خوبان رابود دست
اس خاص انداز سے جو حسین معشوقون کو کمال ہوتا ہے
زنخدان می کشاد و زلف می بست
چہرہ کھولنے اور بال سمیٹنے لگی،

جمال خویش را در خز و خارا
اپنے حسن کو حریر اور کمخواب مین جسقدر
برپوشیدن ہمے کرد آشکارا
چھپاتی تھی، اُسی قدر اور کھلتا تھا،

گہے بر فرق تند آشفتہ می بود
کبھی زلفون پر جھلاتی تھی، اس مین
گرہ می بست و بر مہ مشک می سود
گھونگر بناتی تھی اور چاند پر مشک ملتی تھی

بہ زیور راست کردن دیر می شد
زیور کے سنبھالنے مین دیر ہوجاتی تھی
کہ پایش بر سرِ شمشیر می شد
کیونکہ جلدی کی وجہ سے گویا اسکا قدم تلوار پر تھا

ز گیسو گہ کمر مے کرد گہ تاج
بدان تاج و کمر شہ گشتہ محتاج

زلفونکو کبھی کمر سے لپیٹتی تھی اور کبھی سر پر جوڑا باندھتی تھی	جو گرِ نیداوِ تاج بنجاتی تھی اور اس گرِ نیداِ تاج کا خود خسرو بھی محتاج تھا

ایک موقع پر شیرین جب روٹھ کر اُٹھی تو اس ادا سے اُٹھی جس مین لگاوٹ بھی پائی جاتی تھی، اسکی تصویر، اس طرح کھینچی ہی،

بہ چشمے ناز بے اندازہ میکرد	بہ دیگر چشم عذرے تازہ میکرد
چو سر پیچید، گیسو مجلس آراست	چو رخ گردید، گردن عذرہا خواست
نمود اندر ہزیمت، شاہ را پست	بہ گوگرد سفید آتش ہمی کشت
غلط گفتم نمودش تختۂ عاج	کہ شہ را نیز باید تخت با تاج
حسابے دیگر آن بود کش دران کوے	کہ پشتم نیز محرابے است چون روے
دگر وجہ آنکہ گر و جہے شد از دست	ازان روشن ترم و جہے دگر ہست
چہ خوش نازیست نازے خوبرویان	ز دیدہ راندہ را، ز دیدہ جویان
بہ چشمے خیرگی کردن کہ برخیز	بہ دیگر چشم دل دادن کہ مگریز

مونھ پھیر کر بھاگنے کی توجیہین کس قدر شاعرانہ ہین، یعنی اُسکو یہ دکھانا تھا کہ جس طرح میرا چہرہ، محرابی اور روشن ہے، اسی طرح پیٹھ بھی محرابی اور بلوری ہی،

غزلیہ شاعری کا ایک بڑا میدان معشوق کا ناز و غرور ہے **نظامی** نے داستانکی داستان اس مضمون پر لکھی ہے، جسکا ہر شعر غزل کا کام دیسکتا ہی،

خسرو نے جب **شیرین** کو شاہی اقتدار کا زور دکھانا چاہا ہے تو وہ کہتی ہی،

ہنوزت در سر از شاہی غرور است	دریغا کین غرور از عشق دور است

ابھی تک تیرے سر مین سلطنت کا غرور ہے
لیکن افسوس، عشق کو غرور سے کیا نسبت!!

درین گرمی که آه سرد باید
دل آسان است بادل درد باید

اِس گرمجوشی مین کہ آہ سرد کی ضرور ہے۔
دل آسان ہے لیکن دل مین درد مشکل ہے

هنوزم هندوان آتش پرستند
هنوزم چشم چون ترکان مستند

ابھی تک ہندو، مجھکو پوجتے ہین
ابھی تک میری آنکھین تُرک ہین

هنوزم لب پُر آب زندگانی است
هنوزم آب در جوی جوانی است

ابھی تک میرے ہونٹون مین آبِ حیات ہے
ابھی تک میرے چشمہ مین آب شباب ہے،

به غمزه گرچه ترکی دلستانم
به بوسه دل نوازی نیز دانم

اگرچہ غمزہ کے لحاظ سے مین ترک ہون
لیکن بوسہ مین دلداری بھی کر سکتی ہون

برو تا بر تو نکشتانم بخون دست
که در گردن چنین خونم بسے هست

ہٹ جا!! ایسا نہو کہ مین تیرے اوپر ہاتھ ڈالدون
ایسے اور بہت سے خون میری گردن پر ہین

خسرو نے جب شاپور کے ہات شیرین کو بلا بھیجا ہے تو وہ کہتی ہے،

اگر خسرو نه کیخسرو بود شاه
بناید گردنش سرپنجه با ماه

بگویم غمزه را تا وتمت کشتگیر
سمندش را به رقص آرد بیک تیر

فرستم زلف را تا یک فن آرد
شکیبش را رسن در گردن آرد

مین زلف کو بھیجدونگی کہ چالاکی سے خسرو کے صبر کو گرفتار کرکے لائے،

مزاحی کردم و او خواست پنداشت
دروغے گفتم و او راست پنداشت

مینے تو دل لگی کی تھی، تو وہ تقاضا سمجھے	مینے جھوٹ کہدیا تھا وہ سچ سمجھ گئے

خسرو ایک مرتبہ چند ندیمون کے ساتھ مستی کی حالت مین شیرین کے مکان پر گیا، شیرین نے اُس کی یہ حالت دیکھ کر کوٹھے سے اُترنا مناسب نہ سمجھا، خواصوان کو بھیجا کہ شہ نشین مین فرش کرکے وہین خسرو کو بٹھائین، خسرو کوٹھے پر جانا چاہتا ہی شیرین منظور نہین کرتی، اِس موقع کا سمان اور سوال وجواب کا انداز دیکھو،

رقیبے را بہ نزد خویشتن خواند	کہ مارا نازنین بر در چرا ماند
ایک خواص کو اپنے پاس بلایا اور کہا	کہ مجھکو نازنین نے باہر کیون بٹھایا
درون شو، گو نہ شاہنشہ، غلامی	فرستاد است نزدیکت پیامی
اندر جا کر کہو کہ ایک شاہنشاہ نے نہین! بلکہ	ایک غلام نے پیغام بھیجا ہے
کہ مہمانے بہ خدمت مے گراید	چہ فرمائی؟ درآید یا نیاید
کہ ایک مہمان خدمت کے لیے آیا ہی	کیا ارشاد ہی؟ اندر آئے یا نہ آئے
بدین زاری پیام شاہ می گفت	شکر لب می شنید و آہ می گفت

بادشاہ کا عاجزانہ پیغام شیرین سُنتی تھی، اور افسوس کرتی تھی،

کنیزے کاروان را گفت آن ماہ	بخدمت خیز و بیرون شو سوی شاہ
ایک ہوشیار کنیز سے شیرین نے کہا کہ	بادشاہ کے پاس جا
طلان شش طاق دیبا را برون بر	بزن با طاق این ایوان برابر
مخمل کے تھان لے جاکر	شہ نشین مین بچھادے،

بنہ بر پیشگاہ وشقہ بر بند	پس آنگہ شاہ را گو کاے خداوند
اور پردے باندھ کر،	بادشاہ سے کہہ،
نہ ترک این سرا ہندوی این بام	شہنشہ را چنین داد ست پیغام
اس گھر کی ترک (یعنی معشوق) نے نہین بلکہ	ہندو (غلام) نے حضور کو یہ پیغام دیا ہے

اسکے بعد، خسرو اور شیرین سے دو بدو گفتگو ہوئی ہے، خسرو کہتا ہے کہ تم نے دروازہ کیون بند کر دیا، شیرین جواب دیتی ہے،

حدیث آن کہ در بستم روا بود	کہ سرمست آمدن پیشم خطا بود
چو من خلوت نشین باشم تو مخمور	ز تہمت رای مردم کے بود دور
تو می خواہی مگر گز راہ دستان	بہ نقلانم خوری چون نقل مستان
بدست آری مرا چون غافلان مست	چو گل بوی کنی واندازی از دست
رہا کن نام شیرین از لب خویش	کہ شیرینی دہانت را کند ریش
تو در عشق من از مالی و جاہے	چہ دیدی جز خداوندی و شاہے
تو ساغر می زدی با دوستان شاد	قلم شاپوری زد تیشہ فرہاد

اسکے مقابلہ مین رندانہ شوخیان دیکھو، شیرین جب کسی طرح راضی نہین ہوتی تو خسرو اس سے کہتا ہے،

بہ گستاخی در آمد کے دلارام	گرفتہ چند خواہی بد، بیارام
خسرو نے گستاخانہ کہا کہ اے معشوق	یہ برہمی کب تک، ذرا نرم ہو،

چو می خوردی و می دادی بمن یار	چرا باید کہ من مستم تو ہشیار

تم نے شراب پی، اور مجھکو بھی پلائی، لیکن، یہ خلاف انصاف ہے کہ مین مست ہو جاؤن اور تم ہوش مین ہو،

شمار بوسہ خواہد بود کارم	تو می دہ بوسہ تا من می شمارم
میرا کام صرف بوسہ کا گننا ہو گا،	تم بوسہ دیتی جاؤ مین گنتا جاؤن گا

یعنی یہ کام تمھارا ہی ہے لیکن مین اسکو تمھاری خاطر سے انجام دیدون گا،

سکندر نے جب کنیزک چینی سے اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ غرور کے لہجہ مین اپنے اوصاف بیان کرتی ہی، بادشاہ اور کنیز کا کوئی مقابلہ نہین، لیکن اس موقع پر نظامی نے جدت آفرینی سے سکندر کا ایک ایک وصف بیان کرکے، اس کے مقابلہ مین اسکی ترجیح کی وجہین، کنیز کی زبان سے ادا کی ہین،

ملک گر ز جمشید بالاتر است	رخ من ز خورشید زیباتر است
شہ ار کیقباد بلند افسر است	مرا افسر از مشک و از عنبر است
شہ ار چون سلیمان شود دیو بند	مرا در جہان ہست دیوانہ چند
شہ ار زانکہ عالم گرفت ای شگفت	من آن را گرفتم کہ عالم گرفت
اگر چہ کمند جہانگیر شاہ	فتادہ است در گردن مہر و ماہ
کمندے من از زلف بر ساز مش	نہ ترسم بہ گردن دراندازمش
گر او را کمندے بود ماہ گیر	مرا ہم کمندے بود، شاہ گیر
گر او ناوک اندازد، از دور دست	مرا غمزۂ ناوک انداز ہست

سکندر رہ بہ حیوان، خطا می رود — من اینجا سکندر کجا می رود
اگر راہ ظلمات می بایدش — سر زلف من راہ بنمایدش
لب من کہ یاقوت رخشان درو است — لب چشمۂ آب حیوان درو است

رزمیہ

شاہنامہ کو سو برس سے اوپر ہو چکے تھے، اس عرصہ مین زبان مین، بڑا انقلاب ہو گیا تھا، سیکڑون الفاظ بالکل متروک ہو گئے تھے، اکثر الفاظ، حروف زائد گرا کر خوبصورت قالب مین ڈھل چکے تھے، عربی کے نئے نئے مانوس الفاظ، داخل ہوتے جاتے تھے، زبان کے انقلاب کے ساتھ مضامین کی طرز ادا کی روش بھی بدلگئی تھی، استعارات اور تشبیہات مین لطافت و نزاکت آگئی تھی طبیعتین مضمون آفرینی کی طرف مائل ہوتی جاتی تھین، ان باتون سے شاہنامہ کی عالمگیر آواز دھیمی پڑنے لگی تھی، قصے زبانون پر رہ گئے تھے، لیکن اشعار بھولتے جاتے تھے اِس بنا پر قوم کے شجاعانہ جذبات کے زندہ رکھنے کے لیے ایک دوسرے شاہنامہ کی ضرورت تھی، جو سکندرنامہ کے قالب مین نمودار ہوا،

سکندرنامہ کے ہیرو کے انتخاب مین غلطی ہوئی، لیکن مجبوری تھی، قومی تاریخ فردوسی کے حصہ مین آچکی تھی، رسول اللہ کے غزوات اور خلفاء کے معرکون مین شاعری کی گنجائش کم تھی کیونکہ اصلیت سے بال برابر بھی ہٹتے تو مذہبی عدالت مین مجرم قرار پاتے اور شاعری کیلیے کچھ نہ کچھ آب و رنگ چڑھانا ضرور تھا خود کہتے ہین

چو نظم گزارش بود راہ گیر — غلط کردنِ رہ بود ناگزیر
مرا کار با نغز گفتار نیست — ہمہ کار من خود غلط کار نیست

وگر بے شگفتے گزاری سخن	ندارد نوی، نامہ ہائے کہن

اب اِسکے سوا چارہ نہ تھا کہ کسی مشہور کشور ستان کی داستان اختیار کیجائے اِس حیثیت سے سکندر کا کوئی ہمسر نہ تھا، ایشیا، اور یورپ دونون اسکو مانتے تھے، البتہ یہ افسوس ہے کہ **نظامی** نے مذہب ملا دیا، یعنی ذو القرنین کو سکندر بنا دیا جو صریح قرآن مجید کے خلاف ہے،

سکندر نامہ مین اگرچہ شاعری کے محاسن بہت زیادہ ہین، بااین ہمہ **شاہنامہ** کے برابر مقبول نہو سکا، اِسکے خاص اسباب ہین،

۱- سکندر نامہ مین اکثر جگہ تعقید ہی، جو بات کہنا چاہتے ہین، اس طرح صاف صاف نہین کہہ سکتے کہ زبان سے نکلنے کے ساتھ دل مین اُتر جائے، یہی وجہ ہے کہ کثرت سے شرحین اور حاشیے لکھے گئے، اسپر بھی بہت سے مقامات لاینحل رہ گئے، اور اکثر جگہ زبردستی مطلب پہنانا پڑا،

۲- کتاب کا ہیرو ایک غیر شخص یعنی سکندر تھا، اسلیے ایرانیون کو اُسکے واقعات سے ایسی دلچسپی اور رغبت نہین ہو سکتی تھی، جو خود اپنی قوم سے ہو سکتی تھی، شاہنامہ کے مقبول ہونے کا بڑا گُر یہ تھا کہ خود اپنی قوم کی داستان تھی،

۳- تمام کتاب مین صرف ایک شخص کی داستان ہی، پڑھنے والا اُکتا اُکتا جاتا ہی بخلاف اِسکے شاہنامہ مین سیکڑون اشخاص کے واقعات اور گوناگون حالات ہین، ایک غذا سے جی گھبرائے تو اور طرح طرح کے الوان نعمت موجود ہین،

۴۔ تمام کتاب مین کوئی دردانگیز اور عبرت خیز واقعہ نہین ہی، بخلاف اسکے شاہنامہ مین رستم وسہراب، منیزہ وبیژن، جمشید وضحاک، کی داستانین نہایت پُر اثر اور حسرت آمیز ہین،

باوجود ان باتون کے سکندرنامہ نے جو قبولیت حاصل کی، تعجب انگیز ہی، شاہنامہ کے سوڈیڑھ سوہی برس بعد سکندرنامہ لکھا گیا اور شہرت عام پاگیا، سکندرنامہ کو آج چھ سو برس کا زمانہ گزر چکا، اس مدت مین اس طرز پر بیسیون کتابین لکھی لیکن اُنکا نام بھی کوئی نہین جانتا، سکندرنامہ جامی، آئینہ اسکندری، ہمای ہمایون، اکبرنامہ سلیمان نامہ[1] انکا نام کس نے سُنا ہی؟

رزمیہ نظم کا یہ اصول ہے کہ پہلے حربی باجون کے بجنے، دار وگیر، ہنگامہ شور وغل اور عام ہلچل کا نقشہ کھینچا جائے، پھر فوجون کی حملہ آوری، زور شور، جوش وخروش کا ذکر کیا جائے، پھر آلات جنگ یعنی تیر وکمان، تیغ وسنان، نیزہ وخنجر کی کارستانیان دکھائی جائین پھر ایک ایک پہلوان کا معرکہ مین آنا، رجز پڑھنا، مبارز طلب ہونا، حریف سے لڑنا، داؤن پیچ کرنا، مرنا یا مارنا، ان باتون کا ذکر کیا جائے، اور اس طرح کیا جائے کہ میدان جنگ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے، سکندرنامہ مین یہ سب باتین ہین اور کمال کے درجہ پر ہین،

حربی باجون کا ذکر،

[1] یہ سب مثنویان سکندرنامہ کی طرز پر اور اُسکے جواب مین لکھی گئی ہین،

درآمد به غرّیدن آواز کوس — فلک بر دهانِ دهل داد بوس

ز غرّیدنِ کوس خالی دماغ — زمین لرزه افتاد در کوه و راغ

چنان آمد از نای ترکی خروش — که از نای ترکان برآورد جوش (گلا)

برآورده خرمهره آواز شیر — دماغ از دمِ گاودم گشت سیر (ناقوس — ترنا)

طراقی که از مقرعه خواسته — برون رفت از زین طاق آراسته (ترماقی کی آواز — تازیانہ)

ز بیم چاچق که آمد ز تیر — کفن گشت در زیر جوشن حریر

ہنگامہ جنگ

روارو برآمد ز راه نبرد — هزاهز درآمد به مردان مرد

به جنبش درآمد دو دریای خون — شد از موج آتش، زمین لاله گون

زمین گفتی از یکدگر بر درید — سرافیل صور قیامت دمید

یکے گفت هوی دگر گفت هان — برآورد سرهای و هوی از جهان

جگر تاب شد نعره هاے بلند — گلوگیر شد حلقهاے کمند

سپاه از دو جانب صف آراسته — زمین آسمان وار برخاسته

ز سمّ ستوران دران پهن دشت — زمین شش شد و آسمان گشت هشت

فرو رفت و بر رفت روز نبرد — نم خون به ماهی و بر ماه گرد

ز بس گرد بر تارک و ترک و زین — زمین آسمان، آسمان شد زمین

چنان گرم گشت آتش کارزار — که از نعل اسپان برآمد شرار

ز بس خون که گردآمد اندر مغاک — چو گوگرد سرخ آتشین گشت خاک

زغرّیدن ژندہ پیلان مست — گرہ در گلوی هژبران شکست
زمین کو بساطے بدُ آراستہ — غباری شد از جاے برخاستہ
ز پولاد پیکان پیکر شکن — تن کوہ لرزید بر خویشتن
پدر با پسر کین بر آراستہ — محابا شدہ، مهر برخاستہ
ستون علم جامہ در خون زدہ — نجات از جہان خیمہ بیرون زدہ

آلات جنگ

ز شمشیر برگشتہ جاے نبود — کہ در غار او اژدہاے نبود
نهنگ خدنگ از کمین کمان — نیاسود بر یک زمین یک زمان
کمند اژدہاے مسلسل شکنج — دہن باز کردہ بہ تاراج گنج
زبس بر دہن ناچخ انداختن — نفس را نہ راہ برون تاختن
ز نیزہ نیستان شدہ روی خاک — زگوپالہا (گرز) کوہ گشتہ مغاک
سنان در سنان رستہ چون نوک خار — سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار
نهنگان شمشیر جوشن گداز — بہ گردن کشی کردہ گردن فراز
بہ ابرو در آمد کمان را شکنج — شتابان شدہ تیر چون مار گنج
ز روسی در آمد بہ ناورد گاہ — یکے خیرہ پرطاس[۱] روئین کلاہ

رجز

مبارز طلب کرد و جولان نمود — بہ نام آوری خویشتن را ستود
کہ پرطاسیان را در این خام چرم — بہ پرطاسی من نشود دشت گرم

۱ پرطاس ایک مقام کا نام ہے،

پلنگان درم بر سر کوهسار — نهنگان خورم بر لب جویبار

درشتم به چنگال و سختم بزور — بحمله درم پهلو نره گور

سنانم ز پهلو درآید بناف — دروغی نمی گویم اینک مصاف

همه خون خام است نوشیدنم — همه چرم خام ست پوشیدنم

شه گردنان شاه گردون گرای — زبر کار موکب تهی کرد جای

اسلحۂ جنگ سے آراستہ ہو کر حملہ کرنا

زره بر میان (پهلوان) گوهر آگین کمر — درآورد پولاد هندی به سر

بتن بر یکی آسمان گون زره — چو مرغول زنگی گره در گره

یمانی یکی تیغ زهراب جوش — حمائل فروهشته از طرف دوش

بکبک دری چون درآید عقاب — چگونه جهد بر زمین آفتاب

ازان تیز تر خسرو پیل تن — بتندی درآمد بران اهرمن

جنگ

بزد بانگ بر دیو کای زاغ پیر — عقاب جوان آمد آرام گیر

نخستین نبردی که تدبیر کرد — بران تیره دل بارش تیر کرد

چو زخیم را نامد از تیر باک — زننده شد از تیر خود خشمناک

یکی خشت (برداشت) پولاد الماس رنگ — برآورد و زد بر دلاور نهنگ

ز سختی که تن را همی در فشرد — بران خاره شد خشت پولاد خرد

دگر خشتی انداخت زان تیز تر — بران کشتنی (بهم) هم نشد کارگر

چو دانست کان دیو آهن سرشت — نیندیشد از حربه تیر و خشت

نہنگ جہانسوز را برکشید | سوے اژدہاے دمندہ دوید
(تلوار)
زدش بر کتف گاہ، و بر دوش زجاے | چنان کان ستمگر در آمد زجاے

لیکن انصاف یہ ہے کہ نظامی، فردوسی کی طرح، خاص لڑائی کی داؤن پیچ اور فنون جنگ کی تصویر اچھی طرح نہین کھینچ سکتے،

نظامی اور فردوسی کا موازنہ | اگرچہ انصاف یہ ہے کہ **نظامی** فردوسی کے ہمپایہ نہین ہین، تھوڑا سا شیرین پانی لیکر، بار بار چھانا جاے، مقطر کیا جاے، اور پھر کسی خوشرنگ خوشنما گلاس مین رکھا جاے تو اُسکی شیرینی، خوشگواری، صفائی اور خوشنمائی مین کیا شک ہے، لیکن ایک صاف شیرین قدرتی چشمہ، جو پہاڑ کے دامن سے نکلکر، بہتا چلا جاتا ہی، اُس سے کیا نسبت، تاہم دونون کا انداز کلام، دکھانے کے لیے ہم چند مشترک عنوانون کے اشعار نقل کرتے ہین اور اُنکا فرق دکھاتے ہین،

سکندر کا قاصد بنکر **نوشابہ** کے دربار مین جانا، سکندرنامہ کی مشہور داستان ہے، یہی قصہ شاہنامہ مین بھی ہے فرق یہ ہے کہ شاہنامہ مین نوشابہ کے بجاے **قیدافہ** کا نام ہے جو اندلس کا بادشاہ تھا، باقی حالات مشترک ہین، یعنی بادشاہ نے سکندر کو پہچان لیا ہے اور اس سے اسکا اظہار کیا ہے، سکندر انکار کرتا ہے بادشاہ اُس کی تصویر منگا کر سامنے رکھدیتا ہے کہ اپنے چہرہ سے ملا لو، سکندر سخت مضطر ہوتا ہے، بادشاہ اُسکو تسلی دیتا ہے کہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے،

فردوسی

چو قیدافه را دید بر تخت عاج
ز یاقوت و پیروزه بر سرش تاج
ز زربفت پوشید چینی قبای
فراوان پرستنده پیشش بپای
رخ شاه تابان به کردار هور
نشستنگهش را ستون ها بلور
پرستنده باطوق و با گوشوار
به پا اندران گلشن زرنگار
سکندر بدان در شگفتی بماند
فراوان نهان نام یزدان بخواند
نشستنگهی دید قیصر که نیز
نیابد ورا روم و ایران به چیز
بر مهتر اندر زمین داد بوس
چنان چون بود مردم چاپلوس
ورا دید قیدافه بشناختش
بپرسید بسیار و بنواختش

نظامی

برآراست نوشابه درگاه را
بزر در گرفت آهنی راه را
پریچهرگان را بصد گونه زیب
صف اندر صف آراست آن دلفریب
برآمود گوهر به مشکین کمند
فروهشت بر گوهر آگین پرند
براورنگ شاهنشهی بر نشست
گرفته معنبر ترنجی بدست
بفرمود کائین بجای آورند
فرستاده را در سرای آورند
فرستاده از در درآمد دلیر
سوی تخت شد چون تنابنده شیر
کمربند شمشیر بگشاد باز
برسم رسولان نه بردش نماز
نهانی دران قصر زیبنده دید
بهشتی سرای فریبنده دید

به مے خوردن اندر، گران پادشاه
فزون کرد، سوی سکندر نگاه
به گنجور گفت آن درخشان حریر
نبشته برو صورت دلپذیر
به پیش من آور چنان هم که هست
به تندی برو هیچ پیمای[١] دست
بیاورد گنجور و بنهاد پیش
چو دیدش نگه کرد ز اندازه بیش
به چهر سکندر نکو بنگرید
ازان صورت او را جدائی ندید
بدانست قیدافه کان قیصر است
بران لشکر نامور مهتر است
بدو گفت کاے مرد گسترده کام
بیا تا چه دادت سکندر پیام
چنین داد پاسخ که شاه جهان

زبس گوهرین گوش گردن کشان
شده چشم بیننده گوهر فشان
ز تابنده یاقوت و رخشنده لعل
خرامنده را آتشین گشت نعل
مگر کان و دریا بهم تاختند
همه گوهر اینجا برانداختند
زن زیرک از سیرت شان او
دران داوری شد هراسان او
که این کاردان مرد آهسته رائے
چرا شرط خدمت نیارد بجائے
ز سر تا قدم دید در شهریار
زر پخته را بر محک زد عیار
چو نیکو نگه کرد بشناختش
به تخت خود آرام گه ساختش
سکندر به رسم فرستادگان

[١] یعنی بے احتیاطی سے ہات نہ لگانا،

فردوسی

سخن گفت با من میان مهان
که قیدافهٔ پاک دل را بگوی
که جز راستی در زمانه مجوی
مگر سر نه پیچی ز فرمان من،
نگهدار بیدار پیمان من
دگر پیچ تاب اندر آری بدل
بیارم یکی لشکری دل گسل
برآرم دمار از همه لشکرت
به آتش بسوزم همه کشورت
بدو گفت کای زاده فیلقوس
همت رزم و بزم ست و هم نام و بوس
دلیر آمدی پیش من باژ خواه
ندانم ترا اینکه بنمود راه
سکندر ز گفتار او گشت زرد
روان پر ز درد و رخان لاجورد
بدو گفت کای مهتر پر خرد

نظامی

نگه داشت آئین آزادگان
پس آنگه گزارش گرفت از پیام
که شاهِ جهان داور نیکنام
چنین گفت کای داور نامجوی
نه نام آوران جهان برده گوی
چه افتاد کز ما عنان تافتی
سوی ما تو یک روز نشتافتی
زبونی چه دیدی که توسن شدی
چه بیداد کردم که دشمن شدی
چو من ره درین مملکت ساختم
برو سایهٔ دولت انداختم
کمر چون نبستی بدرگاهِ من
چرا روی پیچیدی از راهِ من
به پاسخ نمودن زن هوشمند
زیاقوت سربسته بگشاد بند
که صد آفرین بر تو شاه دلیر

چنین گفته از تو نه اندر خورد
منم نیطقون کہ خداے جہان
جزاین بچهٔ نیلقوسم مخوان
بدو گفت **قیدافه** کز داوری
بت را بپرداز کا سکندری
بیاورد و بنهاد پیشش حریر
نوشته بر و صورتے دلپذیر
که گر ہیچ جنبش بدے در نگار
نبودے جزا سکندر شہریار

که پیغام خود خود گزاری چو شیر
چنان آیدم در دل اے پہلوان
کہ با این سرو سایهٔ خسروان
میانجی نه شاه آزاده ،
فرستندهٔ نه فرستاده ،
پیام تو چون تیغ گردن زند
گر از مہر و کین تیغ بر من زند
ز تیغ سکندر چه رانی سخن ،
سکندر توئی چارهٔ خویش کن
مرا خواندی و خود بدام آمدی
نظر پخته تر کن که خام آمدی
جہاندار گفت اے سزاوار تخت
پژوهش مکن جز به فرمان بخت

نظامی

سکندر محیط است و من جوی آب
منه تهمت سایه بر آفتاب
بدرگاه او بیش ازان ست مرد
که او را قدم رنجه بایست کرد
دگر بار نوشابهٔ هوشمند
ز نوشین لب خویش بگشاد بند

نظامی

گزین بیش بر دلفریبی مباش | به نا راستی یکر یبی مباش
پیامت بزرگ است و نامت بزرگ | نهفته مکن شیر در چرم گرگ
فرستاده را نیست این دسترس | که با ما به تندی بر آرد نفس
نه جباری خویش را کم کند | نه در پیش من پشت را خم کند
جوابش چنین داد شاه دلیر | که ناید ز روباه پیغام شیر
اگر من چه چشم تو نام آورم | سکندر نیم زو پیام آورم
اگر در میانجی دلیر آمدم | نه از روبه از نزد شیر آمدم
بر آشفت نوشابه زان شیر دل | که پوشید خورشید را زیر گل
بفرمود کارد کنیزے دوان | حریرے برو پیکر خسروان
یکے گوشه از شقهٔ آن حریر | بدو داد کین نقش بر دست گیر
ببین تا نشان رخ کیست این | درین کارگاه از پے چیست این
اگر پیکر تست چندین مکوش | به ابروی خود آسمان را مپوش
سکندر بفرمان او ساز کرد | حریر نوشته ز هم باز کرد
بعینه در و صورت خویش دید | ولایت بدست بد اندیش دید
بترسید و شد رنگ رویش چو کاه | بدارا ے خود برد خود را پناه

(۱) سب سے پہلے اس پر نظر ڈالو کہ جہان ایک ہی خیال، ایک ہی واقعہ، ایک ہی

بات کو دونون نے لکھاہی وہان بھی، بندش الفاظ کے لحاظ سے کسقدر فرق ہی، نظامی کی ترکیبون کی چستی، قافیون کی بلندی، فقرون کے دروبست، الفاظ کے شکوہ کا یہ انداز ہی کہ گویا شیر گونج رہاہے، اِسکے مقابلہ مین فردوسی کا کلام ایسا معلوم ہوتاہے جس طرح کوئی پراتم بڈھا پیرانہ لہجہ مین ٹھہر ٹھہر کر باتین کرتا ہے، اِن اشعار کا مقابلہ کرو،

فردوسی	نظامی
ز زربفت پوشید چینی قباے	پریچہرگان را بصد گونہ زیب
فراوان پرستندہ پیش بپاے	صف اندر صف آراستہ آن دلفریب
بر مہتر اندر زمین داد بوس	سکندر بہ رسم فرستادگان
چنان چون بود مردم چاپلوس	نگہ داشت آئین آزادگان،
سکندر بدان در شگفتے بماند	نہانی دران قصر زیبندہ دید
فراوان نہان نام یزدان بخواند	بہشتی سراے فریبندہ دید
بسوے خوردان اندر گران مایہ شاہ	ز سرتا قدم دید در شہریار
فزون کرد سوے سکندر نگاہ	زر پختہ را بر محک زد عیار
بر گنجور گفت آن درخشان حریر	یکے گوشہ از شقۂ آن حریر
نبشتہ برو صورتے دلپذیر	بدو داد کین نقش بردست گیر
کہ قیدافہ را پاک دل را بگوے	چنین گفت کاے داور نامجوی
کہ جز راستی در زمانہ مجوے	ز نام آوران جہان بردہ گوے

نظامی	فردوسی
کہ صد آفرین بر تو شاہِ دلیر	دلیر آمدی پیش من باز خواہ
کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر	ندانم ترا اینکہ بنمود راہ
میانجی نہ شاہ آزادہ	بدو گفت تیدافہ کز داوری
فرستندہ نہ فرستادہ	لبت را بپرداز کا سکندری
تبرسید و شد رنگ رویش چو کاہ	سکندر زگفتار او گشت زرد
بدارائے خود برد، خود را پناہ	روان پر ز درد و رخان لاجورد
سکندر محیط است و من جوی آب	منم نیطقون کد خدائے جہان
منہ تہمت سایہ بر آفتاب	جزاین بچہ فیلقوسم مخوان

(۲) انہی اشعار مین بلاغت کا فرق دیکھو،

نظامی	فردوسی
صف اندر صف آراستا ن لفریب	فراوان پرستندہ پیش بپاے

فردوسی کے بیان سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ غلامون اور لونڈیون کا ہجوم تھا، اور سب کھڑے تھے، لیکن نظامی کے بیان سے انکا باقاعدہ صف بصف ایستادہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے "آراستہ" کے لفظ نے اِس خصوصیت کو اور روشن اور خوشنما کر دیا ہی،

نظامی	فردوسی
سکندر بہ رسم فرستادگان	بر ہنہ اندر زمین داد بوس

	چنان چون بود مردم چاپلوس		نگہ داشت آئین آزادگان		

فردوسی نے سکندر کی شان کا کچھ لحاظ نہین رکھا، زمین چومنا خوشامدیونکا شیوہ ہے **فردوسی** کو اسپر بھی قناعت نہین، بلکہ کھول کر کہتا ہے کہ سکندر نے اس طرح زمین چومی جس طرح خوشامدی چوما کرتے ہین، **نظامی** نے اگرچہ "برسم فرستادگان" کے لفظ سے ظاہر کر دیا ہے کہ سکندر نے قاصدون کے طریق اور آئین کو ملحوظ رکھا تھا، تاہم دوسرے مصرع مین دفع دخل بھی کر دیا کہ اس حالت مین بھی اپنی آن تان نہین چھوڑی،

فردوسی — **نظامی**

	سکندر بدان در شگفتی بماند		نہانے دران قصر زیبندہ دید		
	فراوان نہان نام یزدان بخواند		بہشتی سرائے فریبندہ دید		

فردوسی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر بالکل ندیدہ تھا، دربار کے ٹھاٹ کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا اور بار بار خدا کا نام لیتا تھا، **نظامی** نے مکان اور ایوان کی عمدگی اور خوبی کا اثر سکندر پر طاری کرنا چاہا ہی لیکن اسیقدر کہ وہ کنکھیون سے دیکھا جاتا تھا،

فردوسی — **نظامی**

	فزون کرد سوے سکندر نگاہ		ز سر تا قدم دید در شہریار		

فزون نگاہ کردن، اسے صرف اسیقدر ثابت ہوتا ہے کہ قیدافہ سکندر کو بڑی

دیر تک دیکھتا رہا ممکن ہے کہ صرف چہرہ پر ہی دیر تک اُس کی نظر جمی رہی، لیکن صرف چہرہ کی مشابہت پہچاننے کے لیے کافی نہین، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمیونکے چہرے ملتے جُلتے ہوتے ہین، لیکن اور اعضا مین فرق ہوتا ہی، بخلاف اسکے نظامی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشابہ نے سکندر کو سر سے پاؤن تک دیکھا، یعنی نہ صرف چہرہ بلکہ تمام اعضا اور ڈیل ڈول رنگ روپ، سج دہج کو بھی دیکھا، جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ سکندر ہی،

نظامی	فردوسی
چنین گفت کاے داور ناجوی	کہ قیدافۂ پاک دل راگوے
زنام آوران جہان بردہ گوی	کہ جز راستی در زمانہ مجوے

قاصد کا بادشاہ کے دربار مین بادشاہ کا نام لینا، اور پھر فوراً تنبیہ اور نصیحت شروع کر دینا، دستور کے خلاف ہی، اسلئے نظامی نے نام نہین لیا بلکہ داور ناجو کے لفظ سے خطاب کیا اور اسکے ساتھ مدحیہ الفاظ اضافہ کیئے،

نظامی	فردوسی
کہ صد آفرین بر تو شاہ دلیر	دلیر آمدی پیش من باز خواہ
کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر	ندانم ترا این کہ جُو در راہ

فردوسی نے اس بات کو کہ قیدافہ نے سکندر کو پہچان لیا نہایت بے مزہ طریقہ سے بیان کر دیا ہے، اسکے ساتھ یہ الفاظ کہ معلوم نہین کسنے تمکو یہ طریقہ سکھایا، اور بھی

بدتہذیبی ہے، بخلاف اسکے **نظامی** اسی بات کو اس طرح ادا کرتے ہین، جس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ **نوشابہ** کو یہ ظاہر کرنا مقصود نہین کہ مین نے آپ کو پہچان لیا بلکہ وہ سکندر کی دلیری اور جرأت کے اثر سے متاثر ہے، اور بے اختیار تعریف کرتی ہی،

نظامی	فردوسی
تبرسید و شد رنگ رویش چو کاہ بہ دارا ے خود بر دخود را پناہ	سکندر ز گفتار او گشت زرد روان پُر ز درد و رخان لاجورد

اسقدر مضمون دونون کے ہان مشترک ہی کہ جب سکندر کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اسکو پہچان لیا، تو وہ ڈرا اور متردد ہوا لیکن **فردوسی** نے اسکے ڈرنے کو اس قدر حد سے بڑھا دیا جو سکندر کی شان سے بالکل بعید ہی، "روان پُر ز درد و رخان لاجورد"، **نظامی** کے بیان سے بھی اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کا رنگ زرد پڑ گیا اور دل مین خدا سے دعا مانگی کہ اس خطرہ سے بچ جائے، لیکن اتنا بھی بدحواس نہین ہوا کہ دل مین ٹیس اُٹھنے لگی، فردوسی نے پہلے مصرع مین سکندر کا زرد پڑ جانا بیان کر دیا تھا، لیکن اسپر بھی تسلی نہین ہوئی اسلئے دوسرے مصرع مین پھر کہنا پڑا "رخان لاجورد"،

(۳) اب عام طرح پر نظر ڈالو، جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ بیان کرنے والا واقعہ کا خاکہ (پلین) کیونکر قائم کرتا ہے، اور یہ بلاغت کا پہلا لیکن سب سے ضروری مرحلہ ہی،

فردوسی نے واقعہ کا جو خاکہ قائم کیا ہی اُسمین متعدد نا موزونیان ہین،

(۱) سکندر قاصد کے لباس مین خوشامدیون کی طرح دربار مین آداب بجالاتا ہی،

(۲) دربار کو دیکھ کر مبہوت ہوجاتا ہے، گویا کبھی شاہانہ دربار دیکھا ہی نہ تھا،

(۳) حالانکہ سکندر کی رفتار گفتار، طور وطریقہ سے ابھی کوئی بات ظاہر نہین ہوئی تھی جس سے اس احتمال کی طرف ذہن جاے کہ یہ خود سکندر ہی تاہم بادشاہ کو شبہ ہوتا ہے اور وہ سکندر کے چہرہ کو بہت غور سے دیکھتا ہی، اِسلیے **نظامی** نے اِسکا یہ پہلو نکالا کہ سکندر نے قاصدون کی طرح سجدہ نہین کیا تھا اور پیغام اس شان سے ادا کیا کہ قاصد، اِس دلیری اور جرأت سے ادا نہین کرسکتا تھا، اِس حالت مین شبہ پیدا ہونا ضرور تھا، اور شبہ کو اِسلیے قوت ہوئی کہ سکندر کی تصویر اُس کی نظر سے گزرچکی تھی،

(۴) قیدافہ نے سکندر کے سامنے ہی تصویر منگا کر دیکھی، حالانکہ جب مخفی طور سے سکندر کو پہچاننا مقصود تھا، توسکندر کے سامنے تصویر منگوا کر دیکھنا نہ چاہیے تھا،

(۵) سکندر جب قاصد کی حیثیت سے پیغام ادا کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آداب شاہی سے ناواقف ہی، اول تو بادشاہ کا نام لینا خلاف ادب ہی، اسکے علاوہ پہلے ہی سخت کلامی شروع کردینی، نہایت بد تہذیبی ہی،

برآرم دمار از ہمہ لشکرت	بہ آتش بسوزم ہمہ کشورت

(۶) سکندر جب اپنے آپ کو چھپاتا، اور سکندر کا قاصد ہونا ظاہر کرتا ہے تو اسکو سکندر کا نام بڑی تعظیم وتکریم سے لینا چاہیے تھا، لیکن وہ سکندر کو بچۂ فیلقوس کے خطاب سے یاد کرتا ہی،

ع جز این بچہ فیلقوس[1] مخوان،

اسکے مقابلہ مین **نظامی** نے جس طرح اس تمام واقعہ کا خاکہ کھینچا ہے وہ یہ ہے،

نوشابہ کو جب معلوم ہوا کہ سکندر کے دربار سے قاصد آتا ہے تو اُسنے بڑی ساز و سامان سے دربار آراستہ کیا، خود بھی بن ٹھن کر ہات مین ایک ترنج لیے ہوے تخت شاہی پر بیٹھی سامنے پری چہرہ کنیزین صف باندھ کر کھڑی ہوئین، پھر سکندر کو طلب کیا، سکندر دربار مین آیا تو آداب شاہی کے موافق کمربند سے تلوار کھول کر رکھدی، لیکن سجدہ نہین کیا اس موقع پر دربار جو جواہرات سے جگ مگ کر رہا تھا، اُسکو نہایت مبالغہ آمیز پیرایہ مین ادا کیا ہی،

ز تابندہ یاقوت و رخشندہ لعل	خرامندہ را آتشین گشت نعل
مگر کان و دریا بہم تاختند	ہمہ گوہر آن جا بر انداختند

قاصد کے شاہانہ طرز کلام سے نوشابہ کو شبہ ہوا کہ یہ خود سکندر ہی، خوب غور سے دیکھا تو یقین ہو گیا، قاصد نے اب پیغام ادا کرنا شروع کیا کہ شہنشاہ نے کہا ہی کہ ہماری طرف کیا کمی ہوئی جو تم نے بے اعتنائی کی، آج تک تم دربار مین نہ آئے، ہم ان اطراف مین بھی آئے لیکن تم نے ادھر رخ نہ کیا،

نوشابہ نے کہا کہ آپ کی جرأت پر صد ہزار آفرین ہو کر آپ اپنا پیغام ادا کرتے ہین آپ کی باتین تلوار کا کاٹ کرتی ہین، یہ تلوار اور کس کی مجال ہی کہ مجھ پر چلائے

[1] اس بیان مین فردوسی و نظامی کے اشعار کررآ گئے، لیکن اس بحث کو اچھی طرح ذہن نشین کرنیکے لیے ایسا کرنا ضرور تھا،

سکندر انکار کرتا ہے کہ مین سکندر نہین، پھر اُسکی نہایت عمدہ توجیہین بیان کرتا ہی کہ کجا سکندر، کجا مین، سکندر کے دربار مین آدمیون کی کیا کمی ہی کہ خود قاصد بنکر آتا، اِس موقع پر نوشابہ و سکندر کے سوال و جواب کو نہایت بلیغ انداز مین طول دیا ہے، آخر نوشابہ جھلا کر سکندر کی تصویر منگوا کر اُسکو دکھلاتی ہے، اور سکندر لاجواب ہو کر رہ جاتا ہے، اسکے ساتھ خطرہ کے خیال سے اُسکے چہرہ کی رنگت زرد پڑ جاتی ہی،

اِس تمام سلسلہ مین کہین سے کوئی کسر نہین، تمام واقعات، اصلیت اور نیچر کے مطابق ہین، اِسکے ساتھ فصاحت و بلاغت، تشبیہات اور استعارات کی ندرت اور لطافت، الفاظ کی شان و شکوہ، ان تمام باتون نے اِس داستان کو سحر سامری بنا دیا ہی،

نظامی اور فردوسی مین یہ فرق اور بہت سے موقعون پر نظر آتا ہے، لیکن طول کے لحاظ سے ہم قلم انداز کرتے ہین، سکندر و دارا کی گفتگو اوپر گزر چکی ہی، اسکو اِس موقع پر ایک بار اور دیکھ لینا چاہیے، اِن سب باتون پر بھی فردوسی ہی اور نظامی نظامی،

چند ضروری باتین

۱- شعر العجم کے ۴ حصون مین سے یہ پہلا حصّہ جو شایع ہو رہا ہے اسمین صرف قدیم شعرا کے حالات اور انکی شاعری سے بحث ہے، دوسرا اور تیسرا حصّہ مطبع مین جا چکا ہے پہلے حصّہ کی تالیف مین اگرچہ تدقیق اور محنت مین کچھ کمی نہین کی گئی لیکن مجکو صاف کہنا چاہیے کہ یہ حصّہ اور تمام حصون کی بہ نسبت کم دلچسپ ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی تصنیف کی دلچسپی یا شعرا کے حالات سے ہو سکتی تھی یا اُن اشعار سے جو جابجا مثال مین پیش کیے جاتے ہین، قدیم شعرا کے حالات، کم ملتے ہین، اور یہ حصّہ قدما ہی تک محدود ہی، دقیقی، عنصری نظامی بہت بڑے رتبہ کے شاعر ہین لیکن انکے حالات اور واقعات اسقدر کم ہین کہ مجبوراً چھوٹی چھوٹی باتون کو لیکر پھیلانا پڑا ہے، قُدما مین سے دور اوّل کی زبان، آج بالکل نامانوس ہے، دقیقی، فردوسی، منوچہری، عنصری، کے متواتر دو شعر بھی آج کل کی زبان مین نہین ملتے، اسکے علاوہ انکی شاعری مین عشق کی چاشنی گویا ہی نہین، اسلیے انکے کلام مین آج کل کے لوگون کو مزا نہین آسکتا،

غرض یہ حصّہ چندان تفریح اور تفنّن کے کام کا نہین، اسکو ایک علمی خشک مضمون کی حیثیت سے پڑھنا چاہیے، باقی حصے البتہ دلچسپ، بامزہ اور رنگین ہین،

۲- چونکہ کتابون کی تفحص اور تلاش کا سلسلہ ابتک قائم ہی اور بعض بعض نادر کتابین

اِس حصّہ کی تصنیف کے بعد ہات آئین اسلیے وہ معلومات جو ان کتابون سے ہات آئے اب چوتھے حصّے کے کام آئین گے، مثلاً تمام تذکرون مین مذکور ہے کہ ایران مین سب سے پہلے بہرام گور نے شعر کہا اور وہ یہ تھا،

منم آن پیل دمان و منم آن شیر یلہ	نام بہرام مرا و پدرم بوجبلہ

لیکن مین نے اس روایت کو اسلیے نظر انداز کیا تھا کہ اوّل تو یہ اُس زمانہ کی زبان نہین ہو سکتی دوسرے یہ کہ بہرام کے کلام مین ابوجبلہ عربی لفظ کیون آتا، لیکن لب اللباب عوفی کی پہلی جلد، کتاب کی تصنیف کے بعد چھپکر یورپ سے آئی تو اسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بہرام گور عرب مین پلا تھا، اور عربی زبان مین شعر کہتا تھا چنانچہ عوفی نے اسکا عربی دیوان خود دیکھا تھا لب اللباب مین یہ شعر کسی قدر تغیر کے ساتھ مذکور ہے جس سے اس کی ساخت اور زبان دونون پر اثر پڑتا ہے،

۳- دنیا مین ناممکنات کی اب تک جو فہرست تیار ہو چکی ہے، اسمین ایک نمبر "کتاب کا صحیح چھپنا،، بھی اضافہ کرنا چاہیے، یہ مصیبت، مدت سے مجکو پیش آتی ہے لیکن علاج کی کوئی صورت نہین نکلتی، کاپیون اور پروف کی تصحیح چندان کام نہین دیتی، چھپنے مین حرف کچھ سے کچھ ہو جاتے ہین، کسی کتاب کے ساتھ غلط نامہ لگانا بھی بیکار سا ہے غلط نامہ سے کتاب کو مطابق کر کے تصحیح کرنا، اتنی بڑی زحمت کون اُٹھائے، اسی بنا پر مین نے کبھی اسکا قصد نہین کیا، لیکن شعر العجم فارسی لٹریچر کا آئینہ ہے، اسکی غلط بیانی کا اثر خود زبان پر پڑ سکتا ہے، اسلیے چار و نا چار مین خود زحمت اُٹھاتا ہون اور احباب کو

بھی زحمت دیتا ہون، خفیف غلطیان تو اسقدر ہین کہ سب کا احصار کرون تو ایک اور کتاب تیار ہو جائے، اس لیے موٹی موٹی غلطیان لکھدی ہین، ایک عام غلطی یہ ہے کہ بین السطور من جہان کہین، مین نے کسی لفظ کے نیچے اسکے معنی لکھدیے ہین کاتب صاحب و ہانسے ہٹا کر کسی دوسرے لفظ کے نیچے وہ معنی لکھدیتے ہین، اور اس سے مصنف کی سخت جہالت ثابت ہوتی ہی،

ایک جگہ اہل مطبع نے نہین بلکہ مین نے خود سخت غلطی کی ہی جس سے فردوسی کی شاعری پر حرف آتا ہے اس لیے نہایت ندامت کے ساتھ فردوسی سے اسکی معافی چاہتا ہون، کتاب کے ۱۶۷ صفحہ سطر ۵ مین یہ عبارت ہی،

"صلاح و مشورہ کے لیے لوگ جمع ہوے ہین، اس بین کھانا بھی سامنے آگیا ہے، لوگ کھا پی کر اٹھ کھڑے ہوے، اسکو اس طرح ادا کرتا ہی،

"پے مشورہ مجلس آراستند	نشستند، خوردند، و برخاستند"

لیکن فردوسی کا شعر مین نے غلط نقل کیا، اور اسلیے معنی بھی غلط لکھے، شعر کا دوسرا مصرع اصل مین یون آیا ہی،

ع نشستند و گفتند، و برخاستند،

نکتہ دان بلاغت جانتا ہی کہ اس ایک لفظ (گفتند) کے تغیر سے شعر برباد ہو جاتا ہی،

شعر العجم

مُصَنّفہ

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ

یہ کتاب پانچ حصّون مین منقسم ہے،

حصّہ اول، فارسی کے شعراے متقدمین (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور اونکے کلام پر رائے، تعداد صفحات ۲۵۰، قیمت ۱ عہ

حصّہ دُوم، شعراے متوسطین (خواجہ فرید الدین عطار سے، حافظ اور ابن یمین تک) کے تذکرے اور اونکے کلام پر رائے، تعداد صفحات ۲۰۲، قیمت عہ

حصّہ سوم، شعراے متاخرین (فغانی سے کلیم تک) کے تذکرے اور اونکے کلام پر رائے، تعداد صفحات ۲۳۰، قیمت عہ۔ کاغذ اعلیٰ۔

حصّہ چہارم، شاعری کی حقیقت اور فارسی شاعری کے محاسن اور اوسکے مختلف اصناف مین سے مثنوی پر تبصرہ، تعداد صفحات ۳۰۰ قیمت عہ

حصّہ پنجم، قصیدہ، غزل، فلسفیانہ، عاشقانہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر نقد و تبصرہ تعداد صفحات ۲۲۵ قیمت عہ

منیجر دار المصنفین

اعظم گڈھ